اپریل تا جون 2021ء

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

اسلام کا شورائی نظام

”شورائیت“ اسلامی نظام زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے، قرآن واحادیث میں اس سلسلے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشورہ کی اہمیت کس قدر ہے اور کسی بھی نظام میں اس کی کیا ضرورت ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ نظام حکومت کی بنیاد ہے اور کسی بھی حکومت کو دیرپا رکھنے اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور دوسرے ممالک سے تعلقات استوار رکھنے میں اس کا کلیدی کردار ہے۔ لیکن یہ بھی عرض کردوں کہ موجودہ جمہوریت کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ موجودہ جمہوریت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں سر گنے جاتے ہیں لیکن ان سروں میں دماغ ہے کہ نہیں اس کی بالکل پروا نہیں کی جاتی۔ یعنی جمہوری نظام حکومت میں عام رعایا ووٹ کرتے ہیں اور زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کا شورائی نظام اہلیت سے مشروط ہے، مشورہ انھی سے لیا جائے گا جو صلاحیت مند ہوں، عالی دماغ ہوں، اعلیٰ سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، غیر جانب دار مانے جاتے ہوں، ان کی زندگی سماجی، معاشرتی، خاندانی کرپشن سے پاک وصاف ہو، اخلاقی طور پر پختہ کار ہوں، خدا ترسی اور امانت داری ان کی خو میں شامل ہو۔ اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کوئی بھی مشورہ کسی کا ذاتی مشورہ بھی نہیں ہوتا، وہ اجتماعی طور پر نافذ العمل ہوتا ہے۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

جلد: 45۔ شمارہ: 4،5،6

اپریل تا جون 2021

رمضان تا ذی قعدہ 1442

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	قیمت عام شمارہ: 30 روپے
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴	Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام ASHRAFIA MONTHLY بنوائیں	کوڈ نمبر 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ 250149 الجامعۃ الاشرفیہ 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 750 روپے دیگر بیرونی ممالک 25 $ امریکی ڈالر 20 £ پونڈ

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نـــگارشـــــــــــات

رضویات

بزمِ دانش

ادبیات

وفیات

مکتوبات

سرگرمیاں

آؤ! اسلام کا شورائی نظام قائم کریں

توفیق احسن برکاتی

دین اسلام انسانیت کا سب سے بڑا محافظ اور ایک اچھی اور پر سکون معاشرتی زندگی کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اسلام کی بنیادوں میں جذبۂ خیر خواہی موجود ہے، کیوں کہ اس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔ پوری انسانی برادری میں ایک کامل انسان کی شکل میں جو ذات سب سے زیادہ مشتہر ہے اس میں اخلاقی بلندی کا ہر جوہر اور انسانیت کا ہر دکھ درد موجود تھا اور وہ ذات ہے پیغمبر اسلام محمد عربی ﷺ کی۔ انھوں نے ایک پاکیزہ سوسائٹی میں ایک اچھی زندگی جینے کے جو اصول مقرر فرمائے اور جو قانونی دائرہ کھینچا اس کی تمام دفعات میں ابن آدم کی غم خواری، عدل گستری، مشاورتی نمود، حق کی ادائیگی، مساواتی کشش اور باہمی تعاون کا حسن نظر آتا ہے۔ یہ انسانی اخلاقیات کے ایسے اسباق ہیں جو تاریخ اسلام کے ہر ورق کی زینت ہیں۔

اسلام فرد سے براہِ راست مخاطبت کرتا اور اجتماعیت کو پسند کرتا ہے۔ کیوں کہ جب تک ہر فرد اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا اور جواب دہی کا خوف نہیں رکھتا اس وقت تک اجتماعیت محض ایک خواب ہی کہی جائے گی۔ اس لیے خالق کائنات نے قرآن مجید میں جہاں بے شمار مقامات پر من جملہ انسانوں کو خطاب فرمایا ہے اور مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کو ایک حکم کے تابع کیا ہے وہیں فرداً فرداً بھی فرائض کے بجاآوری کے لیے انھیں مخاطب کیا ہے۔ قرآن عظیم میں ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ﴾ کی کثرت میں ”یا أیها الانسان“ کی وحدت بھی ملتی ہے۔ حکم کا کمال تو یہ ہے کہ کثرت میں وحدت ہی معتبر ہے یعنی جہاں حکم عام انسانوں اور عام مسلمانوں کو ہے وہاں بھی ہر فردِ بشر اور ہر بندۂ مومن ہی مراد ہے، اس لیے ہمیشہ وحدت، کثرت سے ہم رشتہ رہی ہے۔ فرمان رسول: ”كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔“ (تم میں ہر فرد ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری پوچھی جائے گی۔) بھی جماعت کے بالمقابل فرد کی حیثیت متعیّن کرتا ہے۔ یہ اسلام کا حسن ہے۔

”شورائیت“ اسلامی نظام زندگی کا ایک جزولاینفک ہے، قرآن واحادیث میں اس سلسلے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشورہ کی اہمیت کس قدر ہے اور کسی بھی نظام میں اس کا کیا ضرورت ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ نظام حکومت کی بنیاد ہے اور کسی بھی حکومت کو دیرپا رکھنے اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور دوسرے ممالک سے تعلقات استوار رکھنے میں اس کا کلیدی کردار ہے۔ لیکن یہ بھی عرض کردوں کہ موجودہ جمہوریت کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ موجودہ جمہوریت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں سر گنے جاتے ہیں لیکن ان سروں میں دماغ ہے کہ نہیں اس کی بالکل پروا نہیں کی جاتی۔ یعنی جمہوری نظام حکومت میں عام رعایا ووٹ کرتے ہیں اور زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ووٹ کرنے والے لوگ خواندہ ہیں یا نہیں اور اقتدار کی کرسی سنبھالنے والے کی تعلیمی لیاقت یا تجربہ کتنا ہے اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی اور نہ قانونی طور پر اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام کا شورائی نظام اہلیت سے مشروط ہے، مشورہ انھی سے لیا جائے گا جو صلاحیت مند ہوں، عالی دماغ ہوں، اعلیٰ سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، غیر جانب دار مانے جاتے ہوں، ان کی زندگی سماجی، معاشرتی، خاندانی کرپشن سے پاک وصاف ہو، اخلاقی طور پر پختہ کار ہوں، خداترسی اور امانت داری ان کی خو میں شامل ہو۔ اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کوئی بھی مشورہ کسی کا ذاتی مشورہ بھی نہیں ہوتا، وہ اجتماعی طور پر نافذ العمل ہوتا ہے۔

اسلام کے شورائی نظام پر قرآن مجید کی یہ آیات: ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (سورۂ آل عمران۔ آیت: 159) ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ﴾ (سورۂ شوریٰ۔ آیت: 38) سے واضح روشنی پڑتی ہے۔ دوسری آیہ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے:

”ذو شوریٰ بینهم لاینفردون برای حتی یتشاوروا ویجتمعوا، وذلك من فرط تدبرهم وتيقظهم فى الأمور.“ [یعنی وہ باہمی مشاورت رکھتے ہیں، تنہا اپنی رائے پر کوئی فیصلہ نہیں لیتے جب تک کہ باہمی مشورہ اور اجتماعی کوشش نہ کرلیں۔ اور یہ سب کچھ امورِ زندگی میں ان کی اعلیٰ سوجھ بوجھ اور بیدار مغزی کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔]

اس آیت میں ان مومنوں کی تحسین کی گئی ہے جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصہ آنے پر معاف کردیتے ہیں، اللہ عزوجل کا حکم مانتے، نمازیں قائم کرتے اور اللہ کی دی ہوئی روزی خرچ کرتے ہیں۔ ایسے اہل ایمان باہمی مشاورت کا عمل کرتے اور زندگی کے معاملات کو حل کرتے ہیں۔ پہلی آیہ کریمہ کے ماسبق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی ذات پر اپنی کرم فرمائی کا تذکرہ فرمایا کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے، اگر اس کے

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

برخلاف مزاجاً سخت ہوتے تو کوئی پاس نہیں بیٹھتا، نہ بات سنتا نہ ایمان لاتا اور نہ نصیحت پر عمل کرتا۔ لہٰذا تم انھیں معاف کرنے کی روش اپناؤ، ان کی شفاعت کرو اور ان سے مشورہ لو۔ چناں چہ اس حکم پر عمل کی نمایاں مثالیں سیرتِ طیبہ میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ یہاں غزوۂ بدر، جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا، غزوۂ احزاب میں خندق کھودنا وغیرہ نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اگر ہمارے درمیان کوئی واقعہ رونما ہوجائے جس کے متعلق نہ کوئی امر ہو نہ نہی تو ایسے واقعہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: اس بارے میں عبادت گزار اور دیانت دار ماہرین شریعت سے مشورہ کرلیا کرو اور انفرادی رائے اختیار نہ کرو۔" (مجمع الزوائد، جلد اول، ص:178)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مشورہ کرنے والا کبھی حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا خوش پسند انسان کبھی سعید نہیں ہوسکتا۔" (تفسیر قرطبی، جلد چہارم، ص:251)

اصابتِ رائے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاصہ تھی، اس کے باوجود انھیں عالی خرد اور تجربہ کار اور عادل صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ مسلمانوں کی تعلیم و تلقین بھی ہو اور رائے قائم کرنے کی ہمت بھی ان میں پیدا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ طرزِ عمل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باکمال اور جہاں دیدہ خلفا نے باقی رکھا اور خلافت ہی نہیں، ذاتی امور میں بھی آپس میں مشاورت کرتے تھے اور اچھے مشیر کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ مشیر کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھا مشورہ دے اور غیر جانب دار ہوکر اپنی رائے پیش کرے اور خیر خواہی کا ہر جگہ لحاظ رکھے۔

تاریخ اسلام کا زرین ورق ہے کہ خلیفہ نے اپنی مرضی سے کوئی ایسا اعلان کیا جو عام مومنین کے اختیاری حق کو سلب کرتا تھا، اس وقت ایک خاتون کے جرح کرنے پر خلیفہ نے اپنا اعلان بدل دیا اور اس خاتون کا شکریہ ادا کیا۔ کیوں کہ حق کے بالمقابل وہ نہ انفرادی معاملات میں اپنا کوئی الگ فیصلہ رکھتے تھے نہ اجتماعی امور میں ایسا کرتے تھے، جبھی حدودِ خلافت میں امن و امان قائم اور حق گوئی کا چلن باقی تھا کیوں کہ ان کی حکومت منہاج نبوت پر استوار تھی اور نبوی طرزِ حکومت میں غیر منصفانہ فیصلوں اور شریعت سے متصادم اعلانات کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس طرزِ حکومت میں حاکم اعلیٰ صرف رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں بلکہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور بھی جواب دہ ہوتا ہے۔ ہر حکومت میں ایک مشاورتی بورڈ ہوتا ہے جو حادثاتی لمحوں میں حاکم کے اہم فیصلے کی سمت متعیّن کرتا ہے۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشیں رکھیں کہ اگر کسی سوسائٹی میں کمیونٹی کوئی غیر منصفانہ اور اُصولِ شرع سے متصادم کوئی فیصلہ لیتی ہے تو امت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ حسب مقدور طاقت، زبان اور دل سے اس فیصلے کے خلاف کھڑا ہو اور کسی بھی طرح اس کا حمایتی نہ بنے، چاہے وہ فیصلہ اپنے کسی قریبی کے حق ہی میں کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ ﴾۔ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار بنو، لیکن گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔

اسلام کا شورائی نظام صرف حکام وقت اور اہل سیاست کی نشستوں ہی میں کارآمد اور نفع بخش نہ رہا بلکہ فقہا اور ماہرین زبان و بیان کی بزموں میں اس کے دوررس اثرات تاریخ کا حصہ ہیں، جس کا شرعی حکم حضرت علی مرتضیٰ سے مروی حدیث میں دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر تعلیمی نظام میں ایک مشاورتی بورڈ تشکیل دیا جاتا ہے جو مختلف نشستوں میں زبان، رسم الخط اور تدریس و تعلیم کے سسٹم پر غور و خوض ہوتا ہے پھر فیصلہ لیا جاتا ہے۔ فقہِ اسلامی اور اجتہاد و استنباط احکام کے سب سے بڑے ماہر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس شوریٰ کے شرعی فیصلے آج بھی مفتیان کرام اور علما و محققین کے لیے نظیر بنتے ہیں۔ انسانی ذمہ داریوں کے جتنے بھی محاذ ہیں یہ شورائی نظام ہر جگہ کارآمد اور ترقی و تعمیر کا ضامن ہے، لیکن جنھوں نے مشاورت کو بالکل نظر انداز کردیا وہ آج بھی سخت مزاج بن کر ذاتی رائے میں الجھے ہوئے غلط فیصلے کرتے ہیں اور بہتوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! ظلم بہر حال ظلم ہوتا ہے، وہ ہم کریں یا ہمارا دشمن۔ کسی حق دار کی حق تلفی دینی، سماجی اور اخلاقی جرم ہے یہ ہم کریں یا کوئی اور۔ ہم با اختیار ضرور ہیں لیکن اس کی ایک حد ہے، وہ چند معاملات ہوسکتے ہیں لیکن اکثر اُمور ایسے ہیں جہاں ہمارا اختیار اجتماعیت کا پابند ہے اور ہمیں لازم ہے کہ اس رخ سے سوچیں اور درست فیصلے لیں۔

مفاد پرست، خود غرض اور دنیادار مشیروں کا انتخاب بھی بہت بڑا شرعی و اخلاقی جرم ہے اور اس کا منفی اثر انتخاب کرنے والے کی مقبولیت اور عوام و خواص سے اس کے تعلقات پر پڑتا ہے۔ معاملہ خانگی ہو، خاندانی ہو، سوسائٹی کا ہو، فرم یا کمپنی کا ہو، سرکاری، غیر سرکاری اداروں اور دانش گاہوں کا ہو، اگر ان میں شورائی نظام قائم ہے اور فیصلوں میں اجتماعیت کا جمال ہے تو وہاں کامیابی اور ترقی کا گراف کافی اونچا اور پختہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے ہم سب کا دینی، سماجی، ملی، اخلاقی اور قومی فریضہ ہے کہ مخلص اربابِ کمال کے مشوروں کو نظر انداز نہ کریں بلکہ بڑھ کر انھیں اپنے مشاورتی بورڈ میں شامل کریں تاکہ بروقت ان کی اہم رائے سامنے آئے اور کوئی فیصلہ ناقص، غیر جانب دار، غیر منصفانہ اور غیر دانش مندانہ نہ ہو۔ اسلام کے شورائی نظام کو زندہ رکھنا ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ ☆☆☆

تعزیت نامہ

حضرت مفتی عبدالحلیم رضوی اشرفی علیہ الرحمۃ

از: عزیزِ ملت حضرت علامہ **عبدالحفیظ عزیزی**، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

عزیز سعید جناب مولانا یحییٰ رضا مصباحی

صاحب زادہ و جانشین حضرت مفتی عبدالحلیم رضوی اشرفی علیہ الرحمۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

اہل سنت و جماعت کے صف اول کے عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم رضوی اشرفی کے واصل الی اللہ ہونے کی خبر سے حزن وملال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

مفتی صاحب علیہ الرحمۃ بہت ساری خوبیوں اور گوناگوں اوصاف و کمالات کے جامع تھے۔ جید عالم و مفتی ہونے کے ساتھ بہترین داعی و مبلغ، تحریک دعوت اسلامی ہند کے سرپرست و مربی تھے۔ تقویٰ وطہارت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کا سانحۂ ارتحال موت العالم موت العالم کے مصداق ہے۔ جامعہ اشرفیہ کی خدمات کے بڑے مداح اور معترف تھے۔ آپ کی مبارک پور تشریف آوری ہوتی تو جامعہ بھی تشریف لاتے اور دعاؤں سے نوازتے اور اس کے کارناموں کی خوب ستائش کرتے تھے۔ آج ان کے وصال پر جامعہ اشرفیہ سوگوار ہے۔ فقیر کے ساتھ ادارہ کے ارکان، اساتذہ اور طلبہ مفتی صاحب موصوف کے غم وصال میں آپ کے برابر کے شریک ہیں۔ اللہ عزوجل حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کو غریق رحمت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو اور حضرت علیہ الرحمۃ کے جملہ پسماندگان اور ارباب عقیدت و ارادت کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین بجاہ حبيبك النبي الأمين الكريم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم.

شریک غم

[دستخط]

سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

12 رمضان المبارک 1442ھ

25 اپریل 2021

یک شنبہ

احیاے حدیث-وقت کا تقاضا

ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی

اللہ رب العزت کے لیے ہی پاکی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیا و رسل کو معبوث فرمایا اور سب سے آخر میں امام الانبیا، خاتم الانبیا، سید الانبیا ﷺ کو معبوث کیا اور حضور ﷺ کو قرآن مجید فرقان حمید جیسا عظیم الشان معجزہ عطا کیا اور اس کے ساتھ حکمت یعنی سنت عطا کی جسے یہ امت حدیث رسول ﷺ کے نام سے جانتی ہے جس میں آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور معمولات سب شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح قرآن مجید فرقان حمید کی حفاظت کرنے، حفظ کرنے اور اسے امت تک پہچانے کا اہتمام کیا، حکم دیا اسی طرح اپنی احادیث کی حفاظت کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ایسا کرنے والے کے لیے عظیم الشان بشارتیں اور خوشخبریاں بھی سنائی ہیں احادیث رسول ﷺ کی حفاظت اور نشر و اشاعت ایسا عظیم الشان کام ہے جو سعادت مندوں کے ہی حصہ میں آتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ سنت رسول قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔

غائب حاضر کو پہنچادے:

سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے صحابہ کرام کو اپنے ارشادات دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حج کے موقع پر یوم النحر کے دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے مختلف احکامات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"هل بلغت ؟ قالوا :نعم ، قال ، اللهم اشهد فليبلغ الشاهد الغائب ، فرب مبلغ أوعى من سامع"

کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا: حاضر شخص اس پیغام کو غائب تک پہنچادے بعض وہ لوگ جن تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ (الجامع الصحيح للبخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ايام منی، رقم الحديث 1741)

بلکہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"إني أحدثكم بالحديث، فليحدث الحاضر منكم الغائب"

بے شک میں تمھیں حدیث بیان کرتا ہوں پس تم میں سے حاضر غائب کو بیان کردے۔(المحدث الفاصل، صفحہ 171)

رسول اللہ ﷺ کی وصیت:

حضرت ابو سعید ہارون العبدی فرماتے ہیں ہم جب حضرت ابو سعید خدری کے پاس آتے تو وہ ہمارا یوں استقبال کرتے، رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید۔ ہم کہتے رسول اللہ ﷺ کی وصیت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: عنقریب میرے بعد تمھارے پاس ایک قوم آئے گی جو تم سے میری حدیث کے متعلق سوال کریں گے تو جب وہ تمھارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا اور انہیں میری حدیث بیان کرنا۔

(المحدث الفاصل، صفحہ 176)

حضرت ہارون العبدی ، حضرت ابو سعید خدری کے متعلق فرماتے ہیں جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے (جو ان کے پاس سماع حدیث کے لیے حاضر ہوتا) تو اسے فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم تمھارے لیے مجلس میں وسعت اختیار کریں (کیونکہ تم علم حدیث سیکھنے آئے ہو) اور تمھیں حدیث کا مفہوم سمجھائیں بے شک تم لوگ ہمارے پیچھے رہنے والے اور محدثین ہمارے بعد ہوں گے۔

فاضل جامعۃ المدینہ، فیضان مدینہ، اوکاڑہ

(شعب الایمان، الجز الثانی، الثامن عشر من شعب الایمان ،باب فی نشر العلم ،رقم الحدیث1741)

رسول اللہ ﷺ کے خلفا:

رسول اللہ ﷺ نے محدثین کو اپنے خلفا قرار دیا ہے اور ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی ہے کیونکہ وہ اپنے محبوب آقا، تاجدار انبیا ﷺ کی احادیث کو سننے، اس کی حفاظت کرنے، روایت کرنے اور لوگوں کو اس کے مفاہیم سمجھانے میں اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں راتوں کو جب لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے ہیں اس وقت یہ اپنے محبوب ﷺ کی احادیث کے حفظ کرنے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنے میں مصروف ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللهم ارحم خلفاءنا ،قلنا: یارسول الله و ما خلفاءکم؟ قال الذین یاتون من بعدی، یروون أحادیثی و سنتی و یعلمونها الناس"

(المعجم الاوسط للطبرانی،الجز السادس،8546)

اے اللہ میرے خلفا پر رحم فرما۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خلفا کون ہیں؟ فرمایا جو میرے بعد آئیں گے میری احادیث اور سنت کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔

دعائے نبوی ﷺ:

جو لوگ رسول اکرم، شفیع معظم ﷺ کی احادیث کو سنتے ہیں یاد کرتے ہیں اور پھر اسے آگے دوسروں تک پہنچاتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خصوصی دعا ہے چنانچہ حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نضر الله امرا سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه فرب حامل فقه إلی من هو أفقه منه و رب حامل فقه لیس بفقیه" (السنن لأبی داود، الجز الثانی،کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم الحدیث3660)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کسی حدیث کو سنا اسے یاد رکھا یہاں تک کہ آگے پہنچا دیا۔ کتنے ہی فقہ جاننے والے اپنے سے زیادہ فقیہ کو حدیث بیان کریں گے اور کتنے ہی فقہ جاننے والے فقیہ نہیں ہوتے۔

جبکہ ایک روایت میں "نضر الله وجه عبد" (المحدث الفاصل، صفحہ 168) یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ تر و تازہ رکھے، کے الفاظ ہیں۔

مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے محدثین کے چہرے عام لوگوں کی نسبت زیادہ روشن، شفاف اور نورانی ہوتے ہیں ان کی زندگی عام لوگوں سے زیادہ خوشحال ہوتی ہے انہیں ہر حالت میں قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے جو اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

چالیس احادیث یاد کرنے کی فضیلت:

نبی رحمت شفیع امت ﷺ نے اپنے امتیوں میں سے چالیس احادیث حفظ کر کے اسے آگے روایت کرنے والے سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے فرماتے ہیں

"من حفظ علی أمتی أاربعین حدیثا فی أمر دینها بعثه الله فقیها و کنت له یوم القیامة شافعا و شهیدا." (مشکوة المصابیح، الجز الأول، کتاب العلم، الفصل الثالث، رقم الحدیث240)

جس شخص نے دینی معاملات کے متعلق چالیس حدیثیں حفظ کر کے میری امت تک پہنچا دی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

صحابۂ کرام اور حفاظت حدیث:

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے رسول اکرم، نبی محترم ﷺ کی احادیث کے حفظ، روایت اور نشر و اشاعت کے لیے مختلف طریقے اپنائے اور ہر ممکنہ کوشش کی یہاں تک کہ اس علم کو امت کے سپرد کر دیا ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو سننے، حفظ کرنے اور اسے آگے پہنچانے میں کس طرح حریص تھے اس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث سنتے وہ بھول جاتے تھے جس کی شکایت انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں کی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر بچھانے کا کہا اور فضا سے ایک چلو بھر کر ان کی چادر میں ڈال کر فرمایا اسے سینے سے لگا لو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔

حضرت ابوایوب انصاری صرف ایک حدیث سننے کے لیے جو انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے براہ راست نہیں سنی تھی اس کے سماع کے لیے مدینہ سے دمشق تشریف لے گئے اور اپنی سواری کا کجاوا کھولے بغیر حدیث سماعت کرکے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے:

”لیس کلنا سمع حدیث رسول اللہ ﷺ کانت لنا ضیعة و اشغال ولکن الناس کانوا لا یکذبون یومئذ فیحدث الشاهد الغائب“ (المستدرك للحاکم،الجز اول، کتاب العلم، رقم الحدیث 438)

ہم سب صحابہ کرام جان کائنات ﷺ کی احادیث سن نہیں پاتے تھے کیونکہ ہماری کاروباری اور دیگر مصروفیات بھی ہوتی تھیں لیکن ان دنوں لوگ (روایت حدیث اور عام گفتگو میں) جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے لہذا (بارگاہ رسالت ﷺ) میں حاضر رہنے والے غیر موجود لوگوں کو احادیث بیان کردیا کرتے تھے (اس طرح غیر موجود لوگ بھی احادیث کو سن کریاد کرلیتے)۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے مختلف طریقے اپنا رکھے تھے زیادہ تر احادیث کو روایت کرنے کا طریقہ رائج تھا جنہیں وہ اپنے تلامذہ یا پھر کسی مسئلہ کے متعلق سوال کرنے والے سے بیان کرتے تھے۔بعض صحابہ کرام جو عبادات و ریاضات کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرلیتے، دنیاوی معاملات سے جدا رہتے اور علمی مجالس کا انعقاد نہ کرتے وہ بھی بوقت وفات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی احادیث کو بیان کردیتے تاکہ کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے ساتھ احادیث نبویہ کو امت تک کی طرف منتقل کرنے کے فریضہ سے بھی سبک دوش ہوسکیں۔ حدیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے لیے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے تلامذہ کے ذریعے مختلف صحائف بھی تیار کروائے جن میں ام المومنین حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ ،حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے صحائف قابل ذکر ہیں۔ الغرض صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقدس گروہ نے اپنے محبوب ﷺ کی احادیث کو امت تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور وہ اس میں سو فیصد کامیاب ہوئے، اس کے بعد تابعین، پھر تبع تابعین کا دور آیا جس میں روایت حدیث کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا یہاں تک ائمہ صحاح ستہ کے دور میں فن حدیث کی مختلف النوع کتب پر بہت بڑا ذخیرہ امت کے پاس آ گیا اور اس کے ساتھ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے مجالس احادیث کا انعقاد اور روایت و درایت کا سلسلہ بھی اپنے عروج پر رہا۔

اس امت کے بڑے بڑے جلیل القدر محدثین نے علم حدیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے رکھیں اور اس فن کو امت کے محفوظ ہاتھوں میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے یہاں تک کہ آج یہ علم ہم گنہگاروں کے ہاتھوں میں ہے اب ہم پر لازم ہے کہ اس فن کے احیا اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے سر توڑ کوشش کریں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لیے وقف کردیں۔

جس طرح دیگر علوم و فنون میں امت تنزلی کی طرف جا رہی ہے اسی طرح علم حدیث سے بے رغبتی بھی اس امت کے حصے میں آچکی ہے اگر ہمارا فنون کے ساتھ دلچسپی کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو علم فقہ، صرف و نحو کی طرح علم حدیث سے شغف نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس فن سے دلچسپی ختم ہو گئی ہے یا اس پر کام نہیں ہو رہا سب کچھ ہو رہا ہے مگر اس فن کے شایان شان نہیں۔ امام اہلسنت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد علم فقہ کو برصغیر میں بہت عروج ملا ہے ہر عالم اس فن میں رغبت رکھتا اور اپنی خدمات پیش کرنے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔ مدارس میں طلبہ سے مستقبل کے متعلق استفسار کیا جائے کہ وہ کس فن میں تخصص کرنا چاہتے ہیں اور کس فن میں ماہر ہونا چاہتے ہیں تو غالب اکثریت اپنی رغبت علم فقہ میں ہی بیان کرے گی جب کہ طلبہ علم حدیث کی اہمیت و ضرورت سے ہی ناواقف ہیں تو وہ اس طرف راغب کیوں ہوں گے؟

عالم عرب اس سلسلہ میں خوش قسمت ہے کہ عصر حاضر میں وہاں فن حدیث کے احیا کے لیے ایک بہار آئی ہوئی ہے علم حدیث کی تدریس کے ساتھ وہاں کے جامعات میں علم الحدیث کی مختلف النوع پر تحقیقی مقالات قلمبند کرنے کا ایک نا ختم ہونے والے سلسلہ چل پڑا ہے جس کی وجہ سے نا صرف اس فن کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا کام ہو رہا ہے بلکہ فن حدیث کی بہت سی نئی نوع بھی متعارف کروائی گئی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام بالخصوص برصغیر میں علم حدیث کے احیا کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کام کیا جائے اور اس کے

لیے ہر ممکنہ وسائل کو بروئے کار لایا جائے اس کے لیے ہمیں شعوری طور پر جہدِ مسلسل کے ساتھ محنت کرنا ہوگی۔ سالہا سال کی محنت کے بعد جاکر کہیں گوہرِ مقصود ہاتھ آنے کی امید ہے۔

علم حدیث کے احیا کے لیے بنیادی طور پر دو جہات پر کام کرنے کی ضرورت ہے:

1۔ علم حدیث کی ترویج واشاعت

2۔ مستشرقین ومنکرین حدیث کا رد

علم حدیث کی ترویج واشاعت:

علم حدیث کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں اگرچہ ہمارے علما مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں مگر یہ ناکافی ہیں اور اب تک جتنے اسباب ووسائل اپنائے ہوئے ہیں ان کو بڑھانے کی ضرورت ہے ذیل میں ہم چند اسباب کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جن کو اپنا کر ہم اس فن کے احیا میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں:

1۔ تخصص فی الحدیث:

ویسے تو مدارس اسلامیہ میں رائج نصاب میں فن حدیث کی مختلف کتب رائج ہیں اور آخری سال خاص اس علم کی اشاعت کے لیے مختص کیا گیا ہے جس میں صحاح ستہ کے منتخب ابواب کی قراءت اور تشریح وتوضیح کے ذریعے محدثین اس علم کی خدمات سرانجام دیتے ہیں مگر اس فن میں درک حاصل کرنے کے لیے یہ ناکافی ہے اس لیے اس فن میں تخصصات کی حاجت ہے فن حدیث اپنے اندر سینکڑوں انواع لیے ہوئے ہے ہر نوع اپنے اندر مہارت کے لیے خاص محنت کی متقاضی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو آج ہمارے پاس اس فن کے ماہر علما کی کمی ہی نہیں بلکہ نا ہونے کے برابر ہے کسی فن کی بنیادی معلومات کا ہونا اور خاص اس فن میں ماہر ہونا دو الگ الگ چیزیں ہیں جنہیں ایک جگہ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک جس کی آبادی بائیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور ملک کے چاروں صوبوں بشمول آزاد کشمیر میں ہزاروں مدارس پھیلے ہوئے ہیں وہاں علم حدیث میں تخصصات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا سوائے تین مقامات کے ایک دعوت اسلامی جس نے پچھلے چند سالوں سے کراچی میں دو سالہ تخصص فی الحدیث کا آغاز کیا ہے دوم وفاق المدارس الاسلامیہ الرضویہ کے زیر اہتمام جامعہ علیمیہ لاہور میں دو سالہ کورس ہو رہا ہے اور سوم ادارہ سراج منیر گجرات کے زیر اہتمام چھ ماہ کا کورس کروایا جا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں ادارے اندھیرے میں چراغ کا کام کر رہے ہیں البتہ اگر آبادی اور مدارس کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ بہت کم ہے ہمیں چاہیے کہ اس کام کو ملک بھر میں مزید پھیلا دیں تمام صوبوں میں کم از کم ایک ادارہ، جامعہ یا یونیورسٹی میں تخصص فی الحدیث کی کلاسز کا ترجیحی بنیادوں پر اہتمام ہونا چاہیے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ تمام ادارے جن کے ہاں تخصص فی الفقہ ودیگر تخصصات کا اہتمام ہے وہ اپنے ہاں تخصص فی الحدیث کا بھی اہتمام کریں۔

عمومی طور پر مدارس کے طلبہ درس نظامی کے بعد پریکٹیکل لائف کو ترجیح دیتے ہیں اور تخصصات کی طرف کم آتے ہیں اور جو تعداد اس طرف آتی ہے وہ تخصص فی الفقہ کو ترجیح دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے ہم نے وسائل پیدا کیے ہوئے ہیں اور طلبا کو اس کے لیے ذہن بھی دیا جاتا ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ فن بڑی اہمیت کا حامل ہے اور شریعت کی بنیاد اس فن پر قائم ہے یہی قرآن وسنت کے فہم وادراک اور احکام پر مشتمل علم ہے مگر علم حدیث کے بغیر بھی چارہ نہیں کہ قرآن کے بعد دوسرا بڑا مصادر اصلی اور فہم قرآن کو لازم وملزوم یہی علم ہے جس کی تفہیم کے بغیر ہم نے تو قرآنی علوم میں غوط زن ہو سکتے ہیں اور نہ فقہ کی لذت حاصل کر سکتے ہیں۔

میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ سے درخواست کروں گا کہ اگر آپ کی کوئی ایسی مجبوری جس کے بغیر گزارا نہیں ہے تو درس نظامی سے فراغت کے بعد علوم اسلامیہ میں تخصصات کی طرف آئیں اور اس میں علم حدیث کو ترجیح دیں۔ زندگی مختصر ہے ہر شخص ہر فن مولا نہیں بن سکتا اس لیے بہتر ہے کہ کسی ایک موضوع کا انتخاب کر کے اس میں تخصص کر لیا جائے اور پھر علم حدیث سے بڑھ کر کون سا علم ہوگا جس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی جائیں؟ اور ویسے بھی یہ فن پوری توجہ چاہتا ہے۔

علامہ محمد بن جعفر کتانی لکھتے ہیں:

"اس علم کی تحقیق اور رسوخ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو اپنا سب کچھ اسی کے حوالے کر دے اور اپنے تمام اوقات اسی میں کھپا دے اور جو تھوڑا سا حصہ اس فن میں دے اور زیادہ توجہ دیگر علوم پر دے تو وہ داد تحقیق نہیں دے سکتا۔"

علامہ ابوبکر بن خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"علم حدیث پوری طرح اس کے ساتھ لگتا ہے جو اپنے آپ کو اسی کے ساتھ خاص کر لے اور دیگر فنون کو اس کے ساتھ نہ ملائے۔"

امام شافعی فرماتے ہیں:

کیا تم فقہ اور حدیث کو جمع کرنا چاہتے ہو؟ بھول جاؤ، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد فرماتے ہیں:

"یہ علم حدیث تو اس کا کام ہے جسے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو۔" (المستطرفہ، صفحہ 221)

2۔ حفظ حدیث:

ہمارے ہاں ابتدائے اسلام سے لے کر عصر حاضر تک حفظ قرآن کی روایت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے جو انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گی۔ جبکہ حفظ حدیث کے سلسلہ میں جمود طاری ہے صحابہ کرام، تابعین، طبع تابعین اور پھر بعد کی کئی صدیوں تک حفظ قرآن کی طرح حفظ حدیث کے لیے بھی باقاعدہ کوششیں ہوتی تھیں محدثین اس کے لیے راتوں کو بیدار رہتے، تنہائیاں اختیار کرتے، دور دراز کا سفر کرتے، ادارے بناتے، مجالس کا اہتمام کرتے، جہاں حفظ حدیث کے لیے تکرار ہوتا۔ وقت کے ساتھ جیسے جیسے اس فن سے بے رغبتی بڑھتی گئی ویسے ویسے حفظ حدیث کا رجحان بھی ٹوٹ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے عالم اسلام میں اس کے لیے کوئی کوششیں نہیں ہو رہی اور نہ ہی محدثین میں کثیر الاحادیث حفاظ نظر آتے ہیں۔

لہذا احیا حدیث کے عمل کے لیے حفظ احادیث کی کلاسوں کا اہتمام ناگزیر ضرورت ہے۔ ان کلاسوں کو تخصص فی الحدیث کا حصہ بھی بنایا جاسکتا ہے کہ تخصص فی الحدیث کا دورانیہ بڑھا کر اس میں ایک معین تعداد تک حفظ احادیث کو لازم قرار دے دیا جائے اور علیحدہ سے منظم اداروں کا قیام بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

3۔ صحافت:

آج کے دور میں کوئی بھی ادارہ، اور تحریک صحافت کا سہارہ لیا بغیر ناکام ہے صحافتی ذرائع میں مجلات اپنی خاص اہمیت اور شناخت رکھتے ہیں جو کسی شخصیت، ادارے اور تحریک کے افکار و نظریات کو لوگوں تک پہنچانے میں خاص اہمیت کے حامل ہیں احیائے حدیث کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہمیں پورے برصغیر میں ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیادوں پر مجلات شائع کرنے ہوں گے۔

کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ برصغیر میں سواد اعظم کی اتھارٹی رکھنے والی جماعت کے پاس فن حدیث کی ترویج و اشاعت اور احیا کے لیے ایک بھی مجلہ نہیں ہے جسے خاص علم حدیث کی نشرواشاعت کے لیے مختص و جاری کیا گیا ہو اور تو اور پاکستان میں جن دو اداروں کی طرف سے تخصص فی الحدیث کا اہتمام کیا گیا ہے ان کی طرف سے بھی ابھی تک کوئی مجلہ شائع نہیں ہوا جو ان اداروں میں ہونے والے کام کو سامنے لے کر آئے۔ لہذا تمام صاحبان اختیار جن کو اللہ نے وسائل فراہم کیے ہیں وہ اپنی اپنی نگرانی میں احیائے حدیث کے جذبہ کے تحت مجلات کا آغاز کریں اور محدثین و محققین کو فن حدیث میں خامہ فرسائی کی دعوت دیں۔

الیکٹرونک میڈیا بھی صحافت کا ہی ایک شعبہ ہے مختلف چینلز پر علم حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے خصوصی پروگرامز کا اہتمام کیا جائے اور سوشل میڈیا کو بھی بروئے کار لایا جائے۔

4۔ مصنفات و مؤلفات:

علم حدیث کی ترویج اور نشر و اشاعت کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ اس فن میں مصنفات و مؤلفات بھی ہیں عصر حاضر کی ضرورتوں کے پیش نظر علم حدیث کی جملہ انواع پر تالیفات وقت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ احیائے حدیث کے اہم فریضہ میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کام کو ہم چار بنیادی شعبوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

اول: متون حدیث: عالمی، سیاسی، عسکری، سماجی، روحانی، اعتقادی، فقہی اور اخلاقی معاملات کو سامنے رکھ کر مختلف مجموعہائے حدیث مرتب کیے جائیں۔

دوم: شروحات و حواشی: متون احادیث پر موجود کتب پر شروح اور حواشی لکھے جائیں۔

احادیث نبویہ پر شروحات اور حواشی کی ضرورت آج بھی ویسے ہی مسلم ہے جیسے چند صدیاں قبل تھیں حالات بدل چکے ہیں ملت اسلامیہ میں کئی فرقے اپنا وجود قائم کر چکے ہیں عقائد اور عبادات و معاملات میں رجحانات و ترجیحات بدل چکی ہیں ایسے میں منہج سلف صالحین کے مطابق اسلام کا آفاقی پیغام مسلمانوں تک پہنچانے اور حدیث نبویہ کی آسان الفاظ میں تفہیم کے لیے اس کام کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ کام اردو و عربی ہر دو زبانوں میں ضروری ہے جو اہل علم جس زبان میں آسانی کے ساتھ یہ کام کرسکتے ہیں کریں۔ اگر اردو کی بات کی جائے تو برصغیر میں اس پر اطمینان بخش ابتدائی کام ہو

چکا ہے اگر چہ اس جہت پر بھی ابھی بہت سے زاویے خالی اور کام کی حاجت ہے مگر پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے علمانے یہ میدان خالی نہیں چھوڑا کام کیا ہے۔ لیکن عربی زبان میں کام کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے اس کڑوی حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ برصغیر میں بسنے والی پوری دنیا اہل سنت ابھی تک درس نظامی میں موجود تمام کتب احادیث پر شروح و حواشی نہیں لکھ کر دے سکی۔ ہم آج بھی صدیوں پرانے بزرگوں کی کاوشوں پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔

سوم: تراجم حدیث: یہ بات انتہائی خوش آئند ہے کہ اہلسنت کی طرف سے حدیث شریف کی اکثر امہات الکتب کے ساتھ اور بھی بہت سی کتب کے اردو تراجم سامنے آچکے ہیں جبکہ جن کتب کے ابھی تک تراجم نہیں ہوئے امید ہے کہ وہ بھی بہت جلد ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے ۔ اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ جن کتب کے اردو تراجم ہو چکے ہیں انہیں دیگر بڑی زبانوں میں منتقل کیا جائے تاکہ دنیا کا کوئی بھی علاقہ یا زبان اس علم کے فیضان سے محروم نہ رہے۔

چہارم: فنون حدیث: فنون حدیث کی جملہ انواع وہ علم اسماء الرجال ہو یا مصطلحات وغیرہ ان سب پر جدید طریقہ تحقیق کے پیش نظر کام کی حاجت ہے یہ کام اس فن میں دلچسپی رکھنے والوں کے نا صرف شوق میں اضافہ کرے گا بلکہ احادیث نبویہ کو سمجھنے اور ان کی تفہیم وتشریح میں بھی معاون ثابت ہوگا۔

5۔ قلمی وقدیم کتب کی تحقیقات:

علم حدیث پر ہمارے بزرگوں کا جو قدیم سرمایہ دنیا کی مختلف لائبریوں میں موجود ہے یا پھر سالوں پہلے کسی کی ایک آدھ بار اشاعت ہوئی ہے ان پر جدید طریقہ تحقیق و تخریج کے مطابق کام کر کے منظر عام پر لایا جائے ۔ اس سلسلہ میں برصغیر کے محدثین کی مصنفات و مؤلفات کو ترجیح ہونی چاہیے۔ البتہ ضرورت و اہمیت کے پیش نظر اس خطہ کے باہر کے علما کی تالیفات کو بھی لیا جاسکتا ہے۔

6۔ محدثین کو خراج عقیدت:

عالم اسلام بالخصوص برصغیر سے تعلق رکھنے والے محدثین کی شخصیات اور ان کے کام کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے کام کو زندہ کیا جائے ، ان کے کام سے نئی نسل کو متعارف کروایا جائے اور محدثین کی سوانح حیات کو مرتب کیا جائے تاکہ ان کے کام سے آگاہ ہو کر ان کی شخصیات کا مطالعہ کر کے نوجوان نسل ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو علم حدیث کے احیاء کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں اور اس عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

7۔ دروس حدیث:

مذکورہ بالا سطور میں جو تجاویزات پیش کی گئی ہیں ان سب کا تعلق علما وطلبا مدارس سے ہے البتہ ائمہ مساجد اور عوامی سطح پر بھی احیاے حدیث کے مشن میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔

اگر آپ امام مسجد ہیں اور مذکورہ بالا جہات پر کام کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اپنی مسجد میں درس حدیث کا اہتمام کریں کسی سنی عالم کی مستند شرح لیں ، روزانہ یا ہفتہ وار درس حدیث کا آغاز کریں اور مسلمانوں کے سینوں کو علم حدیث کے انوار سے منور کریں۔

اسکول، کالجز یا یونیورسٹیز میں پڑھنے والے طلبہ اپنے دوست احباب کا ہفتہ میں کم از کم ایک دن یا فارغ وقت میں ایک حلقہ منعقد کریں جن میں علماے اہل سنت کی طرف سے تیار کردہ مجموعہ ہائے احادیث سے درس کا انعقاد ہو۔ احادیث کو یاد کرنے اور تکرار کرنے کا سلسلہ ہو اور ان کی تفہیم کے لیے علمائے اہلسنت کی شروحات کی مدد لی جائے اور حدیث پر جو مطالعہ کیا ہے اسے اپنے دوستوں کے ساتھ شیئر کریں۔ اسے آپ حدیث اسٹڈی سرکل کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

احیاے حدیث کے مقصد میں حصہ لینے والی اگر خواتین ہیں تو وہ اپنے معمولات اور امور خانہ داری میں ایک اور تجویز کو بھی شامل کرلیں۔ کہ ان کے بچے جب سکول کی تعلیم اور کھیل کود سے فارغ ہو جائیں تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے فرامین یاد کروائیں، ان کے مطالب سمجھائیں اور ان کی تشریح و توضیح سے اپنے جگر پاروں کے سینوں کو منور کریں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ کے بچے فضول قسم کی ویڈیو زگیم یا انٹرٹینمنٹ کے نام پر چلنے والے پروگرامز پر اپنا وقت برباد کریں۔

ائمہ مساجد اپنے ذوق طبع اور صلاحیتوں کے مطابق علمائے اہلسنت کی لکھی ہوئی شروحات کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

مستشرقین ومنکرین حدیث کا رد:

اسلام کی اساس کو مشکوک ٹھہرانے اور مسلمانوں کا قرآن سے رشتہ توڑنے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے مستشرقین اور منکرین حدیث نے احادیث رسول ﷺ کو ہدف تنقید بنایا ہے یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل سرگرم ہیں یہ فکر کہاں سے پروان چڑھی، اس کے محرکات کیا ہیں اس کے بڑے مبلغین کون ہیں اور وہ

حدیث رسول کو ہدف تنقید کیوں بنائے ہوئے ہیں؟ یہ سب سوالات طویل مباحث کے متقاضی ہیں جو کہ سر دست ہماری بحث سے خارج ہیں علما نے اپنی مصنفات میں اس پر مقدور بھر کلام کیا ہے البتہ مستشرقین و منکرین حدیث کا جب تک وجود اور ان کی فکر باقی ہے تب تک ان کا رد اور ان کی طرف سے حدیث نبویہ کے متعلق پھیلائے گئے شکوک و شبہات کو رفع کرنا علماے اسلام و محدثین کی اہم ذمہ داری ہے جسے سے کسی صورت غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

منکرین حدیث جو چکڑالویت، پرویزیت اور اب غامدیت کے نام سے اپنا وجود رکھے ہوئے ہیں۔

ان کے احادیث نبویہ پر تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات مستشرقین سے مستعار لیے ہوئے ہیں اس لیے ان کے اور مستشرقین کے رد میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد دونوں کو کفایت کرتا ہے البتہ بعض اوقات انداز تکلم کی بنا پر ہر دو کی طرف علیحدہ علیحدہ متوجہ ہونا پڑتا۔ جیسا کہ عصر حاضر میں جاوید احمد غامدی نے طریقہ واردات بدلا ہوا ہے جدید اذہان کو متاثر کرنے کے لیے اس نے اپنی فکر کی بنیاد سنجیدہ انداز تکلم اور عقلیات پر رکھی ہے اسی کے پس پردہ یا تو حدیث پر کلام، اس سے استدلال بالکل نہیں کرتا اور اس کے عدم حجت ہونے کا قائل ہے یا پھر احادیث نبویہ کا دارومدار جن راویوں کی روایات پر ہے انہیں ہدف تنقید بنا کر احادیث رسول ﷺ کا منکر ہو جاتا ہے اس شخص کے طریقہ وارادت کو سمجھنے اور اس پر کام کرنے کی حاجت ہے جس پر ہمارے علما کی توجہ بالکل نہیں الا ماشاءاللہ۔

وہابیہ اور انکار حدیث:

عرب و عجم میں بسنے والے وہابیہ جو خود کو اہل حدیث کہلواتے اور اہل حدیث ہونے کے مدعی ہیں حقیقت میں غیر شعوری طور پر منکرین حدیث کے زمرہ میں آتے ہیں حدیث نبویہ پر عمل، ان سے استدلال اور ان کے قبول وعدم قبول میں ان کا منہج کسی فتنہ سے کم نہیں۔ سواد اعظم سے ہٹ کر ان کے مخصوص عقائد و نظریات ہیں جنہیں تقویت پہنچانے کے لیے چیدہ چیدہ احادیث کا انتخاب کرتے ہیں اس سے قطع نظر کی ان کی فنی حیثیت کیا ہے وہ قابل استدلال ہیں بھی یا نہیں ہر وہ حدیث جو ان کے عقائد و نظریات اور معمولات کے خلاف ہو اگر چہ صحیح لذاتہ ہو اس کو ترک کر دیں گے یا پھر کھینچ تان کر ضعیف قرار دے دیں گے۔

وہابیہ کی طرف سے احادیث کو ضعیف قرار دے کر انہیں رد کرنا اور ترک کرنے کا فتنہ بڑی شد و مد سے جاری ہے ان کی تقریر ہو یا تحریر، سوشل میڈیا کا پلیٹ فارم ہو یا صحافت ہر جگہ احادیث نبویہ کو ضعیف قرار دے کر عوام کو عمل بالحدیث سے دور کر رہے ہیں۔ محدثین اپنی کتب میں ضعیف احادیث کو روایت کیا ہے تو اس پر عمل کے مخصوص طرق بھی بیان کیے ہیں امت کو بتایا ہے کہ ضعیف حدیث کو کہاں لیا جائے گا اور کہاں چھوڑا جائے گا جبکہ وہابیہ نے اسے امت کے سامنے یوں پیش کیا ہے جیسے ضعیف حدیث بھی موضوع ہی ہوتی ہے (معاذاللہ)

لہٰذا ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ محدثین کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں ضعیف حدیث کی شریعت میں فنی حیثیت کو عوام کے سامنے لایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ فضائل اعمال میں اس پر عمل معتبر ہے۔ نیز ہر وہ حدیث جس کو وہابیہ ضعیف قرار دیتے ہیں علم جرح و تعدیل کی روشنی میں اسے پرکھ کر اس کی فنی حیثیت کو واضح کیا جائے تاکہ اس فتنہ کا سدباب ہو سکے۔

ماخذ و مراجع:

- الجامع الصحیح للبخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، دارالاسلام، ریاض، سعودی عرب، ذوالحجۃ 1419ھ/ مارچ 1999ء
- السنن لأبو داؤد، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی،دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان،1416ھ / 1996ء
- المعجم الاوسط للطبرانی،الحافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، دار الحرمین، قاھرہ، مصر، 1415ھ / 1995ء
- شعب الایمان،امام ابی بکر احمد بن حسین بیهقی، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان،1421ھ / 2000ء
- المستدرك للحاکم، امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری،دار الکتب العلمیه، بیروت ، لبنان، سنه ندارد
- مشکوۃ المصابیح، امام ولی الدین محمد بن عبداللہ، مکتبه رحمانیه، لاھور، پاکستان، سنه ندارد
- المحدث الفاصل،القاضی الحسن بن عبدالرحمن الرام هرمزی، دارالفکر، بیروت، لبنان،1404ھ/ 1984ء
- المستطرفه، امام ابی جعفر محمد بن محمد کتانی،دار البشائر الاسلامیه،بیروت، لبنان،1414ھ/ 1993ء

آپ کے مسائل

============مفتی اشرفیہ **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے============

افطار کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ماہ رمضان میں افطار کرتے وقت اذان کا جواب دینا یا اذان کے وقت کھانا پینا درست ہے یا نہیں۔ نیز افطار کرنے میں دیر کرنا جس کی وجہ سے نماز میں بھی دیر ہو جائے گی، جائز ہے یا نہیں؟ زید نے تاخیر نہ ہونے کی ایک صورت نکالی ہے وہ یہ کہ پہلے افطار کا اعلان ہو جائے اور افطار کرلیں پھر اذان ہو اس کے بعد نماز پڑھیں۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک صاحب بولے یہ شیعہ کی مشابہت ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مناسب و افضل عمل کیا ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب سے ہمیں آگاہ کیا جائے تاکہ جو صحیح ہو اس پر عمل کریں۔

الجواب: جب افطار کا وقت ہو جائے تو ایک کھجور کھا کر کچھ پانی پی لے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

”**عن سلمان بن عامر الصبی عن النبي ﷺ قال اذا أفطر أحدكم فليفطر على تمر فإن لم يجد فليفطر على ماء فإنه طهور.**“ (ترمذي شريف، أبواب الصوم، ص:88، ج:1، مجلس البركات)

ترجمہ: سلمان بن عامر صبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی روزے سے افطار کرے تو کھجور یا چھوہارے سے افطار کرے اور اگر وہ نہ ملے تو پانی سے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔ اور اگر اذان کا انتظار ہو تو صرف ایک گھونٹ پانی پی کر افطار کرلے پھر اذان کا جواب دے، اس کے بعد پانچ چھ منٹ تک کچھ کھا کر نماز مغرب کی جماعت میں شریک ہو، کھانے کی خواہش ہو تو جماعت میں تھوڑی تاخیر کی جا سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اذان میں تاخیر نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رمضان کی فجر میں تعجیل سے بھی تاخیر کی فضیلت حاصل ہوگی

آج ہمارے محلے کی مسجد میں فجر کی جماعت دن نکلنے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوئی ہے، رمضان میں فجر کی اذان صبح صادق کے پانچ منٹ بعد ہوتی ہے۔ اور مسجد میں موجودہ امام صاحب اور تمام مصلیان کے سنت پڑھنے کے بعد فوراً جماعت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پورے رمضان ایک مہینہ تک رہتا ہے۔ اس طرح یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: فجر کی نماز میں اسفار مستحب ہے یعنی روشن کرکے پڑھنا۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”**أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر.**“(رواه الترمذي وحسنه) فجر کی نماز روشن کرکے پڑھو، اس میں ثواب زیادہ ہے۔

البتہ رمضان المبارک کے موسم میں اب اول وقت میں پڑھ لینے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی ان شاء اللہ کہ اس وقت تمام نمازی بیدار ہوتے ہیں، جلد جماعت قائم ہونے سے عموماً سارے نمازی شریک جماعت ہوتے ہیں اور تاخیر کی بنسبت اول وقت میں پڑھنے پر جماعت بھی بڑی ہوتی ہے، اور حضور سید عالم ﷺ سے ثابت بھی ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری میں ہے:

”**عن أبي حازم أنه سمع سهل بن سعد يقول: كنت أتسحر في أهلي ثم تكون سرعة بي أن أدرك صلوٰة الفجر مع رسول الله ﷺ.**“

صحابی رسول سہل بن سعد فرماتے ہیں: میں اپنے بچوں میں سحری کرتا، پھر مجھے جلدی ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پالوں۔ (صحیح البخاری، ص:82، ج:1، باب وقت الفجر)

”**عن أنس أن زيد بن ثابت حدثه أنهم تسحروا مع النبي ﷺ ثم قاموا إلى الصلوٰة، قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين، أو ستين يعني آية.**“

حضرت زید بن ثابت نے یہ حدیث بیان کی کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا تو انھوں نے فرمایا کہ پچاس

یا ساٹھ آیات پڑھنے کی مقدار۔(صحیح البخاری، ص:81، ج:1، باب وقت الفجر)

سوال سے ظاہر ہے کہ مسجد مذکور میں سحری اور اقامت کے درمیان تقریبًا پندرہ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے اور اس دوران مسجد کے تمام نمازی حاضر بھی ہوجاتے ہیں، لہٰذا یہ جائز ہے بلکہ اس زمانے میں رمضان المبارک میں تکثیر جماعت کے لیے ایسا کرلینا انسب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اجارے کی ایک ناجائز صورت اور اس کا حکم شرعی اور زکاۃ کسی بھی اچھے نام سے دے سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید جو ایک غریب مفلس ہے اور یہ واضح ہے کہ اسے زکات دینا شرعًا درست ہے۔ زید اپنی مفلسی کی وجہ سے اپنی مزدوری کبھی اپنے منہ نہیں بتاتا۔ ظاہر ہے کہ لوگ اس کا کام اور وقت دیکھ کر اس کی مزدوری دے دیتے ہیں مگر روپیہ کا تعین خود کرلینا کہ زید کی مزدوری اتنے روپے ہوئی اور اس میں اتنے روپے زکات کے ملا دے پھر زید کو دے دے۔ زید یہ سمجھ رہا ہے کہ میری مزدوری ہے جو واقعی کام کے لحاظ سے زیادہ ہے یا پھر مناسب ہے، اسے اس بات کا علم نہیں کہ میری مزدوری میں زکاۃ بھی ملی ہوئی ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو یہ بتانا لازمی ہے کہ ہم نے اس کی مزدوری اتنے روپے مقرر کی ہے اور اتنے روپے زکات ملائی ہے یا خود اپنی مرضی سے تعین کرلیں صحیح صورت سے شرعی روشنی میں آگاہ کریں؟

دوسری صورت یہ کہ اگر زید اپنی مزدوری خود تعین کردے تو ہم اپنی مرضی سے زکات ملا سکتے ہیں یا نہیں، جیسے اگر زید اپنی مزدوری 100 روپے بتاتا ہے، ہم اسے 75 روپیہ زکات اور 25 روپیہ مزدوری مان کر 100 روپیہ دے دیں، یہ سوچ کر کہ غریب ہے ایسا کرنا درست ہے یا نہیں۔ دونوں صورت میں حکم شرعی سے آگاہ کریں۔

الجواب: اجارے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ مزدور کی مزدوری معلوم ومتعین نہ ہو۔ کیوں کہ اس کے باعث کبھی بھی فریقین کے درمیان نزاع پیدا ہوسکتا ہے۔ شریعت طاہرہ نے اجارے کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مزدوری معلوم ومتعین ہو، ورنہ اجارہ فاسد وناجائز ہوگا۔

اجارہ فاسد ہو تو مزدور کو اجرت مثل ملتی ہے یعنی اس جیسے مزدور کو اس جیسے کام پر جو مزدوری ملتی ہے وہ ملے گی۔ یہ اس کا حق ہے۔

ان امور کو ذہن نشین کرکے اب اصل جواب ملاحظ فرمائیے۔

زکات کی ادائیگی کے لیے شرط یہ ہے کہ محتاج مسلمان کو زکات کی نیت سے مال زکات کا مالک بنادیں، وبس۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں کہ محتاج کو اس کا مال زکات ہونا معلوم ہو۔ اور نہ ہی یہ شرط کہ زکات کہہ کر وہ مال دیا جائے، کسی بھی مناسب نام سے یہ مال دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تحفہ، ہدیہ، نذرانہ، انعام، عیدی وغیرہ۔ مختصر یہ کہ لفظ جو بھی ہو نیت خالص زکات کی ہونی چاہیے۔

تنویر الابصار میں ہے: "الزکوٰۃ تملیك جزء مال عیّنه الشارع من مسلم فقیر مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالی۔

در مختار میں ہے: لله تعالی: بیان لاشتراط النیة. اھ

شامی میں ہے: "لا اعتبار للتسمیة فلو سماها هبة أو قرضاً تجزیه في الأصح." اھ

وفي غمز العیون: "العبرة بنیة الدافع العلم المدفوع الیه." اھ

(ترجمہ): زکات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے بندے کے مال میں جو خاص حصہ فقرا کے لیے معین کیا ہے اسے مسلمان فقیر کو اللہ کی رضا کے لیے دے کر مالک بنادیا جائے اور اس سے اپنی کوئی منفعت قطعی وابستہ نہ رکھی جائے، زکات کی ادائیگی کے لیے دیتے وقت نیتِ زکات شرط ہے، ہاں زکات بتا کر دینا شرط نہیں، نہ اس کا شرعًا کوئی اعتبار، لہٰذا اگر ہبہ یا قرض وغیرہ کہہ کر دیا تو بھی زکات ادا ہوجائے گی۔ غمز العیون میں ہے کہ اعتبار زکات دینے والے کی نیت کا ہے، اس کا اعتبار نہیں کہ فقیر کو اس کا زکات ہونا معلوم ہو۔

لہٰذا جتنی رقم زکوۃ کی نیت سے زید کو دی جائے گی اتنی تو زکاۃ ہی میں شمار ہوگی، یعنی دینے والے کی طرف سے اتنی زکاۃ ادا ہوگئی خواہ وہ کسی بھی نام سے دے، لیکن مزدوری کی نیت سے جو رقم دی ہے وہ اگر اجرت مثل سے کم ہے، مثلاً اجرت مثل 80 روپے ہوئی اور دیا 75 روپے تو پانچ روپے اس کے ذمے مزید واجب الادا ہوں گے، اگر نہیں دے گا تو گنہ گار ہوگا، حق العبد اس کے ذمہ لازم رہے گا۔ اور اس کی وجہ سے قیامت کے روز عذاب جہنم کا سزاوار بھی ہوگا۔

مزدور اور مالک پر لازم ہے کہ پہلے مزدوری مقرر کریں تاکہ اجارہ کا معاملہ جائز ہوسکے۔ اب مالک کو اختیار ہے کہ اس مقررہ مقدار پر زکات کی نیت سے جتنی بھی رقم فاضل دینی چاہے دے، گو مزدوری ہی کے نام سے دے، اس طرح مزدوری بھی ادا ہوجائے گی اور فاضل رقم کی مقدار زکات

بھی ادا ہو جائے گی، نیز اجارہ کا معاملہ بھی جائز ہو جائے گا۔

(2) زید نے اپنی مزدوری جتنی متعیّن کی ہے اس پر مالک بھی راضی ہے یا نہیں، اگر راضی ہے تو اس کی مزدوری سو روپے ہو گئی اور اجارہ جائز و درست ہوا اور زکاۃ کے تعلق سے اس صورت کا حکم بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ سو روپیہ میں جتنی رقم زکات کی نیت سے دے گا مثلاً پچھتر روپے اتنی زکات میں محسوب ہوگی اور بقیہ رقم مثلاً پچیس روپے مزدوری میں۔ اور چونکہ مزدوری سو روپے ہے اس لیے پچھتر روپے مزید مالک کے ذمہ واجب الادا رہیں گے، جب تک ادا نہ کرے گا حق العبد سے بری نہ ہوگا۔

اور اگر مالک زید کی معین کی ہوئی مزدوری پر راضی نہیں ہے تو دونوں کو پہلے بات چیت کر کے مزدوری طے کرنی چاہیے۔ ورنہ اجارہ فاسد ہوگا اور مزدور کے لیے اجرتِ مثل لازم ہوگی، اس تقدیر پر اجرت میں جو رقم مالک نے دی وہ اگر اجرتِ مثل سے کم ہے تو بقیہ کی ادائگی اس پر لازم ہوگی، اگرچہ زکات کی نیت سے اس نے اجرتِ مثل سے کئی گنا زیادہ دے دیا ہو کہ زکات کی نیت سے جو دیا ہے وہ اجرت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکات کی رقم اسکول میں دینا کیسا ہے؟

ہمارے قصبہ کے کچھ دردمندانِ قوم و ملت نے بچیوں کا ایک اسکول قائم کیا ہے جس میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ (یعنی سرکاری نصاب) دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے، آج اسکول کا چندہ ہو رہا ہے، ایک شخص نے زکات کا روپیہ چندے میں دیا، حیلہ شرعی کر کے وہ روپیہ اسکول میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں حکم صادر فرمائیں۔

الجواب: زکات کی رقم کے اصل حقدار فقیر اور مسکین مسلمان ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ (التوبہ: آیت: 60) تو زکاۃ انھیں کو دینے سے ادا ہوگی، اور دوسروں کو دینا ناجائز و گناہ ہوگا۔ اس لیے کسی بھی اسکول میں زکات کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ہی اسکول میں دینے سے زکات ادا ہوگی۔

علاوہ ازیں زکات بڑی عظیم قربت و کارِ ثواب ہے اور دنیوی تعلیم کا کوئی ادارہ یا اسکول قربت و کارِ ثواب نہیں، بلکہ دیگر دنیوی امور کی طرح سے وہ بھی ایک امر مباح ہے، اس حیثیت سے بھی اسکول میں زکاۃ کی رقم دینا جائز نہیں کہ جو چیز قربت کا محل نہیں اس میں صرف کرنے سے قربت کیوں کر ادا ہوگی۔ رہ گیا حیلہ کا معاملہ تو: اس کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی:

ایک: یہ کہ غیر مصرف میں زکات لگانے کی حاجت یا ضرورت پائی پائی جائے، یعنی زکات کی رقم استعمال کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو، یا چارۂ کار تو ہو مگر سخت حرج اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے: "الضرورات تبيح المحذورات، الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة، المشقة تجلب التيسير."

دوسری شرط: یہ کہ وہ کام فی نفسہ قربت اور ثواب کا کام ہو تاکہ حاجت اور ضرورت کی صورت میں بھی وہ رقم اپنے مثل مصرف میں ہی استعمال ہو۔ فقہائے کرام نے جہاں کہیں حیلہ کی اجازت دی ہے وہاں مصرف بابِ قربت سے ہی ہوتا ہے۔ مثلاً فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے:

"في جميع أبواب البر كعمارة المساجد وبناء القناطير الحيلة أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير، ثم يامره بالصرف إلى هذه الوجوه." اھ ملتقطاً

شامی میں ہے: ويكون له (أي للمزكي) ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القرب بحر اه. (2/63)

لہٰذا اگر کہیں حاجت ہو مگر وہ کام ثواب کا نہ ہو، یا کام تو ثواب کا ہو مگر وہاں حاجتِ شرعیہ نہ ہو تو ان جگہوں پر حیلہ کی اجازت نہ ہوگی، مثلاً تنگ دست ماں باپ کی امداد بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن لڑکا جو صاحبِ نصاب ہو وہ اپنے پاس سے ان کا تعاون کر سکتا ہے، لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے مال زکات کا حیلہ کر کے اسے ماں باپ پر صَرف کرے۔ چناں چہ رد المحتار میں ہے:

"يكره أن يحتال في صرف الزكاة إلى والديه المعسرين بأن تصدق بها على فقير، ثم صرفها الفقير إليهما كما في القنية: قال في شرح الوهبانية وهي شهيرة مذكورة في غالب الكتب." اھ ملتقطا (2/63)

مدارس دینیہ میں جو حیلہ کی اجازت دی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں دونوں شرطیں متحقق ہیں، مدارس کی تعلیم کا کارِ ثواب ہونا تو ظاہر ہے کہ ان میں اصل مقصود دینی علوم قرآن و حدیث و فقہ کی تعلیم ہے جو فرض ہے، باقی علوم انھیں کے تابع ہیں اور ضمنی طور پر داخلِ نصاب ہیں کہ ان سے علومِ دینیہ کی تحصیل و تفہیم میں مدد ملتی ہے اور حاجت و ضرورت کا حال بھی ظاہر ہے کہ اگر حیلہ کی اجازت نہ دی جائے تو عام طور سے یہ مدارس یا تو بند ہو جائیں گے، یا پھر بہت کمزور ہو جائیں گے، جن سے علومِ دینیہ کے تحفظ و بقا اور اسلام کی نشر و اشاعت بخوبی نہ ہو سکے گی، کیوں کہ اب قومِ مسلم کا یہ

حال ہو چکا ہے کہ وہ دین کا ہر کام زکات کے چندہ سے جو صرف ڈھائی فیصد ہے، کرنا چاہتی ہے۔ اور اسی میں ان کے ہر دینی مسئلے کا حل ہے۔ اپنے پاس سے عطیہ و چندہ دینے کا مزاج نہ رہا، الاّ یہ کہ اس میں کوئی دنیٰ منفعت ہو، بلکہ کتنے لوگ تو ایسے ہیں جو صحیح طور پر پوری زکات بھی نہیں نکالتے، ایسے ماحول میں مدارس کو چندے پر منحصر کرنا انھیں برباد کر دینے کے مترادف ہوگا، لہٰذا انتہائی مجبوری کی صورت میں جسے ضرورتِ شرعیہ کہا جاتا ہے، اس کارِ خیر کے لیے علما نے حیلے کی اجازت دی۔

اس کے بر خلاف کالج میں یہ ضرورت متحقق نہیں، اس سے دنیوی مفاد وابستہ ہوتا ہے اور ہر انسان اس کا نفع اپنی آنکھوں کے سامنے دنیا میں ہی دیکھتا ہے یا اسے دیکھنے کا اطمینان ہوتا ہے، اس لیے وہ اس کی طرف راغب ہوتا ہے اور دل کھول کر اس کے تعاون میں حصہ لیتا ہے۔ اس کی کھلی ہوئی نظیر مسلم یونیورسٹی ہے کہ لوگوں نے حیرت انگیز انداز میں اس کا تعاون کیا کیوں کہ ان کے سامنے دنیا کا سبز باغ تھا۔

حدیث شریف میں ہے: "الدنیا حلوۃ خضرۃ"

دنیا میٹھی ہے اور ہری بھری سرسبز ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، ص:267، کتاب النکاح، بحوالہ مسلم شریف)

خلاصہ یہ کہ کالج کا کام صرف چندے کے بل بوتے پر بآسانی چل سکتا ہے، اس لیے یہاں ضرورت شرعیہ کیا، حاجت شرعیہ بھی نہیں پائی جاتی۔ رہ گئے کالج میں پڑھائے جانے والے علوم، تو ان کی تحصیل شرعی نقطۂ نظر سے فرض ہے نہ واجب، بلکہ صرف جائز و مباح ہے ہاں یہ علم دین کے تابع ہوں تو اس کی تحصیل مستحب ہے بلکہ ان میں سے بعض کی تحصیل واجب بھی ہوگی۔ لیکن مسئلہ دائرہ میں دینی تعلیم کی حیثیت محض ایک تابع کی ہے تو یہ ضمنی تعلیم ہوئی۔ اصل مقصود عصری علوم کی تعلیم ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت محض مباح کی ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہاں حیلے کے جواز کی دونوں ہی شرطیں مفقود ہیں، اس لیے مذکورہ کالج میں زکات کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔ جس شخص نے چندے میں زکات کی رقم دی ہے اسے شریعت کے اس مسئلے سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ رقم وہ مصرف زکات میں صرف کرے اور کالج کا تعاون اپنے عطیہ سے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مدارس کو بذریعہ بینک زکات دینے اور مدارس کو اس کے استعمال کرنے کے شرعی طریقے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

(1) عوامِ اہلِ سنت مدارس اسلامیہ کو اپنی زکات وصدقات کی رقومات بذریعہ بینک ارسال کرتے ہیں، ذمہ داران کے لیے ایک ساتھ پوری رقم نکالنا مشکل و دشوار ہے، خصوصًا دیہات وقصبات میں بینک بڑی رقم نہیں دیتے، نیز اگر بینک سے رقم نکال بھی لیں تو آڈٹ کراتے وقت حساب دینا لازم ہوتا ہے، اگر دوبارہ بینک میں جمع کریں تو پھر رقم کا حساب دوبارہ دینا پڑتا ہے، ایسی صورت میں مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟

(2) اراکین مدارس اسلامیہ کرانہ دکان سے راشن و دیگر سامان لے کر رقم بذریعہ چیک ادا کرتے ہیں، دوکان دار بھی بوجہِ مجبوری چیک کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ایسی صورت میں عوام کی زکات ادا ہو جائے گی؟ ایسی صورت میں حیلۂ شرعی کی کیا صورت ہوگی، جس سے زکات ادا ہو جائے، کوئی بھی مناسب حل مطلوب ہے۔

الجواب: (1) [الف]-اصحابِ خیر اگر اپنے یہاں خود یا کسی عالم کے ذریعہ زکات وصدقات کی رقم کا حیلۂ شرعی کرا سکیں تو بینک کے ذریعہ بھیجیں، یہ سب سے اسلم اور بہتر طریقہ ہے۔

[ب]-اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مدرسہ کے ذمہ داران بینک سے روپے نکال کر حیلۂ شرعی کریں، پھر خرچ کریں، اگر ایک ساتھ ساری رقم نہ نکل سکے تو باری باری جتنی نکل سکے اتنی ہی رقم نکال کر حیلۂ شرعی کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ پوری رقم کا حیلہ ہو جائے۔

[ج]-ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جن اصحاب خیر نے خطیر رقم سے تعاون کیا ہے ان کی اجازت سے کسی سے قرض لے کر ان (اصحابِ خیر) کی طرف سے کسی مسلم فقیر کے ذریعہ حیلۂ شرعیہ کرائیں اور فقیر وہ رقم واپس کرتے وقت یہ کہے کہ میں نے یہ رقم مدرسہ کو دی۔ البتہ انتظامیہ کو اجازت ہے کہ چاہیں تو اس رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کریں یا اس کی دوسری مدوں میں صرف کریں۔ اس اجازت کے بعد وہ رقم قرض کی ادائیگی میں دی جا سکتی ہے۔

(2)- چیک مال نہیں ہے بلکہ وثیقہ ہے اور وثیقہ یا رسید کا حیلۂ شرعی نہیں ہو سکتا۔ حیلۂ شرعی کی صحت اور زکات کی ادائگی کے لیے فقیر کو مال کا مالک بنانا اور اس پر قبضہ دینا شرط ہے اور چیک مال ہی نہیں تو اس پر فقیر کا قبضہ بھی ہو تو بھی مال کی تملیک نہ ہوگی، اس لیے زکات نہیں ادا ہو سکتی۔

حل کا راستہ یہ ہے کہ حل کا تیسرا طریقہ جو گذشتہ سطور میں مذکور ہوا، اپنائیں یا پہلا طریقہ اختیار کریں اور دوسرا طریقہ یوں اپنا سکتے ہیں کہ راشن اُدھار خریدیں اور بینک سے رقم نکال کر جمع کرتے رہیں، پھر

جب چاہیں چیک بناکر غلہ والے کو دے دیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

مچھلی پکڑنے کے جہاز پر زکات ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام: (1) مچھلی پکڑنے والے جہاز پر زکات شرع کی طرف سے فرض ہے یا نہیں جیسا کہ مالک پر بیوپاری کا کوئی قرض نہیں ہے۔

(2) اگر فرض ہے تو جہاز کے ساتھ جو ملحقہ چیزیں ہیں مثلاً جال وغیرہ کہ جن کا استعمال مچھلی پکڑنے کے لیے کیا جاتا ہے اس پر بھی زکات فرض ہے یا نہیں؟

(3) اور جس جہاز پر اس کی قیمت کی مقدار کا قرض ہے مثلاً چار لاکھ روپے کا جہاز ہے اور چار لاکھ روپے یا اس سے بھی زیادہ کا قرض ہے لیکن اس سے مچھلی پکڑنے کا کاروبار جاری ہے تو کیا مذکورہ جہاز پر بھی زکات فرض ہے۔

(4) اور بصورت دیگر اگر جہاز چار لاکھ روپیوں کا ہے اور اس کا قرض دو لاکھ یا تین لاکھ روپیوں کا ہے اور جہاز بند پڑا ہے تو کیا اس پر بھی زکات فرض ہے؟

الجواب: زکات فرض ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے نہ ہو، یعنی ایسا مال نہ ہو جس کی زندگی گزارنے میں آدمی کو ضرورت پیش آتی ہے اور ظاہر ہے کہ کمائی کے آلات کی زندگی گزارنے میں ضرورت ہے تو مچھلی پکڑنے کا جہاز حاجت اصلیہ کے اسباب سے ہے اس لیے اس پر زکات نہیں ہے۔ خواہ اس کے مالک پر بیوپاری کا قرض ہو یا نہیں اور قرض ہو تو تھوڑا ہو یا زیادہ۔

فتاویٰ عالمگیری میں شرائط وجوب زکات کی بحث میں ہے:

"و منها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن و دواب الركوب زكاة، و كذا آلات المحترفين كذا في السراج الوهاب." اھ ملخصًا (ص:173، ج:1، الباب الأول من كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

اس تصریح کی بنا پر چاروں صورتوں میں مچھلی پکڑنے والے جہاز پر زکاۃ واجب نہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

زکات کے چند ضروری مسائل

(1) میں نے کسی کو کچھ روپے ادھار دیے ہیں، جو اب تک واپس نہیں ملے۔ کیا ان روپیوں پر زکات ادا کرنی ہوگی؟

(2) میں نے تین سال پہلے ایک زمین خریدی تھی۔ اس نیت سے کہ اگر اچھی قیمت ملے گی تو اسے بیچ دوں گا تو کیا اس پر بھی زکات دینی ہوگی، اگر ہاں تو کس قیمت کے لحاظ سے، جس قیمت میں زمین خریدی گئی تھی اس قیمت میں یا پھر موجودہ وقت میں جو زمین کی قیمت ہے، اسی قیمت کے لحاظ سے؟

(3) میں نے اس زمین کا ایک حصہ بھی بیچ دیا ہے جس کی پوری قیمت مجھے ابھی نہیں ملی ہے، جو پیسے باقی ہیں کیا اس پر بھی زکات دینی ہوگی؟

(4) میں نے ایک گاڑی اپنے استعمال کی نیت سے خریدی تھی، اسے بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن اب میں اسے بیچنا چاہتا ہوں، اب تک بیچی نہیں ہے تو کیا اس پر بھی زکات دینی ہوگی؟

(5) سونے پر پر جو زکات ہے وہ صرف اس کی اصل قیمت پر ہے یا پھر مزدور کی مزدوری وغیرہ سب ملا کر جو قیمت ہوگی اس کے حساب سے زکات دینی ہوگی؟

الجواب: (1) جسے آپ نے روپے قرض دیے ہیں وہ اگر آپ کے قرض دینے کا اقرار کرتا ہے یا آپ کے پاس قرض دینے پر شرعی گواہ ہیں تو آپ پر مالک نصاب ہونے کی صورت میں اس سرمایۂ قرض کی بھی زکاۃ فرض ہے۔ اس کی زکات ادا کرتے ہیں۔

(2) بیچنے کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ اچھی قیمت ملنے پر ہی بیچی جاتی ہے، اگر خریدار کا پکا ارادہ ہو کہ اچھا دام ملنے پر وہ زمین کو بیچ دے گا، اور اسی لیے اس نے خریدا تو وہ زمین مالِ تجارت ہے اور دیگر اسباب تجارت کی طرح اس کی بھی زکات فرض ہے، آپ چاہیں تو زمین کی زکات زمین سے ہی نکالیں اور چاہیں تو سالِ زکات پر نرخ بازار سے اس کی جو مالیت ہو اس کی زکات روپے سے ادا کریں۔ اعتبار ہر سال کی موجودہ مالیت کا ہے، یعنی مارکیٹ ویلو کا۔

(3) جو زمین آپ نے بیچ دی ہے اس کی زکات زمین کے دام پر واجب ہوگی، اس دام پر بھی جو وصول ہو چکا ہے اور اس دام پر بھی جو خریدار کے ذمہ باقی ہے۔ آپ پورے دام کی زکات ادا کریں۔

(4) اپنے استعمال رکھنے کی نیت سے جو گاڑی خریدی اس پر زکات نہیں گو اب آپ کا ارادہ اس کو بیچنے کا ہو، ہاں جب وہ گاڑی فروخت ہو جائے تو اس کے دام پر زکات واجب ہوگی کہ روپے ثمن ہیں اور ثمن پر زکات شرعاً واجب ہے۔

(5) سونے چاندی کے زیورات کی زکات سونے چاندی ہی پر ہے

زیورات بنانے کی مزدوری اس میں شامل نہ ہوگی۔ نرخ بازار سے زیورات کے سونے چاندی کی سال زکات پر جو قیمت ہو اس قیمت کے لحاظ سے زیورات کا واجبی دام جوڑ لیں، پھر اس کی زکاۃ نکالیں، رہی مزدوری، وہ نہ سونا ہے نہ چاندی، اس کا اس میں شمار نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

ایل آئی سی کی رقم میں زکاۃ کا حکم

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ CPF، LIC اور اریریر پر بھی زکات کا حکم ہے۔ اب معلوم ہوا تو 1975ء سے لے کر جون 2006ء تک کا اریرِ، LIC اور CPF کی پوری تفصیل پیش کر رہا ہوں، اس کے بارے میں بتائیں کہ ان رقومات پر مجھے کتنی زکات دینی ہوگی؟

الجواب: C.P.F اور LIC وغیرہ رقوم کا جو تفصیلی چارٹ پیش کیا ہے وہ کچھ پیچیدہ اور دقت طلب ہے۔ آپ ہر سال کا ٹوٹل خود تیار کریں، جب تمام سالوں کی رقوم کا ٹوٹل الگ الگ تیار ہو جائے تو پہلے سال کے ٹوٹل میں سے اس کی زکات ڈھائی فی صد نکالیں، مثلاً پہلے سال کا ٹوٹل ہے بارہ سو روپے اور دوسرے سال کا ٹوٹل ہے دو ہزار پچیس روپے۔ پہلے سال کے ٹوٹل کی زکات تیس روپے ہوئی وہ تیس روپے دوسرے سال کے ٹوٹل سے گھٹا دیں تو دوسرے سال کا باقی ٹوٹل ایک ہزار نو سو پچانوے روپے ہوگا، اب اس کی زکات تقریباً پچاس روپے ہیں: پچاس روپے تیسرے کے ٹوٹل سے گھٹا کر بقیہ کی زکات نکالیں، اسی طرح تمام گزشتہ سالوں کی زکات ادا کریں۔

ہمارے پاس نہ تو پچھلے سالوں کا چاندی کا ریٹ ہے اور نہ ہی یہ معلوم کہ ان سالوں میں کتنے روپے پر زکات فرض ہوتی تھی، اور نہ یہ معلوم کہ آپ مالکِ نصاب تھے یا نہیں، لیکن عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے، ممکن ہے کہ 76-75ء میں بارہ سو روپے پر 56 روپے، بھر چاندی کا نصاب زکات پورا ہو جاتا ہو، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ 75ء سے لے کر آج تک کے تمام سالوں کی زکاۃ درج بالا طریقے پر ادا کریں۔

اگر بالفرض ان دنوں میں آپ پر زکات فرض نہ رہی ہو تو یہ آپ کی طرف سے اللہ تعالی کے راستے میں ایک صدقہ ہوگا، جو ثواب کے ساتھ ساتھ فوائد اور برکات کا وسیلہ ہوتا ہے، پھر دل کو بھی اطمینان حاصل ہوگا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ حق مال کو ضرور ادا کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرض غسل میں ناک میں پانی ڈالنے کا حکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج شریف باعافیت ہو۔

سفر سے واپس آ چکا ہوں، آپ نے دریافت کیا تھا کہ غسل فرض ہو تو ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے کہ نہیں؟

جواب یہ ہے کہ فرض ہے، یہ ظاہر بدن کے حکم میں ہے اور ظاہر بدن پر پانی بہانا فرض ہے، لہٰذا ناک کے اندر پانی بہنے میں شک ہو تو ناک میں انگلی ڈال کر دھویں اور اس میں پانی ڈالیں تاکہ بہ جائے یہی حکم پیٹ کے شکن اور ناک کے دونوں سوراخوں کا بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾

بنایہ شرح ہدایہ میں اس آیت کے تحت ہے:

(وهذا أمر بتطهير جميع البدن) أی قوله تعالی ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ أمر بتطهير سائر البدن في حق الجنب حتى تجب عليه المضمضة، والاستنشاق، وايصال الماء إلى باطن السرة، و تحريك الخاتم، وقد روى أبو داود والترمذي وابن ماجة من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ إن تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا واتقوا البشرة هي ظاهر الجلد فيجب غسل جميعها ولهذا احتج أصحابنا على فريضة المضمضة والاستنشاق في الغسل۔

(البناية في شرح الهداية، ج:1، ص:250، 256)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنبی پر ناک کے اندرونی حصے میں پانی پہنچانا فرض ہے حدیث نبوی کا بھی یہی مفاد ہے۔ واللہ تعالی اعلم

مسجد کے لیے زکات کی رقم کا استعمال کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں:

مسجد کے لیے ایک زمین خریدی گئی ہے، جس کا رقبہ چھ بسوہ ہے، اب اس زمین کا بیع نامہ کرانا ہے، جس میں بہت زیادہ پیسے کی ضرورت ہے۔ ایک مفتی صاحب نے بتایا ہے کہ زکات کے پیسے سے حیلہ شرعی کر کے رجسٹری کروا لیجیے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زکات کا پیسہ حیلہ شرعی کر کے زمین کا بیع نامہ کروایا جا سکتا ہے؟ جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: رجسٹری کے مصارف کے لیے الگ سے چندہ کر لیں، زکات کے روپے کا حیلہ اس کے لیے نہ کریں۔ زکات در اصل حقِ فقرا ہے اور دینی ضرورت کے لیے حیلے کی اجازت ہے۔

"دینی ضرورت" کا مطلب ہے "دین کا ایسا کام جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو" رجسٹری شرعاً تملیک اور کمالِ بیع کے لیے ضروری نہیں، ہاں تحفظ کے لیے آج کے دور میں اس کی حاجت ہے اور یہ حاجت چندے سے پوری کی جا سکتی ہے، اس لیے ممکن حد تک حقِ فقرا کو اس میں صَرف کرنے سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعا یا وظیفہ کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ:

زید نے تقریر کے دوران کہا کہ درود شریف سے دعا شروع کرنا خلافِ سنت اور دعا کے مردود ہونے کی علامت ہے اور نبی نے درود سے دعا شروع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ایک شخص نے دعا شروع کی اور اللھم صل علیٰ کہا، دوسری حدیث میں ہے کہ متعجل کی دعا مقبول نہیں ہے۔ نیز فرمایا: إذا دعوت فاحمد ربك ثم صلی علی نبیك اور یہ بھی کہا کہ کسی بھی عمل اور وظیفہ کے اول و آخر درود پڑھنا فحش، غلط حکم، پیغمبر کی خلاف ورزی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دعا یا کسی وظیفہ کے شروع میں اور آخر میں درود شریف پڑھنا غلط، خلافِ سنت اور حکمِ رسول کی خلاف ورزی ہے؟

الجواب: زید نے غلط کہا اور حدیثِ رسول کا بہانہ بنا کر خود حدیثِ رسول کا ردو انکار کیا۔ چناں چہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِجْعَلُوْنِيْ فِيْ أَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِيْ اٰخِرِ الدُّعَاءِ"

(کنز العمال،ج:1،ص:117،الأذکار، عن شعب الایمان للإمام البیهقي، بیت الأفکار الدولیة)

ترجمہ: مجھے دعا کے شروع میں بھی رکھو اور دعا کے آخر میں بھی رکھو۔

اسی حدیث کی دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

"اِجْعَلُوْنِيْ فِيْ أَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِيْ وَسْطِ الدُّعَاءِ وَفِيْ اٰخِرِ الدُّعَاءِ." (کنز العمال،ج:1، ص:117،الأذکار، عن المصنف للإمام عبد الرزاق، ، بیت الأفکار الدولیة)

ترجمہ: مجھے دعا کے شروع میں بھی رکھو، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعا کے شروع درمیان اور آخر میں رکھنے کا مطلب آپ پر درود شریف بھیجنا ہے تاکہ وہ دعا مقبول ہو، چناں چہ احادیث اس کی شاہد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

* "اَلدُّعَاءُ مَحْجُوْبٌ عَنِ اللهِ حَتّٰی يُصَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ." (کنز العمال،ج:1، ص:35، عن أبي الشیخ ، بیت الأفکار الدولیة،بیروت-و-شعب الإیمان للإمام البیهقی، ص:216،باب تعظیم النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وإجلاله وتوقیره)

* "عَجِلتَ أيُّها المصلِّي، إذا صلَّيتَ فقعَدتَ فاحْمَدِ اللهَ بما هُوَ أَهْلُهُ ، وصلِّ عليَّ ثمَّ ادعُهُ . قالَ : ثمَّ صلَّى رجلٌ آخرُ بعدَ ذلِكَ فحمِدَ اللهَ وصلَّى على النَّبيِّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ فقالَ لَهُ النَّبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ : أيُّها المصلِّي ادعُ تُجَبْ."

(جامع الترمذی،ج:2، ص:186، أبوب الدعوات عن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مجلس البرکات، مبارك فور)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز ادا کی پھر ان الفاظ میں دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے نمازی! تو نے جلد بازی سے کام لیا، جب تو نماز پڑھے اور قعدہ کرے تو اللہ کی شایانِ شان حمد بجالا اور مجھ پر درود پڑھ، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی عرضِ حاجات کر۔ راوی فرماتے ہیں: اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اے مصلی! تو دعا کر تیری دعا مقبول ہوگی۔

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس حدیث میں دعا مانگنے والے کو متعجل اور جلد باز کہا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے آدابِ دعا کے خلاف دعا کی۔ ادب یہ تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے، پھر درود شریف پڑھتے، اس کے بعد عرضِ مدعا کرتے۔ مگر انھوں نے عرض مدعا سے ہی دعا کا آغاز کر دیا۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھنا ممنوع ہے۔ یہاں تو حمدِ الٰہی کے بعد اور دعا سے پہلے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

قرآن خیر ہی خیر ہے

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

اللہ رب العزت کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی آسمانی کتاب ہے۔ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔(کنزالایمان)

"لَا رَیْبَ: کوئی شک نہیں۔" آیت کریمہ کے اس حصے میں قرآن مجید کا وصف خاص بیان کیا گیا کہ یہ ایسی بلند شان اور عظمت و شرف والی کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ شک اس چیز میں ہوتا ہے جس کی حقانیت پر کوئی دلیل نہ ہو جب کہ قرآن پاک اپنی حقانیت کی ایسی واضح اور مضبوط دلیلیں رکھتا ہے جو ہر صاحبِ انصاف اور عقل مند انسان کو اس بات کا یقین کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ یہ کتاب حق اور سچ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، تو جیسے اندھے کے انکار سے سورج کا وجود مشکوک نہیں ہوتا ایسے ہی کسی بے عقل مخالف کے شک اور انکار کرنے سے یہ کتاب مشکوک نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید کی پہلی آیت ہی سے رب تعالیٰ نے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے: العلق: آیت 1" پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"۔اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ: "اے محبوب پڑھو جو کتاب تمھاری طرف وحی (نازل) کی گئی ہے"۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو جب قرآن مجید کی تلاوت کی تلقین فرمائی تو اس سے اندازہ لگائیں کہ قرآن مجید کی تلاوت امتیوں کو بھی کرنا چاہیے، کیونکہ تلاوت قرآن مجید عبادت بھی ہے، اس میں لوگوں کے لیے وعظ و نصیحت بھی ہے اور اس میں احکام، آداب زندگی اور اخلاقی اچھائیوں کی تعلیم بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔قرآن مجید کے بے شمار اعجاز ہیں ایک مضمون یا ایک کتاب میں لکھنا ناممکن ہے کیونکہ یہ کلام الٰہی ہے الگ الگ اعجاز کو۔ ذیلی سرخی بنا کر ایک ایک بات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں اللہ شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔

پورا قرآن اوصاف کا خزانہ ہے: قرآن کی بیشمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ قرآن مجید انسانوں کو نہ صرف سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور بتاتا ہے بلکہ اس راستے پر چلانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے رہنمائی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ بہت ہی اچھوتے انداز میں یہ بات ذہن نشین کرائی جا رہی ہے۔

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس کے درست کرنے والے کی پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ یقینا فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقینا نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔(القرآن 91، آیت 10 تا 7)

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ اچھی اور بُری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مفہوم بتا یا گیا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے دونوں کی صلاحیتیں موجود ہیں، اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔

قرآن پاک سیکھو اور سکھاؤ: رب تعالیٰ نے قرآن پڑھنے کی تاکید اپنے محبوب ﷺ کو فرمائی۔ متعدّد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضور نے انہیں کوئی سورہ یا آیت بڑے اہتمام سے سکھائی۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: خَیْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

"تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا"۔(مسند احمد، ج 1 -ص 88، بخاری ج، 2 ص 752، فضائل قرآن کا بیان حدیث 621 ابوداؤد، ج:1 ص 229 حدیث 1455552۔ مشکوٰۃ شریف، فضائل قرآن کا بیان، حدیث 621) وغیرہ۔

hhmhashim786@gmail.com

اسی لیے اسلام میں حفظ قرآن پاک کی بہت اہمیت ہے کیونکہ قرآن اور اس کے علوم دنیا کی تمام کتابوں اور علوم سے افضل اور اعلیٰ وارفع ہیں اسی طرح قرآنی علوم کو جاننے والا بھی دنیا کے تمام افراد میں سب سے ممتاز اور کسی بھی علم کے جاننے والے سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ سیکھنے کا حق سے مُراد یہ ہے کہ قرآنی علوم میں غور وفکر کرے اور اس کے احکام و معنیٰ اور اس کے حقائق کو پوری توجہ اور ذہنی وقلبی بیداری کے ساتھ سیکھے اور اس پر عمل کرے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔

توکیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یعنی جن کے دلوں میں نفاق کے قفل لگے ہیں وہ نہ تو قرآن کریم میں غور وفکر کرسکتے ہیں اور نہ ہی وہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے حق کی بات ان میں پہنچ ہی نہیں پاتی۔ تدبر قرآن پاک میں گہرے غور وخوض کو کہتے ہیں جو تعصبات اور جانبداری سے پاک اور عقل ونقل کے حقیقی تقاضوں کے مطابق ہو۔ یقیناً وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو قرآن کو پڑھتے اور اس میں غور وفکر بھی کرتے ہیں۔ اور اس کی تلاوت بار بار کرتے ہیں اس کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ملنے والے جواہرات سے اپنی جھولیاں بھرتے ہیں۔

رب تعالیٰ نے خود ہی قرآن پاک کی عظمت اور فضیلت کو بتایا۔

ترجمہ: تم فرماؤ: اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہی خوشی منانی چاہیے، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

(القرآن، سورہ یونس:10، آیت58)

کسی پیاری اور محبوب چیز کے پانے سے دل کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کو "فَرَح" (خوشی، شادمانی، دل کا خوش ہونا) کہتے ہیں، اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں کو اللہ کے فضل ورحمت پر خوش ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں نصیحتیں، سینوں کی شفا اور ایمان کے ساتھ دل کی راحت وسکون عطا فرمایا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے کیا مُراد ہے اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے فضل سے اسلام اور اس کی رحمت سے قرآن مراد ہے۔ (تفسیر خازن، ج:2/ 320)

تلاوتِ قرآن کرنے والے مومنوں کی صفات: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ توجہ اور شرائط کو مدِّ نظر رکھ کر قرآن مجید پڑھتے ہیں اور تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.

(القرآن، سورہ بقرہ:2 آیت 121)

ترجمہ: وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کر رہے ہیں سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ قرآن وہ نام ہے جو خود خدائے تعالیٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل فرمائی اور "قرآن مجید" نام دیا قرآن کا لفظ قرآن میں 68 جگہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن نسل انسانی کے لیے آخری شریعت پر مشتمل کتاب ہے، کلام الٰہی "قرآن مجید" اسی معنی میں کہا گیا ہے، یعنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب! گویا قرآن کے نام میں ہی یہ پیشن گوئی موجود ہے کہ یہ کتاب کثرت سے پڑھی جائے گی اور عملاً ایسا ہی ہو رہا ہے الحمدللہ۔ اور بلا شبہ ساری دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہی ہے۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بر ٹینکا میں اسے The most widely read book قرار دیا گیا ہے اور لفظ قرآن کے اندر کثرت تلاوت کی عظیم پیشگوئی کا اعتراف اس کے مخالف بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ پروفیسر فلپ حتی اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھتے ہیں: "اگر چہ قرآن مجید تاریخ کا دھارا بدل دینے والی کتابوں میں سب سے کم عمر ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان سب میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے"۔ (تاریخ العرب ج،1 ص:173-174)

ایک اور مشرقی چارلس پوٹر نے لکھا ہے: "دنیا کی کوئی کتاب اتنی پڑھی نہیں جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بائبل کی جلدیں زیادہ فروخت ہوتی ہوں مگر پیغمبر اسلام کے کروڑوں پیروکار ان کی لمبی لمبی آیات دن میں پانچ مرتبہ پڑھنا اس وقت شروع کر دیتے ہیں جب وہ باتیں کرنا سیکھتے ہیں"۔ (سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1970ص 1371)

News Week کی ایک رپورٹ کے مطابق بائبل کو دلچسپ بنانے کی کوشش جاری ہے، العیاذ باللہ۔

قرآن سراسر سلامتی "امن" اور اوصاف کا خزانہ ہے:
قرآن کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ قرآن مجید بالکل واضح، روشن، صاف، صاف باتیں بتانے والی کتاب ہے۔ قرآن اول سے اخیر تک روشنی ہے اور روشنی بھی وہ جو خدا کی طرف سے اتری ہے۔ اس کی بتائی ہوئی دکھائی ہوئی راہیں پوری کی پوری سلامتی ہیں قرآن اندھیرے میں پڑے ہوئے لوگوں کو روشنی میں لانا چاہتا ہے اور ان لوگوں کو جو ٹیڑھے اور خطرناک راستوں پر چل رہے ہوتے ہیں انہیں سیدھی راہ پر لانا چاہتا ہے۔ لیکن اس کتاب سے، اس نور سے فائدہ وہی لوگ اُٹھائیں گے جن کے پیش نظر خدا کی مرضی اور اس کی خوشنودی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے.
﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

(القرآن، سورہ المائدہ:5، آیت15-16)

ترجمہ: اے کتاب والو بیشک تمھارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیروں میں روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ (کنزالایمان)

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ: اللہ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ یہاں قرآن کی شان کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت قرآن کے ذریعے اسے ہدایت عطا فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوجاتا ہے اور جو اپنے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں لگا دیتا ہے تو اللہ اسے کفر و شرک اور گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور اعمال صالحہ کے نور میں داخل فرما دیتا ہے۔ قرآن کا بہت بڑا وصف یہ بھی ہے کہ وہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ وہ کلام الٰہی ہے۔ جس طرح سے خدا کی ذات مقدسہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ ٹھیک اُسی طرح قرآن بھی ہر طرح کے نقائص سے پاک ہے۔ جس طرح خدا کی ذات پاک اور اس کی ہستی ایک پُرکشش اور پُراسرار ہستی ہے جس کی طرف قلوب کھنچتے ہیں اور جس کی خوبیوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے بھی باہر ہے ٹھیک اسی طرح قرآن میں بھی جذبات انسانی کے لیے بڑی جاذبیت اور کشش پائی جاتی ہے۔ قرآن وہ کلام ہے جس پر کبھی بھی کہنگی "پُرانا پن" طاری نہیں ہو سکتی، قرآن وہ کلام ہے جو اہل ذوق کے لیے کبھی بے مزہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کتاب سے جتنا لگاؤ بڑھتا جائے گا اتنی ہی زیادہ یہ کتاب پُرکشش محسوس ہوگی۔ قرآن خیر ہی خیر ہے، ہو بھی کیوں نہیں؟ قرآن جو کلام الٰہی ہے۔ اور خدا سے خیر اور بھلائی ہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

قرآن خود اپنا تعارف یوں کراتا ہے:
﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝﴾

(القرآن، سورہ الزمر:39، آیت2-1)

ترجمہ: کتاب کا نازل فرمانا اس اللہ کی طرف سے ہے جو عزت والا، حکمت والا ہے، بیشک ہم نے تمھاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری تو اللہ کی عبادت کرو اسی کے بندے بن کر۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب قرآن پاک کو نازل فرمانا اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزت والا، حکمت والا ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو اور اس کے احکامات پر عمل کرو کہ یہ کتاب عزیز، اسے بھیجنے والا عزیز، اسے لے کر آنے والا فرشتہ عزیز اور جس پر نازل ہوئی وہ بھی عزیز ہے۔

قرآن کتابِ محفوظ ہے: قرآن پاک واحد وہ آسمانی کتاب ہے جو اصلی حالت میں ہے، جس میں کسی قسم کی تحریف نہ ہو سکی۔ اور آنے والی صبح قیامت تک محفوظ رہے گی، اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؕ۝﴾
اللہ کی باتیں بدلتی نہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

(القرآن، سورہ یونس:10 آیت64)

پچھلی آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود ان کتابوں کے حامل انسانوں پر ڈالی گئی تھی۔ اس کے برعکس قرآن کے بارے میں حافظ کا لفظ آیا ہے یعنی حفاظت کرنے والا: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ

لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ ترجمہ: بیشک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(القرآن، سورحجر:15آیت9)

قرآن مجید وحی الٰہی کی آخری کتاب ہے اس کو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے اس کے وجود سے دنیا کا نظام قائم ہے اس کو اُٹھا لیے جانے کے ساتھ نظام کائنات کو بھی ختم کر دیا جائے گا۔ پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کرکے یہ دعویٰ کیا گیا ''کہ اگر تم قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو اس جیسا کلام دکھلاؤ صرف انسان نہیں جنات کو بھی ملالو''۔(بنی اسرائیل88) چودہ سو سال سے یہ چیلنج، معیار سازی ساری انسانیت کو دیا جارہا ہے مگر آج تک کوئی اس جیسی اور اس میعار کی کوئی ایک بھی آیت نہ بناسکا اور نہ ہی قیامت تک بنا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تعریف میں یہ فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔''(القرآن، سورہ کہف:18آیت1)

''بیشک قرآن ضرور فیصلہ کردینے والا کلام ہے۔ اور وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔''(القرآن، سورہ طارق:86آیت14-13)وغیرہ وغیرہ۔

قرآن کے مخالفین کتے کی دم ہیں: کتے کی دُم کبھی سیدھی نہیں ہوتی ہے، کتے کی دُم بارہ سال نلکی میں رکھی تب بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی: جس طرح کتے کی دُم سیدھی نہیں کی جاسکتی اسی طرح نا ہنجار، کمینے شخص، نطفہ حرام شخص سے بھی کبھی اچھی بات کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ تیل کے مقابلے میں گھی بہتر مانا جاتا ہے۔ جلدی ہضم ہو جاتا ہے مشہور ہے کہ کتّا اگر گھی پی لے تو اس کو بدہضمی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اوچھے، نالی کے گندے کیڑے کی طرح رہنے والے کو اچھوں کی صحبت راس نہیں آتی اور وہ اس کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ آسمان کی طرف تھوکنے والے کو اپنا ہی تھوک چہرے پر ملنا پڑتا ہے، اور سورج کی طرف دیکھنے والا اپنی آنکھوں کی روشنی بھی گنوا دیتا ہے وغیرہ وغیرہ ''عقل مند را اشارہ کافی است؟'' میرے اوپر مسلسل ہمارے اپنوں کا بہت دباؤ تھا کہ قرآن مجید پر کیس کرنے والے وسیم کے خلاف زبردست مضمون لکھیں۔ الحمد للہ ناچیز نے تابڑ توڑ مضامین لکھے (1) قرآن کے حقوق اور ہماری ذمہ داریاں: (2) قرآن کریم تمام انسانوں کے لیے امن و انصاف کی کتاب: (3) قرآن کریم انسانی ہدایت کا سرچشمہ: دو شائع ہو چکے تیسرا عنقریب شائع ہو گا ان شا اللہ تعالیٰ، پھر بھی کئی مخلص حضرات جیسے حضرت مفتی اختر رضا شیخ الحدیث، مدرسہ ضیاء الاسلام، قصبہ مورانواں، ضلع اناؤ، یوپی، مولانا مقتدر اشرف فریدی صاحب، مدرس مدرسہ ضیاء الاسلام۔(یاد رہے یہ میرا آبائی وطن ہے میری شروع کی تعلیم اسی مدرسہ سے ہوئی، فراغت الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے ہوئی) حافظ امام الدین صاحب، حضرت مولانا مدثر حسین اشرفی مہاراشٹر وغیرہ کا حکم ہوا تو یہ چوتھا مضمون: ''قرآن پاک خیر ہی خیر ہے!'' لکھنے بیٹھ گیا الحمدُللہ الحمدُللہ، قرآن پاک کے خلاف یہ کوئی پہلی بار بیہودگی نہیں ہوئی ہے۔ 1985 میں چاند مل طوپڑا نام کے ایک خبیث نے کلکتہ ہائی کورٹ میں عرضی داخل کی تھی کہ (نعوذ باللہ) پورے قرآن پر ہی پابندی کا مطالبہ کیا تھا، اس واقعہ کے بعد پورے ملک میں مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ جیسے کہ آج وسیم رضوی کی عرضی پر پیدا ہوا ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے ''جسٹس براک'' نے جن کی عدالت میں یہ مقدمہ سماعت کے لیے تھا، ذرا سی دیر میں فیصلہ سنا دیا کہ کسی آسمانی کتاب پر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ تاریخ میں کئی بار ایسے مواقع آئے ہیں جب ظالم حکمرانوں نے اسلام کا خاتمہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور سب سے پہلے کتابِ مقدس قرآن پاک کو مٹانے کی کوشش کی، اس کی ہزاروں، لاکھوں کاپیاں تو جلادی گئیں، دریا برد کردی گئیں یا غائب کردی گئیں، پڑھنے پر پابندی لگادی گئی، روس اس کی زندہ مثال ہے جہاں قرآن پاک رکھنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ تو سینوں میں اس کی حفاظت کی گئی لوگ چھپ کر قرآن پڑھتے، تراویح رات کے آخیر حصہ میں پڑھتے، وہ کاغذ میں تو نہ رہا جب روس ٹکڑے ٹکڑے ہوا تو حفاظ کرام مارے خوشی کے سڑکوں پر نکل کر قرآن پڑھنے لگے، سینوں میں قرآن محفوظ رہا آج بھی کروڑوں سینوں میں قرآن محفوظ ہے آنے والی صبح قیامت تک محفوظ رہے گا ان شاء اللہ۔

اس وقت ملک کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جو سیلاب ہے، اس کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمان متحد ہوکر مقابلہ کرے تو تمام دشمنوں کی ہوا کھڑی ہو جائے گی۔ قرآن کا واضح پیغام ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور آپس میں فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ جیسے یہود و نصاریٰ نے فرقے بنا لیے تھے۔'' اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین اور میری یہ چھوٹی سی کوشش قبول فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆

پانی کہاں سے لاؤ گے؟

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے، ساری مخلوقات نباتات و چرند و پرند، حیوانات بشمول انسان کا پیدا فرمانے والا ہے۔ وہ رب العالمین بھی ہے، سب کا پالنہار بھی ہے، کس کو کتنا رزق دینا ہے وہ خوب جانتا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (القرآن، سورہ العنکبوت:29، آیت 62)

ترجمہ: اللہ کشادہ کرتا ہے رزق اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں خواہ مومن ہوں یا کافر جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے، رب تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو رزق دینے کے ساتھ ساتھ اُس کی ضرورتوں کی چیزیں بھی پیدا فرمائیں پیڑ پودے، جنگل، ندیاں، پہاڑ وغیرہ وغیرہ۔ پیڑوں کے بے شمار فوائد ہیں۔ ان کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ تمام مخلوق بشمول انسانوں کو آکسیجن فراہم کرتے ہیں جو زندگی کے لیے ضروری ہے، گندی زہریلی ہوا کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرکے ماحول کو خوشگوار بناتے ہیں۔ انسانوں کے علاوہ جنگل، نباتات جانوروں کو خوراک فراہم کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں بڑی تعداد میں درخت موجود ہوتے ہیں اس علاقے کو سیلاب کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے۔ جس طرح پیڑ پودے سیلاب سے بچاؤ فراہم کرتے ہیں اسی طرح یہ قحط، خشک سالی سے بھی بچاتے ہیں۔ یہ اپنی جڑوں میں جذب شدہ پانی کو ہوا میں خارج کرتے ہیں اور بادلوں کی تشکیل میں بہت مدد گار ہوتے ہیں۔ جن علاقوں میں پیڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اس علاقے میں زمین زرخیز ہوتی ہے اور وہاں پانی کی کمی نہیں ہوتی۔

درخت ماحولیات کو بہتر بنانے کا اہم ترین حصہ اور ضرورت ہیں تمام جانداروں کی زندگی بچانے میں کسی نہ کسی طرح پیڑوں کی موجودگی نہایت ضروری ہے اسی لیے پیڑوں کو قدرت کے پھیپھڑے، بھی کہا جاتا ہے پیڑ ہوا کی صاف صفائی کا کام بھی کرتے ہیں اور تمام جانداروں کو آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ ایک پیڑ ایک سال میں 10، اے سی کے برابر مسلسل ہوا دیتا ہے، 750 گیلن برساتی پانی کو جذب کر لیتا ہے، 60 پونڈ ہوا کو صاف کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش سمیت بٹوارے سے پہلے بھارت میں انگریزوں سمیت دیگر قوموں حتیٰ کے مغل بادشاہوں نے بھی درخت لگانے کے کام کو اہمیت دی، ان کے دور میں لگائے گئے درخت آج بھی اِن کی یادگار کے طور پر قائم ودائم ہیں۔

اس وقت ہمارے ملک میں 778000 کلومیٹر رقبے پر درخت لگے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے اب اِن کی کٹائی بہت زوروں پر ہے جنگل مافیا نے ہزاروں کلومیٹر جنگل کاٹ ڈالے، دنیا کی قیمتی لکڑی "چندن" جو کہ انتہائی قیمتی اور فائدہ مند ہوتی ہے، دواؤں میں استعمال ہوتی ہے، خوشبودار، چکنی اور تیل سے بھرپور ہوتی ہے، یعنی اس سے تیل بھی نکلتا ہے جو بہت سی بیماریوں میں کام آتا ہے خاص کر قوت باہ میں، اور عطر بھی بنتا ہے، اس کی خوشبو تقریباً 35-30 سال تک قائم رہتی ہے۔ چندن کی لکڑی میں دیمک اور گھن نہیں لگتا ہے، تمل ناڈو: کا مشہور بدنام زمانہ ویرپن تسکر جو چندن کی لکڑی کا بہت بڑا تسکر تھا اُس کے مرنے کے بعد کیا چندن کے قیمتی پیڑ کٹنے بند ہو گئے ؟ انڈین ایکسپریس کی رپورٹ کے مطابق، دو ریاستوں (کرناٹک اور تمل ناڈو) اور ویسٹ گھاٹ کے پورے جنگلی علاقے میں ویرپن کی دہشت تھی۔ اس کو پولیس اور محکمہ جنگلات کے افسران سمیت 150 سے زیادہ لوگوں کا قاتل مانا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر 100 سے زیادہ ہاتھیوں کے شکار کا بھی الزام تھا۔ حالانکہ اس کی پہچان چندن اسمگلر کے طور پر تھی، اس کو سال 2000 میں پولیس نے ایک تصادم میں مار گرایا تھا۔

hhmhashim786@gmail.com

اب ویرپن کی 29 سالہ بیٹی "ودیا چرن"، بی جے پی کے تمل ناڈو یوتھ ونگ کی نائب صدر بنائی گئی ہیں۔ آج بھی ان جنگلوں میں چندن کی لکڑیوں کی اسمگلنگ زور شور سے جاری ہے اور جنگلوں کو بے دریغ کاٹ کر بیابان بنایا جارہا ہے کوئی روکنے والا نہیں؟ لوگ چاہتے ہیں ماحول بہتر رہے، گرمی کم پڑے، پانی خوب ملے۔ قدرتی وسائل کو برباد انسان کریں توسزا کون بھوگے گا؟

اب دھاڑنے والے شیر اور پیڑ صرف فلموں میں ہی دکھیں گے: مشہور فلمی نقاد "جے پرکاش چوکسے" انگریزی کتاب، The door in The wall, book by H,G,Wels میں جواشارہ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے لکھتے ہیں: "بند کمرے کی چھوٹی سی کھڑکی سے آسمان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا"۔

ہم نے اپنے جنگل گنوا دیے، کتنی طرح کے چرند و پرند و جانور شیر وغیرہ اور پیڑ بھی ختم ہوتے جارہے ہیں تو ان کو اب صرف فلموں میں ہی دیکھا جاسکے گا۔ اب تو دھاڑنے کا کام صرف نیتا کررہے ہیں۔

آب و ہوا میں تبدیلی کے بُرے نتائج:

سردی میں پڑا گرمی سے پالا، پانی کا ہاہا کار، پوری دنیا بشمول ہندوستان میں ماحول بدل رہا ہے اس بار گرمی نے ایک ماہ پہلے ہی دستک دے دی ہے۔ پچھلے ہفتے میں کئی جگہوں پر پارا42 ڈگری تک چڑھ گیا ایک ہی مہینہ میں سردی اور گرمی ریکارڈ بنا رہی ہے، پارا کبھی مائنس 24 ڈگری تک گرا، کبھی 18 ڈگری تک چڑھا، بھاسکر و بی بی سی رپورٹر انا صوفیہ سالیس Anna Sophia کے مطابق اس سال آب وہوا کی تبدیلی سے بڑی پریشانی ہونے والی ہے۔ یورپ کے 100 سے زیادہ جگہوں پر درجہ حرارت، Temperature معمول سے 12 ڈگری زیادہ رہا ان میں سے کئی جگہ پر سردی اور گرمی کے نئے ریکارڈ بنے ہیں، ایک لمبی فہرست ملکوں اور شہروں کی ہے، کتنا لکھا جائے۔ لندن کے محکمہ موسمیات کے مطابق آنے والے دنوں میں درجہ حرارت بڑھنے اور بہت زیادہ بارش کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے اس بار گرمی پہلے آگئی ہے، اس سے ماحول میں کافی تبدیلیاں دیکھنے کو آئیں گی پانی کی کمی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے، جس کی طرف نہ حکومتیں کوئی ٹھوس پروگرام مرتب کررہی ہیں (صرف بیان بازی، فوٹو بازی سے کام ہورہا ہے) اور نہ ہی عوام کوئی توجہ دے رہے ہیں نہ پانی کی بچت کررہے ہیں، جس کا بھگتان سبھی کو بھگتنا پڑے گا۔ آج سے پندرہ سال پہلے جن پودوں کو پانی نہیں دینا پڑتا تھا، اب ان پودوں کو پانی دینا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اب گرمیوں میں چھوٹے پیڑ پودھے سمیت مینڈک بھی غائب ہوتے جارہے ہیں۔

بھاسکر کی رپورٹر آرتی کھوسلہ ایک رپورٹ میں لکھتی ہیں:

"دیس نے پچھلے 8 سالوں کے دوران 28% سے زیادہ جنگلوں کو ہم نے کھو دیا، ہر سال اس زمین سے فٹبال کے 27 میدانوں کے برابر جنگل برباد ہورہے ہیں، جن جنگلوں سے آب وہوا کے ساتھ جانوروں اور انسانوں کو بھی ان گنت فائدے ہیں، انہیں جنگلوں کو بھارت میں ہر سال 200 اسکوائر مربع کلومیٹر کے برابر ہم کھوتے جارہے ہیں، the forest survey of india, 2019 کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے بھارت کا اُتر پوربی علاقہ بہت تیزی سے جنگل کھو رہا ہے۔ اروناچل اور ناگالینڈ جیسے زیادہ تر پوربی ریاستوں میں واقع جنگلوں کو بُری طرح سے وہاں کے لوکل رہنے والے، مافیاؤں سے مل کر کاٹ رہے ہیں۔ جس کے چلتے آب وہوا میں تبدیلی کے بُرے نتائج آرہے ہیں، اس پر لگام لگانے کی سخت ضرورت ہے۔"

ہندوستان میں ندیوں کا جال پھر بھی پانی کی کمی:

ہمارے جنت نشان ملک میں ندیوں کی بہتات ہے قدرت کی بے شمار نعمتیں موجود ہیں، جنگلات کے ساتھ ساتھ دریاؤں کی کمی نہیں ہے، ہندوستان میں صاف اور پینے کے پانی کی کمی نہیں ضرورت ہے اس کی حفاظت کرنے کی، دیکھ بھال کرنے کی۔ 10360 دریا جو پورے ملک میں بہتے ہیں اور ایسا بہاؤ پیدا کرتے ہیں جو ایک تخمینہ کے مطابق لگ بھگ 1869 مکعب کلو میٹر ہے۔ اگر ان کا بہتر بندوبست کیا جائے تو ہمارے آبی وسائل ہی سارے بحران کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، افسوس ابھی تک اِن دریاؤں میں انسانی فضلہ (گندگی) فیکٹریوں کا زہریلا کیمیکل، گندا پانی ندیوں میں گرایا جارہا ہے، جس سے ندیاں بُری طرح متاثر ہوگئی ہیں۔ اگرچہ گنگا، جمنا، برہم پتر، ہگلی، دریائے چناب وغیرہ وغیرہ کا برادرانِ وطن (ہندوؤں) میں بڑا احترام پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود خاطر خواہ ندیوں کو صاف رکھنے۔۔۔۔۔۔ (باقی، ص:26 پر)

شعاعیں

اسلام میں مشورے کی اہمیت و افادیت

غلام ربانی شرف نظامی

مشورہ درحقیقت اسلام کے سیاسی نظام کا ایک اہم جز ہے، عوام اپنے دیگر معاملات میں اور حکام امور مملکت کی انجام دہی میں اگر مشورے سے کام لیں، تو ندامت اور اس کے عظیم خسارے سے محفوظ ہو جائیں۔ عموماً کسی سے مشورہ اس وقت لیا جاتا ہے جب انسان کو اپنے ارادے میں پوری طرح یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ تذبذب اور شش و پنج کی حالت میں مبتلا رہتا ہے، اس لیے انسان اپنے ارادے پر کھڑے اترنے اور پختہ وثوق و اعتماد حاصل کرنے کے لیے کسی صاحب الرائے شخص سے مشورہ لیتا ہے، جب اپنے ارادے پر لوگوں سے تائید حاصل کر لیتا ہے تو پھر اپنے کام کے لیے آگے قدم اٹھاتا ہے، اور اگر مشیر اس کے ارادے پر مخالفت کرتے ہیں، تو ناکامی اور نامرادی کے خوف سے وہ اپنا ارادہ تبدیل کر دیتا ہے۔

مشورہ کی اہمیت از روئے قرآن:

مشورے کی اہمیت و افادیت کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ قرآن عظیم میں ”شوریٰ“ نام کی ایک سورت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ چناچہ فرمان الٰہی ہے:

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.

ترجمہ: ”اور (اے محبوب ﷺ) کاموں میں ان سے مشورہ لیتے رہو، پھر جب کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو، تو اللہ پر بھروسہ کرو، بیشک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران آیت 159)

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا، کہ آپ ﷺ کو ان کے مشورے کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے اور اِس میں آپ کے غلاموں کی دِلداری بھی ہو جائے اور عزت افزائی بھی اور اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ مشورہ سنت ہو جائے گا اور آئندہ امت اِس سے نفع اُٹھاتی رہے گی۔ جیسا کہ علامہ قرطبی، علامہ نسفی، ابن کثیر، امام سیوطی، اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی لکھا ہے۔

پھر حکم ہوا کہ مشاورت کے بعد جب آپ ﷺ کسی چیز کا پختہ ارادہ کر لیں، تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کرتے ہوئے اسی پر عمل کریں، اپنے مشورے اور عزم پر ہرگز بھروسا نہ کریں، کیونکہ جو اپنے تمام ارادوں میں صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات پر توکل کرتا ہے، تو وہ اس کے کاموں میں برکتوں اور رحمتوں کو انڈیل دیتا ہے، اور مستقبل کی ناکامی و نامرادی سے بچا کر کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، نیز توکل کرنے والوں کو وہ بے انتہا پسند بھی فرماتا ہے۔

توکل کے ”معنی“ ہیں، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور کاموں کو اُس کے سپرد کر دینا۔ مقصود یہ ہے کہ بندے کا اعتماد تمام کاموں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر ہونا چاہیے، صرف اسباب پر نظر نہ رکھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسہ کرے تو ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو دنیا پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد فرما دیتا ہے۔

(معجم الاوسط، 302/2، الحدیث: 3359)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ پر جیسا چاہیے ویسا توکل کرو، تو تم کو ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں۔ (روہ الترمذی، الحدیث: 2351)

مشورہ کی اہمیت از روے حدیث:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مشورہ میری امت کے لیے رحمت بنا دیا ہے، جو آدمی مشورہ کرتا ہے، وہ ہدایت سے محروم نہیں ہوتا، اور جو اسے ترک کرتا ہے وہ گمراہی سے نہیں بچ سکتا:“ (رواہ شعیب الایمان، رقم الحدیث، 7542)

مروی ہے: ”کہ جب کوئی قوم کسی معاملے میں باہم مشورہ کرتی ہے تو مشورہ کی برکت سے عمدہ ترین کام کی طرف اس کی رہنمائی کی جاتی ہے:“ (تفسیر طبری ج 4 ص 100)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مشورہ کرنے والا شخص کبھی حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا خود پسند شخص کبھی سعید نہیں ہو سکتا۔“ (قرطبی ج 4 ص 251)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ”میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا ہو۔“ (رواہ الترمذی)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے زیادہ کسی قوم کو مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔
(رواہ الترمذی، رقم الدیث 1714)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: کہ "جب تم سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے مشورہ دے دے۔(أیضاً)

عہد نبوی میں مجلس شوری کے اجلاس:

انس بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "مدنی دور کے آغاز میں لوگ نماز کے اوقات اپنے اپنے اندازے سے متعین کرتے تھے ایک روز اس کے لیے مشورہ کیا گیا تو کسی نے یہود کے بوق (سینگ) کی تجویز پیش کی، اور کسی نے نصاریٰ کے ناقوس (چھوٹی لکڑی کو بڑی لکڑی پر مارنا)کی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو نماز کے اوقات میں بلند آواز سے لوگوں کو بلائے، چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔"
(رواہ البخاری، رقم الحدیث 85)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلند آواز سے یہ کلمات فرمایا کرتے تھے بعد میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ سے اور پھر آپ ﷺ نے انہی کلمات کے ساتھ اذان دینے کا حکم دیا۔

اس کے علاوہ بعض دیگر امور میں بھی مثلاً عسکری، قبائلی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاملات میں بھی نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ کام پوری چستی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیں۔

علامہ "ابن کثیر" نے عہد نبوی ﷺ کے ایسے کئی مشاورتی واقعات کو اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً جنگ بدر، کے موقع پر لشکر کی قیام گاہ کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت منذر بن عمر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا، غزوہ احد کے موقع پر بھی صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر دفع کرنا چاہیے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، تو اکثر صحابہ کرام نے مدینے سے باہر مقابلے کی رائے دی، اور آپ نے ان کے مشورے پر عمل کیا، اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس سال مدینے کی پیداوار کا تیسرا حصہ دے کر ان گروہوں سے صلح کر لی جائے لیکن حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف تھی، اس لیے آپ نے صلح کی تجویز کو ترک کر دیا، اسی طرح حدیبیہ کے دن اس معاملے میں مشورہ کیا کہ کیا مشرکین کے گھروں پر حملہ کر دیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی بات منظور کر لی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا پر تہمت لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:" اے مسلمانوں! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل خانہ کے بارے میں تہمت لگائی۔ قسم بخدا میرے علم میں میرے اہل خانہ نے کوئی برائی نہیں کی۔ مزید فرمایا کہ: میں اپنے اہل خانہ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ الغرض آپ ﷺ جنگ اور دیگر معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر، الجزء الثانی، ص 131)

عہد صحابہ میں مجلس شوری کا قیام:

اسی طرح آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ انہیں مومنین کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔ ترجمہ:" اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں"(سورۃ الشوری آیت 38)

اس آیت مقدسہ کی عملی تفسیر اصحاب رسول ﷺ کے حالات زندگی میں دیکھی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی امور میں اپنے احباب سے ہمیشہ مشورہ لیا کرتے تھے اور اجتماعی و قومی امور بھی مشورے ہی سے انجام دیتے تھے۔ جیسا کہ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب مشورے سے عمل میں آیا، پھر ان تمام خلفا نے اپنی اپنی مدت خلافت تک باہمی مشاورت سے ہی امور مملکت کو انجام دیتے رہے۔ لیکن خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں باقاعدہ جلیل القدر صحابہ پر مشتمل مجلس مشاورت قائم فرما کر اسلام کے سیاسی نظام اور اسلامی حکومت کے ہر کام میں گویا قیامت تک کے لیے ایک نظم پیدا کر دی، پھر تو اسلامی حکومت کے دینی، قانونی، جنگی، سیاسی، یعنی ہر قسم کے مسائل اسی مجلس مشاورت میں پیش کئے جانے لگے جہاں متعدد صحابہ کی رائے کے بعد امور طے پاتے تھے۔ اسی مجلس مشاورت کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ قیصر و کسری کے مقابلہ کے لیے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بنفس نفیس جانے کا فیصلہ فرمایا، لیکن جب مجلس شوری میں یہ بات رکھی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور نامناسب قرار دیا۔ ممبران شوری نے آپ کی تائید کی لہذا اسی پر عمل ہوا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف نہ لے گئے۔

مشورہ میں اسلامی احکام سے روگردانی باعث ندامت:

البتہ جب کبھی شوری اللہ و رسول کے خلاف مشورہ دے تو اس کو رد کر کے حکم الٰہی اور مرضیِ رسول پر عمل کیا جائے۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں دنیا و آخرت میں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان رضی اللہ عنہم اس کا خاص خیال رکھا کرتے تھے، جیسا کہ مرض وصال سے چند روز پہلے کا واقعہ ہے جبکہ حضور ﷺ بستر علالت پر تھے، اسی دوران آپ ﷺ نے ملک شام کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا، جس کے سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ منتخب کیے گئے، اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسے بہادر

صحابہ بھی تھے جن کے ناموں سے کفاروں کے پیروں تلے سے زمینیں کھسک جاتی تھیں۔ روانگئ لشکر سے کچھ روز پہلے حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ پھر جب یار غار محبوب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ بار ہوئے توسب سے پہلے جو آپ نے جو حکم جاری فرمایا تواس لشکر کی روانگی کا، تو متعدّد صحابہ نے اس حکم کو خلاف احتیاط سمجھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور علیہ السلام کے وصال کی خبر سن کر مدینہ پر دشمن حملہ کر دے پھر تو ایسی صورت حال میں مدینہ کی سلامتی کا تحفظ کرنا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔"

" قسم بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تب بھی اسے ضرور روانہ کروں گا اور حضور علیہ السلام کے ارادے کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھاؤں گا۔

اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے خلاف فیصلہ فرمایا، تو صحابہ کرام نے اس کو بھی خلاف مصلحت قرار دیا اور نرمی سے پیش آنے کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے قرآن وحدیث کے فیصلے کے مطابق فرمایا، کہ شریعت کے کسی رکن کا بھی منکر مرتد ہے جس کی سزا قتل کے سوا کچھ بھی نہیں مجھے کسی شرعی حکم میں نرمی اور تبدیلی کا اختیار نہیں۔

مشورے میں دو اہم باتیں قابل غور:

مشورے کے سلسلے میں دو اہم باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مشورہ "صاحب الرائے" لوگوں سے لیا جائے یعنی ایسے لوگوں سے جو صحیح رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں نیز قابل اعتماد ہوں اور جس معاملے میں ان سے مشورہ لیا جا رہا ہے وہ اس کا پورا علم رکھتا ہو مثلاً صحت سے متعلق مشورے کی ضرورت ہو تو ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو امراض اور اس کے علاج سے واقف ہوں۔ قانون سے متعلق رائے لینی ہو تو قانون داں لوگوں سے رابطہ کیا جائے۔ ملکی قومی معاملہ ہو تو امور مملکت سے واقف لوگوں کو مشیر بنایا جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:" عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانی پڑے گی۔" (احکام القرآن 1/ 451)

ہم آج اس لیے ندامت اٹھا رہے ہیں کہ اولاً تو ہم کسی سے مشورہ کرتے ہی نہیں، کرتے بھی ہیں تو مانتے نہیں اپنی من مانی ہی کرتے ہیں۔ اور حکام اپنا مشیر ان لوگوں کو بناتے ہیں جو چاپلوس اور خوشامدی ہو۔ ان کا مشورہ "جی حضور" سے آگے نہ بڑھتا ہو، اپنے منصب کے تحفظ، مراعات کے لالچ میں یہ ظالم کبھی سوچتے کہ سرکار کے اس فیصلے سے قوم کو کیا نقصان ہوگا۔ یا خود سرکار کا کیا حشر ہوگا۔

اور دوسری بات یہ کہ مشورہ دینے والے پر بھی بڑی اہم ذمہ داری عائد کی گئی ہے چونکہ غلط مشورہ دینا دھوکہ ہے اور مشورہ کبھی خفیہ طور پر بھی کئے جاتے ہیں جس کا کسی مصلحت شرعی کی بنیاد پر چھپانا ضروری ہوتا ہے، مشیر کے اندر یہ عادت ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ ادھر رازدار بن مشورہ دے اور دوسری طرف لگا دے، حدیث شریف میں ارشاد ہوا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:" کہ جب تم سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے (صحیح صحیح) مشورہ دے دے۔ (ایضاً)

اور خفیہ مشورہ جو غیر شرعی نہ ہو امانت ہے اور امانت کے تعلق سے قرآن کریم میں فرمایا گیا، بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے (اے ایمان والوں) کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو ادا کرو۔ (سورۃ النساء 58)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ جس سے مشورہ کیا جائے، وہ امین ہے۔

(روہ الترمذی، رقم الدیث، 2747)

لہٰذا مذکورہ باتوں سے ثابت ہوا کہ جس سے مشور کیا جائے، اس پر یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے بھائی کو صحیح صحیح مشورہ دے اور جو باتیں مشورے سے میں طے ہو جائے بغیر اس کی اجازت کے کسی کے پاس ظاہر نہ کرے۔

مشیر کے بعض صفات:

شرعی احکام کا معاملہ ہو تو معتمد صحیح العقیدہ عالم سے مشورہ لیں، دنیاوی امور میں جس سے چاہیں مشورہ لیں مگر اتنا ضرور خیال رکھیں کہ وہ شخص امین اور دیانت دار ہو، گہری بصیرت رکھتا ہو، عاقل و بالغ ہو، فاسق و فاجر، اور اخلاقی جرائم کا عادی نہ ہو، معتمد اور مخلص ہو، تاکہ مشورہ دینے میں مخلصانہ رخ اپنائے، عرف عام سے باخبر ہو، جس مسلئے کے تحت مشور لیا جا رہا ہو، اس میں مہارت رکھتا ہو یا اس کے گرد و پیش کی خبر رکھتا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مومن مسلمان کا کردار وعمل اطاعت الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کے جذبے سے سرشار ہونا چاہیے، مشورہ ایک حکم ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان عظیم خسارے سے امان میں آجاتا ہے۔ بھاگ دوڑ والی زندگی میں ہر انسان کسی نہ کسی الجھن اور مسئلے میں ضرور گھرا ہوتا ہے، اس گھیرابندی سے نکلنے کے لیے بسا اوقات بہت غور وفکر کے بعد بھی انسان فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، جب ایسی صورت حال پیدا ہو، تو صاحب الرائے لوگوں سے فوراً مشورہ لیں۔ ان شاء اللہ العزیز مشورے کے بعد تمام دھندلے راستے صاف وشفاف آئینہ کی طرح نظر آنے لگیں گے یا مشیروں کی مخالفت کی صورت میں بھاری نقصان سے آپ محفوظ ہو جائیں گے مگر خیال رہے کہ مشورہ کے بعد اگر کسی کام کے کرنے کا عہد کر لیا ہے تو ساتھ ہی مالک حقیقی کی ذات پر توکل بھی ہونا چاہیے جبھی کامیابی آپ کا قدم چومے گی۔

فحاشی اور بے حیائی کا معنی و مفہوم

ابو حمزہ محمد عمران مدنی

پیارے دوستوں! اس مضمون میں ہم فحاشی وبے حیائی کی تعریف، فحاشی وبے حیائی کی مذمت میں بعض آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ، بے حیاو بے شرم لوگوں کے لیے تیار کردہ عذاب سے متعلق بعض روایات وغیرہ بیان کریں گے، فنقول و باللہ التوفیق

فحاشی کا معنی: وہ امور جنہیں کھلے الفاظوں میں بیان کرنا برا سمجھا جاتا ہو انہیں اعلانیہ طور پر ذکر کرنا مثلاً جماع کی باتیں کرنا، مرد و عورت کے اعضائے مخصوصہ کا ذکر کرنا، پیشاب پاخانہ وغیرہ کی باتیں کرنا حالاں کہ باحیاوبا مروت لوگوں کو کبھی کسی ضرورت کی بناء پر ان امور کے حوالے سے کلام کرنا پڑتا ہے تو وہ حتی الامکان اشاروں، کنایوں میں ان امور کو ذکر کرتے ہیں بہرحال بے حیائی کی باتیں کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہیں، بے حیائی و فحاشی کی بعض باتیں دیگر بعض باتوں کے مقابلے میں زیادہ بری ہوتی ہیں پس ان کی کراہت بھی اسی طور پر بڑھتی چلی جاتی ہے۔

(بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، ج:3، ص:202)

فحاشی کی مذمت میں بعض قرآنی آیات:

اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ۔ (بنی اسرائیل:32/17)

اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو اُن میں چھپی۔ (الانعام:151/6)

اور (اللہ) منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے اور تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ دھیان کرو! (النحل:90/16)

فحاشی کی مذمت میں بعض احادیث مبارکہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بے حیائی جس شے میں ہوتی ہے اسے بدنما کر دیتی ہے۔ اور حیا جس شے میں ہوتی ہے اسے مُزیّن کر دیتی ہے۔ (سنن الترمذی، برقم:1974، 349/4)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی جب کسی بندے کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیا کو لے لیتا ہے، پس جب وہ بندے سے حیا کو لے لیتا ہے تم اسے اس حال میں پاؤ گے کہ وہ غُصیلا ہو گا اور اللہ تعالی کے غضب کا مستحق ہو گا، پھر اُس سے امانت کو لے لیا جائے گا، پس جب اس سے امانت کو لے لیا جائے گا تو تم اسے خیانت کرنے والا خیانت کیے جانے والا پاؤ گے۔ پس جب تم اسے خیانت کرنے والا، خیانت کیے جانے والا پاؤ گے، تو اس سے رحمت کو لے لیا جائے گا۔ پس جب اس سے رحمت کو لے لیا جائے گا، تو تم اسے اس حال میں پاؤ گے وہ اللہ کی رحمت سے رد کر دیا جائے گا، اس پر لعنت کر دی جائے گی، پس جب اس کا یہ حال ہو گا تو اس سے اسلام کا پٹہ لے لیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم:4054، 1347/2)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: حیا کی کمی ناشکری ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم:25349، 213/5)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ سے مرفوعاً ایک طویل حدیث پاک روایت کی ہے، اس میں عقل مندی کی ایک خصلت حضور ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے: عقل مندی کی (ایک) صفت یہ ہے کہ شرم و حیا اس سے جدا نہیں ہوتی۔ (مسند الحارث، رقم:847، 815/2)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا بیشک فحش و بے حیائی کی باتیں کی، اور فحش اور بے حیائی کے کام کی اسلام میں کچھ حیثیت نہیں اور اسلام کے اعتبار سے لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ (الفتح الکبیر، حرف الہمزہ، برقم:3185، 293/1)

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی فحش و بے حیائی کی باتوں کو، اور فحش اور بے حیائی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا۔ (الفتح الکبیر، حرف الہمزہ، برقم:4335، 401/1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اگر فحاشی و بے حیائی کسی مخلوق کی صورت میں ظاہر ہوتی، تو وہ اللہ تعالی کی بدترین مخلوق ہوتی۔ (الفتح الکبیر، حرف اللام، برقم:10059، 42/3)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: قیامت کی علامت میں سے ہے کہ فحش و بے حیائی کی باتیں، اور فحش اور بے حیائی کے کام ہوں گے، رشتے داریاں توڑی جائیں گی، امانت دار کو خائن قرار دیا جائے گا، اور خائن کو امین قرار دیا جائے گا۔

(الفتح الکبیر، حرف المیم، برقم:11116، 130/3)

ibneiqbalmadani@gmail.com

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بلاشبہہ غیرت ایمان میں سے ہے، اور فحاشی و بے حیائی نفاق میں سے ہے، اور بے حیائی اور فحاشی کرنے والا دیّوث ہے۔

(جامع معمر بن راشد، باب الغیرۃ، برقم:1116، 409/10)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بے حیا شخص پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔ (بریقۃ محمودیۃ: 203/3)

بے حیاو بے شرم لوگوں کا عذاب: حدیث پاک میں ہے کہ چار طرح کے جہنمی کھولتے پانی اور آگ کے درمیان بھاگتے پھرتے ہوئے وَیل وثُبور یعنی ہلاکت مانگتے ہوں گے، ان میں ایک وہ ہوگا جس کے منہ سے خون اور پیپ بہتا ہوگا، جہنمی اُس کے بارے میں سوال کریں گے: رحمتِ الٰہی سے محروم اس شخص کا کیا حال ہے؟ یہ ہماری اس تکلیف میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔ پس کوئی کہنے والا کہے گا: رحمتِ الٰہی سے محروم یہ شخص بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں کو دیکھا کرتا تھا، اور ان سے یوں محظوظ ہوا کرتا تھا جس طرح جماع سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، 167/5)

حضرت عون بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین چیزیں ایمان میں سے ہیں (1) حیا (2) عفاف (یعنی: حرام امور سے نیز لوگوں سے سوال کرنے سے رکنا) (3) زبان کا تنگ ہونا (یعنی بکم کلام کرنا، فضول سے بچنا) دل کا تنگ ہونا، کوتاہ نظر ہونا ایمان میں سے نہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جو آخرت میں اضافہ کرتے ہیں اور دنیا میں کمی کرتے ہیں اور یہ امور جتنا دنیا میں کمی کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یہ آخرت میں اضافہ کرتے ہیں اور تین چیزیں ایسی ہیں جو آخرت میں کمی کرتی ہیں اور دنیا میں اضافہ کرتی ہیں (1) فحاشی (2) لالچ (3) بے حیائی کی باتیں کرنا۔ اور یہ امور جتنا آخرت میں کمی کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یہ دنیا میں اضافہ کرتے ہیں۔ (جامع معمر بن راشد برقم:20147، 142/2)

حضرت شعیب بن ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: جو بے حیائی کی باتوں سے لذّت اُٹھائے گا، بروزِ قیامت اس کے منہ سے پیپ اور خون جاری ہوگا۔

(الجامع لابن وھب، باب العزلۃ، برقم:414، ص:538)

اپنی شہوت کی تسکین کے لیے بیہودہ، اور بے شرمی کی باتیں کرنے والے، فلموں، ڈراموں کے شائقین، فلمی گانے کے شوقین لوگ اس بات سے عبرت حاصل کریں!

حضرتِ ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فحاشی اور بے حیائی کی باتیں کرنے والا اور فحاشی اور بے حیائی کے کام کرنے والے کو بروزِ قیامت کتے کی شکل میں لایا جائے گا۔ (احیاء علوم الدین، 122/3)

مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: خیال رہے کہ تمام انسان قبروں سے بشکلِ انسانی اٹھیں گے پھر محشر میں پہنچ کر بعض کی صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔ (مراۃ المناجیح)

اللہ تعالی سے شرم کرو! بے شرم و بے حیا لوگ شائد معزز افراد کے سامنے بے حیائی کی باتیں کرنے سے شرماتے ہوں، لیکن! مقامِ افسوس ہے کہ یہ بے حیائی کی باتیں کرتے وَقت انہیں یہ احساس نہیں رہتا کہ ربُّ العٰلمین جو کہ اکرم الاکرمین ہے وہ سب کچھ سُن رہا ہے، اس حوالے سے حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ کی یہ نصیحت ملاحظہ فرمائیں: حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تم دیکھو کہ تم اپنے اعمال نامے میں کیا لکھوا رہے ہو؟ یہ نامۂ اعمال تمھارے رب کے سامنے پڑھا جائے گا۔ تو جو شخص بے حیائی کی باتیں کرتا ہے اُس پر افسوس ہے کہ اگر اپنے دوست کے نام کچھ لکھتا ہے تو اس میں برے الفاظ نہیں لکھتا لیکن تمھارا اپنے ربّ کے ساتھ کیسا برا مُعاملہ ہے۔ (تَنْبِیْہُ الْمُغْتَرّین)

اسی حوالے سے حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں! آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالی سے شرم و حیا کرنے کو لوگوں سے شرم و حیا کرنے پر ترجیح دو! (حلیۃ الاولیاء: 268/3)

آنکھوں کی حفاظت کرو! بحیثیتِ مسلمان ہمارے لیے آنکھوں کی حفاظت کرنا، حرام اشیا کی طرف نظر کرنے سے خود کو بچانا بہت ضروری ہے، آنکھوں کی شرم و حیا ہمارے لیے کس قدر زیادہ ضروری ہے، اس کا اندازہ نبی پاک ﷺ کے اس فرمان سے لگائیں آنکھیں (بھی) زنا کرتی ہیں۔

نیز ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمائیں کہ حرام کی طرف نظر کرنا، یہ صحابۂ کرام کے نزدیک کس قدر زیادہ برا اور ناپسندیدہ فعل تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مروں پھر زندہ ہوں، پھر مروں پھر زندہ ہوں، پھر مروں پھر زندہ ہوں تب بھی میرے نزدیک یہ اس سے بہتر ہے کہ میں کسی کی شرمگاہ کو دیکھوں یا کوئی میری شرمگاہ کو دیکھے۔ (تنبیہ الغافلین، باب الحیاء، ص:447)

فاسق کون؟ کسی دانشور سے سوال کیا گیا: فاسق کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواباً فرمایا: فاسق وہ ہے جو اپنی نظروں کو لوگوں کے دروازوں اور ان کے پردے کے مقام سے نہ روکتا ہو۔

(تنبیہ الغافلین، باب الحیاء، ص:447)

اللہ تعالی کی لعنت ہوتی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف دیکھا جائے۔ (تنبیہ الغافلین، باب الحیاء، ص:447)

ابلیس کا تیر: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: عورت کے مَحاسن اس کی حسن و جمال کے مقام کی طرف نظر کرنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جس نے نامحرم کی طرف دیکھنے سے اپنی آنکھ کو پھیر لیا اللہ تعالی اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔ (نوادر الاصول، 181/3)

شادیوں میں غیر اخلاقی رسمیں

اور ہماری ذمہ داریاں

محمد عارف رضا نعمانی مصباحی

اولاد اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ہر شخص اولاد کی خواہش رکھتا ہے۔جب اولاد اس دنیا میں آتی ہے تو والدین طرح طرح کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ان کی تعلیم و تربیت کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔پھر ان کی اچھی سے اچھی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں۔جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے تو والدین جہاں ان کے لیے دیگر امور کے لیے فکر مند ہوتے ہیں وہیں ان کی شادی کی بھی فکر کرنے لگتے ہیں۔اچھا رشتہ تلاش کرکے بچے بچیوں کو نکاح کے مقدس رشتے سے جوڑ دیتے ہیں۔

جب شادی کی بات آتی ہے تو لوگ طرح طرح کے رسم و رواج کو یاد کرنے لگتے ہیں چاہے وہ رسم غیر شرعی ہی کیوں نہ ہو۔میں یہاں خاص طور پر ایک رسم (بارات) پر گفتگو کروں گا۔جب دولہا نکاح کے لیے لڑکی کے گھر آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے کچھ قریبی دوست اور عزیز رشتے دار بھی ہوتے ہیں۔نوشہ کے ہمراہی کو باراتی کہتے ہیں۔باراتیوں کی ضیافت لڑکی والے کرتے ہیں۔کبھی تو وہ بخوشی ضیافت کرتے ہیں تو کبھی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے اور اس کا گھر بس جانے کی خاطر کرتے ہیں۔جب کہ شریعت میں ولیمہ لڑکے کے اوپر ہے۔لڑکی والوں پر کچھ نہیں ہے۔یہ تو ان کی کشادہ ظرفی ہے کہ رشتے ناطے اور دوست احباب کی دعوت کرکے سب کو اپنی خوشیوں میں شریک کرتے ہیں۔حالاں کہ ان کے یہاں بیٹی کی رخصتی کا غم ہوتا ہے کہ وہ لاڈ پیار سے پال پوس کر، زیور تعلیم و ادب سے آراستہ کرکے لڑکے کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ولیمہ لڑکے کے اوپر ہے۔جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات فرمائی اور بے سرو سامان مہاجرین کو انصار کا بھائی قرار دیا تو ان کو جہاں مال و اسباب اور مکانات کی ضرورت تھی وہیں زندگی گزارنے اور افزائش نسل کے لیے شادیوں کی بھی ضرورت تھی۔تو مدینہ طیبہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاتون سے نکاح کیا، پھر سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں تشریف لائے، آپ پر پیلے پن (شاید ہلدی یا زعفرانی رنگ) کا اثر تھا تو سرکار نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب دیا یارسول اللہ ﷺ میں نے سونے کے نواۃ (پانچ درہم کے برابر) کے وزن (مہر) پر ایک خاتون سے نکاح کرلیا ہے۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بَارَكَ اللهُ لَكَ" اللہ تمہیں برکت سے نوازے اور فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن أنس بن مالک رضی اللہُ تعالیٰ عنه: ان النبی صلی اللہُ تعالیٰ علیه و آله وسلم رأی علی عبدِ الرَّحمنِ بنِ عوفٍ أثرَ صفرةٍ، فقالَ: ما هذا؟ أو مَه، فقالَ: یا رسولَ اللهِ، إِنِّي تَزَوَّجتُ امرأةً عَلی وَزنِ نَواةٍ من ذَهبٍ، فقالَ: بارَكَ اللهُ لَك، أوْلِمْ وَلَو بشاةٍ.(أخرجه البخاری(٢٠٤٩)، ومسلم (١٤٢٧)، وأبو داود (٢١٠٩)، والترمذی (١٠٩٤)، والنسائی(٣٣٥١)، وابن ماجه(١٩٠٧) واللفظ له، وأحمد (١٢٧٠٨).

اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری سے ہو۔کیوں کہ آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے اور مال و اسباب کی فراوانی نہیں تھی، اس کا خیال کرتے ہوئے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنی استطاعت ہو اتنا ہی ولیمہ کرو۔کیوں کہ عرب میں بکریاں خوب ہوا کرتی تھیں اور ہر کسی کے پاس آسانی سے دستیاب ہوتی تھیں، جب کہ اونٹ مہنگا تھا، اس لیے فرمایا کہ ایک بکری ہی میسر ہو تو اسی سے ولیمہ کرو۔

اس حدیث پاک میں لڑکے کی طرف سے ولیمہ کرنے کا ثبوت

arifnomani2016@gmail.com

ملتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ولیمہ کرو۔ ایک بات یہ بھی پتا چلی کہ جب نکاح کرنے والوں کو مبارک باد پیش کی جائے تو اس لفظ "بارَکَ اللّٰہُ لَکَ" سے پیش کی جائے کیوں نبی کریم ﷺ نے اس لفظ کو اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا۔

اب یہاں ایک خاص بات بارات کے حوالے سے یہ پیش کرنی ہے کہ جب نکاح کے لیے دن تاریخ طے کی جاتی ہے تو یہ بات بھی کر لی جاتی ہے کہ آپ کتنی تعداد میں آئیں گے تاکہ ہم آپ کی اچھی طرح خاطر تواضع کر سکیں۔ جب آپ کہیں مہمان بن کر جاتے ہیں تو میزبان آنے والوں کی تعداد بھی پوچھ لیتا ہے تاکہ وقت پر پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، ایک دو افراد کم بیش ہو جاتے ہیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی لیے دولہے کے ساتھ آنے والوں کی بھی تعداد پوچھ لی جاتی ہے تاکہ عین وقت پر کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

ایسے حالات میں تو ہونا یہ چاہیے کہ لڑکی والے سے ہی پوچھا جائے کہ کتنے لوگ ہم لے کر آئیں؟ اور لڑکی والوں کی رضامندی سے لوگ آئیں تاکہ دونوں لوگ خیر سے نپٹ جائیں کسی کو کوئی پریشانی بھی نہ ہو اور نکاح کے ذریعے مبارک رشتہ جڑ جائے۔ اب جو غور کرنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر جب باراتیوں کے انتظام کی بات چل رہی ہو تو لڑکے والوں کا یہ مطالبہ کہ ہم پانچ سو، چار سو یا تین سو باراتی لائیں گے۔ اگر غیر مسلم سے روابط ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں آدھے ہندو باراتی بھی ہوں گے مثلاً ایک سو، دو سو۔ ان کا بھی الگ سے انتظام کرنا پڑے گا۔ ہمارے تعلقات ہندوؤں سے بھی ہیں۔ ہم ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لہٰذا آپ ان کا بھی انتظام کیجیے گا۔ اور یہ سارا بوجھ لڑکی والے پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ شرعاً کہاں تک درست ہے؟ شریعت اس کی کہاں تک اجازت دیتی ہے؟ یعنی شریعت اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتی، کہ یہ بلاوجہ کسی پر بوجھ ڈالنا ہوا۔ جو عقلاً اور شرعاً کسی طرح درست نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کے لوگوں سے تعلقات ہیں، آپ کے ملاقاتی غیر مسلم ہیں تو ان کو اپنے گھر بلا کر خوب کھلائیے، خوب ان کی دعوتیں کیجیے۔ طرح طرح کے پکوان کھلائیے۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے تعلقات کا سارا بوجھ لڑکی والوں پر ڈال دیا جائے۔ اس غیر اسلامی اور غیر اخلاقی کام میں بے شمار لوگ ملوث ہیں ان کو اپنی روش بدلنی اور اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔

بنارس کا ایک واقعہ ہے تقریباً ڈیڑھ سو باراتیوں کی بات طے پائی اور بارات رات میں آنے والی تھی، جب آئی تو باراتی دوگنا یعنی تین سو آ گئے، اب جو رات میں فوری طور پر انتظامات کرنے میں پریشانی ہوئی وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس کا احساس اسی کو ہوگا جس پر یہ مصیبت آئی ہو۔ لڑکی والے اپنی عزت اور بیٹی کی خاطر سب جھیل جاتے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو ایسا کرنے سے سخت پرہیز کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا دھوکا اور ایک مسلمان کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانا ہے۔ اس سے باز آنا ضرور چاہیے۔

ایسا ہی ایک واقعہ جھارکھنڈ دیوگھر کے اسہنا گاؤں کا ہے۔ سردیوں کی رات تھی۔ دیہات کا جنگلی علاقہ تھا اور پرسے رات کی شادی یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ تقریباً آٹھ سو باراتی لے آئے۔ گاؤں کی شادی تھی تو بارات میں پورا گاؤں ہی امنڈ پڑا تھا۔ رات 10 بجے نکاح ہونا تھا جو 2 بجے رات کو ہوا۔ کیوں کہ فوری طور پر انتظامات کرنا وہ بھی دیہات کے علاقے میں۔ نہ جانے کیسے کیا ہوگا؟ ایسے ایسے واقعات بہت پیش آتے ہیں۔ لڑکے والوں کو کم از کم یہ تو سوچنا چاہیے کہ ان کے پاس بھی بیٹیاں ہیں یا ان کے قریبی رشتے میں تو ضرور ہوں گی۔ کل ان کے ساتھ ایسا ہو تو کیسا لگے گا؟

اسی ضمن میں ایک واقعہ اور پیش ہے۔ ایک زمین دار صاحب کی بیٹی کی شادی تھی، یہاں معاملہ الٹا تھا۔ دو سو باراتیوں کا مطالبہ تھا۔ تو لڑکے والوں نے کہا کہ ٹھیک ہم اس سے زیادہ ہی لائیں گے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں فلاں فلاں مدرسے کے بچوں کو بارات میں لے آؤں گا تو لڑکی والے کہتے ہیں کہ ان کو نہیں بلکہ رشتے داروں کو لے آئیں تو ان کو پتے کا جواب ملا۔ کہتے ہیں کہ یہ سب بھی ہمارے دینی رشتے دار ہیں بالآخر 85-80 لوگ بارات میں پہنچے اور کل 8 لوگ کھانا کھا پائے، بقیہ لوگ ناشتہ کر کے واپس آ گئے کیوں کہ کھانا گھٹ گیا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں جیسی نیت ویسی برکت۔ کیوں کہ ان کو دینی مدارس کے طلبہ بارات میں پسند نہیں آئے، ان کو ہائی فائی انگریز نما لباس پہنے ہوئے لوگ بارات میں چاہئیں، تاکہ چاروں طرف خوب ان کی سخاوت کے قصیدے پڑھے جائیں۔ ان کی خاطر تواضع کی تعریف کے پل باندھے جائیں۔ اس لیے ہمیں شادی بیاہ میں خصوصاً اور عام زندگیوں میں عموماً اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ درمیانی راہ اختیار کرنے میں ہی دونوں جہان کی بھلائی ہے۔

بعض ایسی گھٹیا حرکت پر اُتر آتے ہیں کہ باراتیوں کے کھانے

میں طرح طرح کے پکوان کی فرمائش کرتے ہیں۔ یہ فرائی، وہ فرائی، یہ ٹھنڈا، یہ میٹھا، اور اس طرح کا بہترین چاول ہونا چاہیے۔ یہ نہایت درجے کی گری ہوئی حرکت ہے۔ مہمان کو میزبان پر اپنی پسند کا بوجھ ڈالنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ جو ملے کھالینا چاہیے۔ غیرت مند اور نبی آخر الزماں ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے سے اس کی توقع نہیں کی جاتی۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا۔ اگر خواہش ہوتی تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حدیث پاک ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ما عابَ النبيُّ ﷺ طَعامًا قطُّ، إنِ اشْتَهاهُ أكَلَهُ وإلّا تَرَكَهُ. (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3563)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھانے کو کبھی بھی عیب نہیں لگایا، اگر خواہش ہوتی (یعنی اچھا لگتا) تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پاک سے ہمیں بہت بڑا درس دیا ہے۔ اگر اس پر عمل کرلیں تو گھریلو جھگڑوں کا خاتمہ ہی ہو جائے کیوں کہ زیادہ تر میاں بیوی میں ناراضگی نمک کم ہونے، دال، سالن پتلا ہونے سے ہی ہوتی ہے، ہمیں ایسے حالات میں اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے اور سرکار دوعالم ﷺ کی اس حدیث پاک کو یاد رکھنا چاہیے اس سے آپ کے گھر میں خوشیاں آئیں گی۔

یہاں گفتگو چل رہی تھی شادیوں میں کھانے اور باراتیوں کے لیے فرمائش کرنے کی۔ تو سن لیجیے ہمیں فرمائش کرنے سے بالکل بچنا چاہیے۔ میزبان کی طرف سے جو بھی آئے خوشی خوشی تناول کرلے۔ اگر کسی نے فرمائش کی اور میزبان نہ پوری کرسکا یا اس معیار کا انتظام نہ کرسکا تو اس کی دل شکنی ہوگی، اس کا دل دکھے گا۔ اسلام میں کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

شادیوں کے کھانے میں ایک بات یہ بھی پیش آتی ہے کہ لڑکی والے باراتیوں کا تو اچھا سے اچھا انتظام کرتے ہیں چاہے فرمائش ہو یا نہ ہو۔ اور رشتے داروں، گھراتیوں اور محلے کے ان لوگوں کو (جو شادی کے دو دن پہلے سے دو دن بعد تک کام کرتے ہیں اور شادی کے سارے انتظامات سنبھالتے ہیں) تو ان کو وہی عام کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم باراتیوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یقیناً وہ اہمیت کے حق دار ہیں کیوں کہ وہ مہمان ہیں۔ لیکن آپ عام لوگوں کو بھی وہی کھلائیں جو باراتیوں کو کھلاتے ہیں۔ سب کو اچھا اور ایک جیسا کھلائیں۔ باراتیوں کا الگ سے انتظام کرنے میں دوسروں سے کہیں نہ کہیں امتیازانہ سلوک ضرور برتا جاتا ہے جو اچھا نہیں۔ یوں ہی ولیمے میں امرا کو تو بلایا جاتا ہے لیکن فقرا کو چھوڑ دیا جاتا ہے جو ایک مذموم عمل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ "شَرُّ الطَّعامِ طَعامُ الوَلِيمَةِ، يُدْعى لَها الأغْنِياءُ ويُتْرَكُ الفُقَراءُ، ومَن تَرَكَ الدَّعْوَةَ فقَدْ عَصى اللَّهَ ورَسوله ﷺ". (صحیح البخاری، حدیث نمبر: 5177)، (صحیح مسلم (حدیث نمبر: 1432)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "سب سے برا کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقیروں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو دعوت کو ترک کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ (نافرمانی اس لیے ہوئی کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کی جائے۔ یہاں اس پر عمل نہیں ہوا۔)

شادیوں میں دعوت کی بابت ایک بات یہ بھی عرض کرنی ہے کہ دعوت دینے میں ہمیں پاس پڑوس کے غریب لوگوں کا بھی ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ کیوں کہ محلے میں بہت سارے گھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے یہاں کئی کئی ہفتوں بعد گوشت بنتا ہے۔ تو چند بوٹیاں مل پاتی ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کا ضرور خیال کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ان کو کھلانے کے بعد جو خوشیاں انھیں حاصل ہوتی ہیں وہ ہماری زندگی بھر کی خوشیوں کی ضامن ہوتی ہے۔ ان کی دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں۔ ان کو کھلانے کا ثواب بھی زیادہ ہے۔

مذکورہ حدیث پاک سے ہمیں یہ بھی پتا چلا کہ وہ کھانا برا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس میں یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی دعوت دے تو اس کو قبول کیا جائے کیوں کہ دعوت قبول کرنا ایک مسلمان کا حق ہے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکتا ہے تو پہلے ہی معذرت کرلے۔ دعوت کا انکار نہ کرے۔ اسے ٹھکرائے نہیں۔ کیوں کہ دعوت کا انکار کرنا یا قبول نہ کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا سبب ہے۔ اس لیے ہمیں اس حدیث پاک کو یاد رکھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا بھی چاہیے۔ کیوں کہ بہت سے لوگ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنا پر غلطی کر جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں عملِ خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیه افضل الصلوٰۃ و التسلیم.

قربانیاں

محمد شہادت حسین فیضی

بے شک قربانیوں سے ہی انسان بڑا ہوتا ہے۔ بڑا ہونے کے لیے حسب ونسب دوسرے درجے میں آتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے دین کی بقا اور اس کی ترویج کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دی ہیں۔ جان، مال، اولاد، حتی کہ ضرورت پڑی تو اقتدار و حکومت کی بھی قربانیاں پیش کی ہیں۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ بعض دنیادار حکمرانوں نے اپنی حکومت و امارت کو بچانے یا قائم کرنے کے لیے اپنے خویش اقربا، بھائی، بہن، حتی کہ والدین تک کو تہ تیغ کرنے میں دریغ نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسی دنیا میں ہمارے اسلاف کی وہ سنہری تاریخ بھی ہے کہ انھوں نے دین و ملت کی تحفظ و بقا کے لیے جان، مال اور اولاد کے ساتھ حکومت و اقتدار کی بھی قربانیاں پیش کی ہیں۔ چند مثالیں تاریخ کے حوالے سے پیش ہیں:

(1)**سریہ ذات السلاسل**۔ جنگ موتہ جمادی الاول 8ھ (ستمبر 629ء) میں جنوب مغربی اردن میں موتہ کے مقام پر ہوئی جو دریائے اردن اور اردن کے شہر کرک کے درمیان میں ہے۔ یہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اس جنگ میں مسلمان لشکر کی تعداد صرف تین ہزار سے کچھ زیادہ تھی جبکہ رومی لشکر کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی جس میں شام کے علاقے کے عرب قبائل بھی شامل تھے۔ جنگ موتہ میں فتح کے بعد آقا کریم ﷺ نے اپنی حکمت بالغہ سے فوری طور پر ایک لشکر تشکیل دی، جس کے سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا، کیونکہ ان کی دادی ام العاص بنت وائل اسی علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو قضاعہ کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ بہر حال آقا کریم ﷺ اس علاقے کے عرب قبائل تک اسلام کی حقانیت کو پہنچانا چاہتے تھے، تاکہ مستقبل میں عرب قبائل رومی لشکر میں شامل نہ ہوں۔

مہاجرین و انصار میں سے تین سو اکابر صحابۂ کرام پر مشتمل یہ لشکر تھا، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ آقا کریم ﷺ نے سفید جھنڈا حضرت عمرو بن عاص کے ہاتھوں میں دے کر رخصت کیا۔ جب یہ لشکر (ذات السلاسل) کے مقام میں دشمن کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کی جمعیت بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ سالار لشکر حضرت عمرو بن عاص نے حضرت رافع بن مکیث جہنی کو مدینہ بھیج کر مزید کمک طلب کی۔ آقا کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو امیر لشکر بنا کر دو سو فوجیوں پر مشتمل امدادی لشکر (کمک) روانہ کیا۔ جب یہ لشکر وہاں پہنچا تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ایک مشہور جہاں دیدہ امیر لشکر تھے اس لیے انھوں نے امامت کرنی چاہی۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ امیر لشکر میں ہوں اور آپ میری مدد کے لیے آئے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی امیر لشکر ہوں اور مجھے حق امامت ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عاص نہیں مانے۔ اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ میں امیر لشکر ہوں اس لیے امامت میں ہی کروں گا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دین و ملت کی کامیابی کے لیے یہ فرمایا کہ اگر آپ مجھے امیر تسلیم نہیں کرتے تو میں آپ کو امیر تسلیم کرتا ہوں اور میں ان شاءاللہ! آپ کا فرماں بردار رہ کر آپ کی مدد کروں گا۔ انھوں نے ایسا کیا بھی کہ اپنی ذاتی فہم و فراست سے امیر لشکر کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔ یہ ہمارے اسلاف کی قربانی دینے کی عادت کریمہ تھی جس نے انہیں عظیم سے عظیم تر بنا دیا۔ اس جنگ میں ایک اور بات ہوئی جو ہمارے لیے عمدہ درس ہے۔ اس رات بہت سخت سردی تھی۔ سردی سے لوگوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور دیگر صحابۂ کرام نے آگ جلانی چاہی۔ لیکن امیر لشکر نے آگ جلانے سے منع فرما دیا۔ اس پہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کافی برہم ہوئے اور امیر لشکر سے بات کرنی چاہی۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "إن رسول الله ﷺ **لم يبعثه علينا إلا لعلمه بالحرب فسكت عنه**" آقا کریم ﷺ نے انہیں اس لیے ہم پر امیر بنایا ہے کہ وہ اس علاقہ کے جنگی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

امیر کی اطاعت واجب ہے اور ہمارے اسلاف نے اس میں کبھی بھی اپنی ذاتی فکر و فہم یا فائدہ کو ترجیح نہیں دی۔ یہ بھی ان کی کامیابی کا ایک راز تھا۔ صحابۂ کرام کی متحدہ حکومت نے جنگ میں فتح حاصل کی اور ہمیشہ کے لیے اس علاقے کو رومیوں کی تسلط سے آزاد کرا لیا، اور اس علاقے کے لوگ مسلمانوں سے قریب ہو گئے، اور رفتہ رفتہ ایمان سے بھی مشرف ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تاریخ طبری۔ ضیاء النبی۔ طبقات ابن سعد)

(2)**حضرت خالد بن ولید** رضی اللہ عنہ جو حضرت ام المومنین

میمونہ رضی اللہ تعالیٰ کے بھتیجے تھے، جنہیں رسول کونین ﷺ نے سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔ وہ بہادر بھی تھے اور اللہ تعالی نے انہیں غیر معمولی فوجی معرکہ آرائی کی قابلیت بھی دی تھی۔ زمانہ رسول رحمت سے لے کر خلافت صدیق اکبر تک تسلسل کے ساتھ ان کی فوجی قیادت میں مسلمانوں کو جو کامیابیاں مل رہی تھیں وہ قابل ستائش ہیں۔ فتح دمشق رجب 14 ہجری مطابق 635ء کے بعد معرکہ یرموک سر کرنے کے لیے متفقہ طور پر حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار اعلی تسلیم کیا گیا۔ انھوں نے از سر نو فوجوں کی درجہ بندی کی اور انہیں چھتیس (36) دستوں میں تقسیم کیا، اور منظم طریقے سے رومیوں سے مقابلہ کیا، جس میں تقریبًا ایک لاکھ رومی فوجی مارے گئے اور مسلمانوں کو کامیابی ملی۔ عین اسی وقت خلیفۂ ثانی حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو سالار لشکر بنا دیا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے مشورہ کر کے امیر المومنین کے حکم کے مطابق خود کو معزول کر لیا۔ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو کمان سونپ دی۔ اس پیچ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد حضرت خالد کے خیمے میں جمع ہو کر معزول نہ ہونے کی گزارش بھی کی، لیکن حضرت خالد بن ولید نے خوبصورتی کے ساتھ سب کو رخصت کر دیا اور فرمایا کہ میں حضرت عمر کے لیے جہاد نہیں کرتا ہوں بلکہ اللہ تعالی کے لیے جہاد کرتا ہوں۔ پہلے میں سالار لشکر کی حیثیت سے جہاد کرتا تھا اب ایک ماتحت فوجی کی حیثیت سے جہاد کروں گا۔ یہ وہ کردار، للّٰہیت، اخلاص اور خود شناسی تھی جس نے ہمارے اسلاف کو اتنا اونچا بنا دیا تھا کہ جہاں ان کے لیے اقتدار چھوڑنا، عہدہ چھوڑنا، جان و مال کی قربانی دینا، بہت چھوٹی چیز اور بہت حقیر سا معاملہ تھا۔

یہ کام اللہ والوں کے لیے بالکل آسان ہے جبکہ دنیاداروں کے لیے نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔ آج ہم مسلمانوں کے لیے دنیا دار نیتاؤں کی کمی نہیں ہے۔ ان کا لباس اور وضع قطع اسلامی ہی کیوں نہ ہو، لیکن ہمارے لیے ان کی ذات سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم سب مل کر ایسے لوگوں کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالی ہم مسلمانوں کو کوئی بہتر قائد عطا فرمائے۔ آمین۔ (تاریخ طبری، تاریخ خلفاء راشدین، طبقات ابن سعد)

20 رمضان 40 ہجری کو حضرت علی کی شہادت کے بعد امام حسن بن علی بن ابی طالب (624ء–670ء) امیر المومنین منتخب ہوئے۔ آپ نے خلافت کی بیعت کے ساتھ لوگوں سے یہ بھی اقرار لیا کہ میں جس سے جنگ کروں گا تم بھی اس سے جنگ کرو گے اور میں جس سے صلح کروں گا تم بھی اس سے صلح کرو گے۔ یہ بیعت اس حال میں ہوئی کہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ مکمل طور پر اسلامی سلطنت دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ اور یہ تقسیم بر بنائے خاندانی عصبیت بنو ہاشم اور بنو امیہ کی وجہ سے تھی۔ جہاں ایک بڑے حصے کے امیر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ایک چھوٹے حصے کے امیر حضرت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وقت امام حسن کے پاس چالیس ہزار لشکر تھی جو آمادہ جنگ تھی اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہ کے پاس ساٹھ ہزار کی فوج تھی جو ہر طرح کے سامان حرب وضرب سے لیس تھی۔ حضرت امیر معاویہ دارالسلطنت دمشق سے 60 ہزار کی فوج کے ساتھ کوفہ کی جانب نکلے۔ تو امیر المؤمنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی 40 ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے باہر نکلے۔ دونوں طرف کی لشکر مدائن کے قریب تھوڑے فاصلے پر ربیع الاول 41 ہجری کو خیمہ زن ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ نے صلح کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی ایک سادہ کاغذ پر دستخط اور مہر کے ساتھ اپنے قاصد کو روانہ کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت امام حسن صلح کے لیے جو چاہیں اس سادہ کاغذ پر شرط لکھ دیں مجھے منظور ہو گا۔

اس کے جواب میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے غور و فکر کے بعد حضرت امیر معاویہ کے صلح کی پیشکش کو قبول فرما لیا اور خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دی۔ اور فراخ دلی سے فرمایا کہ: اگر خلافت کے حق دار امیر معاویہ تھے تو وہ حق ان تک پہنچ گیا۔ اور اگر میں اس کا حق دار تھا تو میں آج ان کو بخش دیتا ہوں۔

حضرت امام حسن کی اس قربانی کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کا اختلاف باہمی اجتماعیت میں بدل گیا۔ اور آئندہ بیس سال تک اسلام کی خوب ترقی ہوئی۔

تاریخ اسلام کا یہ انوکھا واقعہ ہے کہ امت میں اتحاد و اتفاق اور فلاح و بہبود کے لیے حضرت امام حسن نے حکومت و اقتدار کی قربانی پیش کر کے ہمارے لیے ایک نمونہ اور سنت چھوڑی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ دین و ملت کی بقا و ترویج کے لیے اپنی جان، مال کے ساتھ اقتدار کی بھی قربانی پیش کریں۔ حضرت امام حسن کی اس قربانی کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت (24 ذی الحجہ 35ھ تا 20 رمضان 40ھ) تقریبًا پانچ سال میں اسلام کی کوئی ترقی نہیں ہوئی بلکہ کم و بیش ایک لاکھ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور حالات اتنے خراب ہوئے کہ حضرت علی کی تدفین رات میں کی گئی اور قبر انور کو پوشیدہ رکھا گیا کہ بے حرمتی کا خدشہ تھا۔ ایسے حالات میں حضرت امام حسن کی قربانی سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے لائق ہے، کہ ان کی ایک قربانی نے امت کے حالات میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا اور خوف و بدامنی یکسر امن و سکون میں بدل گیا۔ اور ہر چہار جانب اتحاد و اتفاق کی خوبصورت فضاؤں میں ہر دن اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہونے لگی۔ ماضی کی طرح روشن مستقبل کے لیے اسلاف کی سنتوں کو پھر سے زندہ کرنا ہو گا۔ اتحاد سے ہی کامیابی ملتی ہے اور اتحاد قائم کرنے کے لیے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔ ☆☆☆

امکانات

اکیسویں صدی میں

یورپ و امریکہ میں اشاعتِ اسلام کے امکانات

مفتی محمد رضا

مغرب کے عظیم مفکر ڈرامہ نویس جارج برناڈ شاہ (1950ء-1856ء) نے کہا تھا اگر کوئی مذہب ہے جو اگلے سو سال میں انگلستان پر حکومت کرے، نہیں بلکہ سارے یورپ پر حکومت کرے تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ میں نے محمد کے مذہب کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز طاقت ہے۔ یہ وہ واحد مذہب ہے جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے اندر بدلتی ہوئی دنیا کو جذب کرنے کی صلاحیت ہے، جس کے اندر ہر دور کے لیے اپیل ہے۔

مغربی مفکر نے اسلام کے حوالے سے جو بات آج سے نصف صدی پیشتر کہی تھی اس کا عملی ظہور اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہو چکا ہے۔ 1106ء سے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک مکمل دو سو سال یورپ نے اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کی جس میں انھیں شکست فاش ہوئی اور انھیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ عسکری میدان میں ہم مسلمانوں کو مات نہیں دے سکتے کیونکہ علم، سائنس و ٹکنالوجی میں وہ ہم سے بدر جہا بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس پرانے قسم کی جنگی اسلحے ہیں اور مسلمانوں کے پاس جدید جنگی ہتھیار ہیں۔ اس احساس کے تحت انھوں نے میدان جنگ بدلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ یورپ مسلمانوں کے علم و ہنر اور سائنس و ٹکنالوجی کو سیکھ کر مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے اسلامی علوم کے اعلی مراکز غَرناطہ، اشبیلہ، طُلیطلہ اور سسلی (صقلیہ) وغیرہ کا رخ کیا اور وہاں بڑی محنت سے مسلمانوں کے علوم مثلاً عربی، ریاضی، طب، فلکیات، نجوم، فلسفہ اور سائنس و ٹکنالوجی کی اعلی تعلیم حاصل کی۔ یہی وہ فیصلہ تھا جو سولہویں صدی کے اس عظیم واقعہ کا سبب بنا جس کو دنیا یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے نام سے جانتی ہے۔

مسلمانوں کے علوم سیکھ کر بالآخر یورپ نے اتنی ترقی کر لی کہ چار سو سال کی جد و جہد کے بعد انڈیسٹریل عہد میں اپنے کو داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب چار سو سال کے بعد یہی صورت حال برعکس شکل میں مسلمانوں کے سامنے تھی انھوں نے دیکھا کہ مغرب علوم و فنون اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھ چکا ہے تو ان کے اندر مغربی علوم، ان کی تہذیب و زبان حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا لیکن مسلمانوں کے حق میں وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا جو یورپ کے حق میں ہوا تھا۔ ایک ہی نوع کے دو واقعوں میں انجام کا یہ فرق کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نتیجہ کا یہ فرق دونوں کی ذہنیت میں فرق کے سبب ہے۔ مغرب نے ہمارے علوم اس جذبہ کے تحت سیکھے کہ وہ ہمیں ان میدانوں میں شکست دے سکیں اور ہم آج ان کے علوم اس لیے سیکھ رہے کہ ہم ان کی نظر میں معزز بن جائیں اور مغرب کی نقالی کرنے لگیں، جہاں ذہنیت میں یہ فرق پایا جائے وہاں نتیجہ میں فرق پایا جانا لازمی امر ہے۔

اب اگر مسلمان اس میدان میں منظم کوشش کرتا بھی ہے اور سو سال کی محنت کے بعد اگر گرانڈسٹریل دور میں داخل ہونے میں کامیاب بھی ہو گیا تو مغرب نہ جانے کس سپر انڈسٹریل دور سے گذر رہا ہوگا لہذا سائنسی وصنعتی راہ سے یورپ کو فتح کرنا مسلمانوں کے لیے بے حد مشکل امر ہے لہذا ہمیں بھی میدان جنگ تبدیل کرتے ہوئے اب کوئی دوسری راہ تلاش کر لینی چاہیے۔

یورپ و امریکہ کی تسخیر کی راہ:

مسلمان اپنے داخلی و خارجی انتشار اور مسائل کے سبب گذشتہ کئی صدیوں سے اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ مادی و علمی اعتبار سے ترقی یافتہ قوموں کو شکست دے سکیں۔ اب ان کے لیے فتح یابی کا صرف ایک باب کھلا رہ گیا ہے اور وہ دعوت کا راستہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمی و سائنسی میدان میں وہ پیش رفت نہ کریں بلکہ اس میدان میں مؤثر پیش قدمی کرتے ہوئے ہم دعوت کا راستہ اختیار کریں۔ ہم ان قوموں کو اپنا مدعو سمجھیں اور ان کے اندر دعوتی کوششیں تیز کر دیں۔ قوم مسلم مادی و سائنسی اعتبار سے اگرچہ کمزور ہے لیکن نظریاتی قوت کے اعتبار سے ابھی بھی دنیا کی سب سے طاقتور قوم ہے۔ تاریخ اسلام میں بار بار ایسا ہوا ہے کہ فاتح قوموں نے مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ان کے تمام تمدنی نشانات مٹا ڈالے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اس نے مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کر لیا۔ یہ وہ قومیں ہیں جنھوں نے اپنی

وحشیانہ کارروائی سے پورے وسطی ایشیا کو تہ وبالا کردیا تھا جہاں بھی اسلامی تمدن اور تاریخ کے نشانات تھے سب مٹادیے۔ جب مسلمان قید ہو کر ان کے یہاں پہنچے اور انھیں قریب سے مسلمانوں کی زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا تب انھیں اسلام کی حقیقت سمجھ میں آئی اور کلمہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور 600 سو سال تک مسیحی طاقتوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی آہنی دیوار بنے رہے۔ اکیسویں صدی میں مسلمان ایک بار پھر دور مغلوبی سے گذر رہے ہیں ان کے تاریخی وتہذیبی نشانات کو مٹایا جارہا ہے۔ یورپ وامریکہ کے وحشی تاتاری ایک بار پھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادینا چاہتے ہیں، لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے لیے جو انجام مقدر کردیا ہے وہ یہ کہ یورپ وامریکہ کے یہ وحشی تاتاری ایک بار پھر مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کرلیں۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے:

یہ قانون فطرت ہے کہ جب کسی سے انتقام لینے کے بعد انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے اپنے کیے ہوئے پر نادم ہوتا ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں ہر بلندی کے لیے پستی اور ہر کمال کے لیے زوال مقدر ہے سوائے ان نفوس قدسیہ کے جن کو اللہ نے ہمیشہ کے لیے بلند کیا۔

تاتاری ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں منگولیا (سائبریا) سے ظاہر ہوئی فطری طور پہ بڑی بہادر اور جنگ جو قوم تھی بدوی قبائل پر مشتمل یہ جنگجو قوم جس متمدن خطے سے گذر جاتی اسے ویران کر چھوڑتی میدان جنگ میں جب پیاس لگتی تو گھوڑے کی پشت پر خنجر مار کر خون چوس کر پیاس بجھالیتی، اس نے شاہ خوارزم کی ایک غلطی پر خوارزم سمیت عراق، سمرقند وبخاری، ماوراء النھر سے لے کر مشرقی ہند تک کے سرحدی علاقوں کو تاخت وتاراج کردیا۔ 20 لاکھ سے زائد مسلمان صرف عراق میں قتل کیے گئے۔ ان کے سروں سے مینار یں تعمیر کی گئیں۔ جب ان کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو انھیں ہوش آیا، ہلاکو خان کا پوتا برکے خان اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوا اور اپنی پوری قوم کے ساتھ مشرف باسلام ہو گیا۔ یہی صورت حال جزوی طور پر اکیسویں صدی میں سوئٹزر لینڈ کی سوئس پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے معروف سیاست داں "ڈینیل اسٹیچ" پر صادق آتی ہے۔ اس نے سوئٹزر لینڈ میں مسجدوں کے میناروں پر پابندی لگانے کی آواز بلند کی تھی، پورے ملک میں مسلم مخالف شدت پسندی کے جزبات ابھارنے میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

مشہور عربی انگلش چینل الجزیرہ کی طرف سے فروری 2010ء میں پیش کردہ رپورٹ کے مطابق اس کا ایمان بیدار ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔ بلا آمیز قرآن کریم کا تجزیاتی مطالعہ اس کے قبول اسلام کا سبب بن گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ قرآن کریم کا مطالعہ اس نیت سے کرے گا کہ میناروں کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی حمایت میں وہ قرآن سے دلائل حاصل کرے گا اور قرآنی تعلیم کی روشنی میں اپنے اسلام مخالف موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں سے مباحثہ کرے گا۔ جب اس نے اس مقصد کے لیے نور ہدایت کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اپنی نیت کے برعکس وہ قرآنی آیات کا قائل ہوتا چلا گیا اور اسلام کی روح میں اترتا چلا گیا الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اسلام قبول کرنے کے بعد اس عیسائی سیاست داں نے کہا: اسلام نے مجھے زندگی کے کئی اہم معاملات میں مثبت جواب دیا ہے، ان سوالات کے تشفی بخش جوابات میں نے عیسائیت میں نہیں حاصل کیے۔ سابق ڈینئل اسٹیچ اس وقت ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور پنج وقتہ نمازی ہے آج وہ خود میناروں پر پابندی کی شدت سے مخالفت کررہا ہے اور یورپ کی سب سے خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے جو کہ سوئٹزر لینڈ کی پانچویں مسجد ہوگی۔

(ماخوذ از ماہنامہ گلستان رضا کلکتہ ج:1، شمارہ:4/ اکتوبر 2010ء)

اسلام دشمن فلم ساز کا قبول اسلام:

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف "فتنہ" نامی فلم بنا کر پوری دنیا میں شہرت حاصل کرنے والے ہالینڈ کے فلم ساز اور ممبر پارلیمنٹ ارناوڈ وین ڈرون (Arnoud van Droon) ان دنوں قبول اسلام کے سبب موضوع بحث بنے ہوئے ہیں ان کی بنائی ہوئی فلم "فتنہ" کے سبب ساری دنیا میں اسلام کے خلاف فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پوری دنیا کے اندر مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تھا مگر آج اسلام نے اس کے دل کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا ہے اور کفر وشرک کی ظلمت کو مٹادیا ہے آج وہ امت مسلمہ کا حصہ بن چکے ہیں۔

ڈرون کا شمار اسلام کے سخت مخالفین میں ہوتا تھا، ان کا تعلق ہالینڈ کی اسلام دشمن سیاسی جماعت فریڈم پارٹی سے تھا یہ پارٹی عموماً ہالینڈ میں مسجدوں کی تعمیر اور اسلامی شعائر کی مخالفت کرتی ہے اس پارٹی کے کچھ ممبران نے مل کر ڈرون کے ساتھ فلم فتنہ تیار کی تھی مگر ان کے قبول اسلام نے سب کو حیرت میں ڈال دیا جب انھوں نے اپنے اسلام قبول کرلینے سے متعلق ٹوئٹر پر لکھا تو لوگوں نے اسے مذاق سمجھتے ہوئے مزاحیہ

تبصرے کیے لیکن رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی گئی۔

ڈرون نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا کہا کہ: میں اسلام کے تعلق سے غلط فہمی کا شکار تھا۔ میں اسلام کی تعلیمات کو مغربی پروپیگنڈہ کی نظر سے دیکھتا تھا، لہذا مجھے اسلام سے نفرت تھی اور اس لیے فتنہ فلم بنائی اس کے بعد میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ کیونکہ میرے اندر حقیقت جاننے کی چاہت تھی، میں نے قرآن اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا، شریعت اسلامیہ مطالعہ میں رہی تقریبا ایک سال کی تحقیق کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اسلام کے تعلق سے جو نظریہ قائم کر رکھا ہے وہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام امن اور آشتی کا مذہب ہے جب سچائی میرے سامنے آگئی تو پھر اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ آئندہ ان کا پروگرام ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کردیں گے۔ اب ان کا ارادہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی پر ایک فلم بنانے کا ہے جس کے ذریعہ وہ فلم فتنہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں گذشتہ دنوں انہوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ کا سفر کیا، عمرہ کیا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے دعا مانگی۔

(ماخوذ: نئی دنیا دہلی 20 تا 26 مئی 2013ء)

جینٹ جیکسن کا قبول اسلام اور مغرب میں اضطراب:

دنیا کی مشہور عورتوں میں سے ایک، دنیا کی خوبصورت خواتین میں سے ایک، دنیا کی بہترین گلوکارہ، مائیکل جیکسن کی بہن جینٹ جیکسن، جس پر پورا امریکہ و یورپ فدا تھا، جس کے حسن کا جادو انسان کے سر چڑھ کر بولتا تھا جس کے گانوں کے سروں پر لوگ مدہوش ہو جایا کرتے تھے، آج انہیں گانا گانے والے لبوں پر فقط ایک ہی نام ہے اللہ اللہ اللہ"

26/ مئی 1966ء میں گیری انڈیانا میں پیدا ہونے والی اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی جینٹ نے نہ صرف بے شرمی سے مکمل کنارہ کشی کر لی ہے بلکہ برقع بھی اوڑھ لیا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام کی آغوش میں آگئی ہے۔

2012ء جینٹ نے ایک نجی تقریب میں اپنے امیر کبیر بوائے فرینڈ وصام المناء سے نکاح کرنے سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا، جینٹ کے قبول اسلام کا سبب بھلے ہی ان کا شوہر بتائے جا رہے ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ برقع نہ اوڑھتی اور نہ ہی انٹر ٹینمینٹ بزنس کو الوداع کہتی۔ وصام المناء دوحہ قطر کے رہنے والے ایک خوبصورت اور سنجیدہ فکر انسان ہیں ان کا بزنس پوری دنیا میں المناء رٹیل گروپ کے نام سے پھیلا ہوا ہے تین ملکوں میں ان کے در جنوں محل نما گھر بھی ہیں اس بات کے پیش نظر مغربی میڈیا یہ ڈھول پیٹ رہا ہے کہ جینٹ نے المناء سے نہیں اس کی دولت سے شادی کی ہے مگر یہ صرف الزام تراشی ہے۔ جینٹ جیکسن جیسی دولت مند خاتون کے لیے بعید ہے کہ وہ کسی دولت کی لالچ میں المناء سے نکاح کرے۔

جینٹ اسلام قبول کر کے خوش ہے۔ مطمئن ہے۔ اگر کوئی مضطرب ہے تو مغرب اور مغربی میڈیا۔ انھیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر ہماری خواتین کیوں جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہی ہیں خاص طور پر مشہور و مقبول خواتین۔ مغرب یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر اسلام میں ایسا کیا ہے کہ ان کی عورتیں سب کچھ چھوڑ کر مسلمان ہو رہی ہیں برقع اور عباء جس کو وہ غلامی کا طوق کہتے ہیں وہ طوق پہن کر عورتیں بے حد مطمئن اور خوش نظر آرہی ہیں اتنی کہ جتنی وہ پہلے کبھی نظر نہیں آئیں۔ (ماخوذ از نئی دنیا 20 تا 26/ مئی 2013ء)

ٹونی بلیر کی سالی لون بور تھ کا قبول اسلام:

26/ اکتوبر 2010ء کو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی نے اس خبر کو شائع کیا کہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر کی نسبتی بہن (سالی) لون بور تھ مشرف باسلام ہو گئیں۔ لون بور تھ پیدائشی طور پر کیتھولک عیسائی ہیں۔ انسانی حقوق کی علمبر دار صحافی ہیں اور ایران کے انگریزی نیوز چینل پریس ٹی وی کے لیے کام کرتی ہیں ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر اس وقت سامنے آئی جب وہ عالمی امن اور اتحاد 2010ء کے پرچم تلے ایک ریلی میں شرکت کر رہی تھیں ان کے قبول اسلام کا سبب اسلام کا روحانی نظام بنا ان کا کہنا ہے کہ چھ ہفتہ قبل مجھے ایران کی ایک درگاہ میں جانے کا موقع ملا جہاں مجھے بہت مؤثر تجربہ ہوا اور میرا دل اسلام کی طرف پھر گیا اب میں پانچوں وقت نماز پڑھتی ہوں وقتا فوقتا مسجد بھی جاتی ہوں مزید یہ کہ ڈیڑھ مہینہ سے میں نے شراب نہیں پی ہے محترمہ بور تھ اب اپنا سر ڈھانپتی ہیں اور حجاب لگا کر باہر نکلتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ مستقبل میں میں برقع بھی پہن سکتی ہوں انھوں نے مزید کہا ممکن ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے تنازع پیدا ہو لیکن اسے کیا کہیے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔

برطانیہ میں مذہب تبدیل کر کے مسلمان بننے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب:

روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی، 5/ جنوری 2011ء کے شمارہ میں پی ٹی آئی لندن کے حوالے سے ایک اہم معلوماتی تحریر شائع کی گئی ہے۔ اس

کا عنوان ہے **"ہر سال تقریباً 5 ہزار برطانوی باشندے مسلمان بن رہے ہیں"** مختلف مذاہب کے بارے میں ریسرچ کرنے والے ایک تھنک ٹینک نے اپنے ایک تفصیلی مطالعہ میں کہا ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ دہائی کے دوران مذہب تبدیل کر کے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ "فیتھ میٹرس" نام کے ایک تھنک ٹینک نے تبدیل مذہب کر کے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کے بارے میں کہا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک ہو سکتی ہے اور ہر سال تقریباً 5 ہزار لوگ مسلمان بن رہے ہیں حالانکہ اس مطالعہ سے پہلے تبدیل مذہب کرنے والے لوگوں کی تعداد 14 ہزار سے 25 ہزار کے درمیان بتائی گئی ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والوں کی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ امریکہ میں 11 ستمبر 2001ء اور لندن میں 7/ جولائی کو ہونے والے حملوں کا تبدیلی مذہب پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا ہے بلکہ ان حملوں کے سبب اسلام کی طرف لوگوں کے رجحان میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

دس برسوں میں 50 ہزار خواتین مشرف باسلام:

جہاں بلجیم اور فرانس جیسے ممالک، مسلم خواتین کا تشخص مٹانے میں لگے ہیں اور برقع پر پابندی عائد کر کے خوش ہیں وہیں ان دنوں برطانیہ اور مغربی ممالک میں خواتین کے قبول اسلام کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

اس تبدیلیٔ مذہب کی خاص وجہ معاشرے میں خواتین کی روز بروز بڑھتی ناقدری اور انہیں متاع کوچہ و بازار سمجھنے کی ذہنیت بتائی جا رہی ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی کے مطابق برطانیہ کے اندر اس رجحان میں کافی تیزی آئی ہے اور 2001ء میں ہوئی مردم شماری کے مطابق اسلام قبول کرنے والی برطانوی خواتین کی تعداد 30 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور اب یہ تعداد پچاس ہزار سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ برطانیہ کا کہنا ہے کہ اس وقت چرچ کی ہفتہ وار مذہبی تقریب میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد کم ہو کر 2 فیصد رہ گئی ہے اس کے برعکس سینٹرل لندن کی ریجنٹ پارک مسجد میں نماز کے لیے شریک ہونے والوں کی دو تہائی تعداد مسلم خواتین کی ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانوی خواتین بے حیائی کی زندگی پر باحجاب زندگی کو ترجیح دے رہی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اسلام قبول کرنے والی 5 برطانوی خواتین میں سے ایک عقیلہ لنڈسے نے کہا کہ اسلام میں آنے سے قبل مجھے لگتا تھا کہ مذہب ایک فرسودہ نظریہ ہے لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور اس کو بامقصد طور سے جینا چاہیے دوسری نومسلم خاتون "کیتھرین ہسٹلن" نے کہا کہ ابتدائی دنوں میں قرآن نے میری فہم و دانش کو متاثر کیا۔ اس کے بعد میرے اور قرآن کے درمیان روحانی رشتہ قائم ہو گیا۔ میں یہ پڑھ کر حیران تھی کہ 1400 سال قبل قرآن نے عورت کو کیسے حقوق دیے ہیں سکینہ ڈگلس نام کی ایک افریقی نژاد برطانوی خاتون کا بیان ہے کہ جب قرآن پڑھنے کے بعد میں نے پردہ کرنا شروع کر دیا تو مجھے بے انتہا مسرت ہوئی اور مجھے پہلی بار لگا کہ میں مردوں کی ہوسناکی کے سامنے سجا ہوا دسترخوان نہیں ہوں بلکہ ایک باعزت خاتون ہوں۔

(ماخوذ از روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی 5/ رجون 2010ء)

نائن الیون کے بعد امریکہ میں مطالعۂ اسلام کی لہر:

11 ستمبر 2001ء میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کے بعد امریکہ میں غور و فکر کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ ہر کوئی اسلامی کتابوں، جرائد و مجلات، اسلام اور پیغمبر اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ان میں جو کتاب سب سے زیادہ توجہ و دلچسپی کا مرکز بنی ہے وہ قرآن ہے۔ نیویارک، واشنگٹن، شکاگو اور نیو جرسی سے لاس اینجلس تک جن کتب خانوں پر قرآن شریف کے نسخے پچھلے کئی سالوں سے فروخت نہیں ہوئے تھے وہ بہت جلد فروخت ہو گئے اور انھیں قرآن کے نئے ایڈیشن شائع کرنے پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے قرآن امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن گیا۔ در اصل اس کے پیچھے یہ ذہنیت کار فرما ہے کہ آخر قرآن میں ایسی کیا بات ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد انسان دہشت گرد بن جاتا ہے، وہ جہاد کے نام پر انتہا پسندی کی حدوں کو پار کر جاتا ہے۔ آخر اسلام میں ایسی کون سی تعلیم دی گئی ہے جو انسان کو ایسے دہشت گردانہ اعمال کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہے۔ جب اس ارادہ سے وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا مطلوب ملتا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اس کا سامنا اس قسم کی آیتوں سے پڑتا ہے مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً۔ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو جلالیا۔ (المائدۃ آیۃ: 33)

تو اسلام کی جاں بخش تعلیم کا اسیر بن جاتا ہے۔ قرآن اس کے فکر و شعور کو جھنجھوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ معروف پبلشر "Penguin book" نے 11/ ستمبر کے واقعہ کے بعد قرآن کریم کے 20 ہزار سے

زائد نسخے تقسیم کیے۔ امریکی اخبار یو ایس اے ٹوڈے (USA Today) نے لکھا تھا: لوگ اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور اس رجحان نے امریکہ میں قرآن میں کو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بنادیا ہے کیوں کہ امریکہ کے غیر مسلموں نے محسوس کیا ہے کہ ایک مسلمان یا کوئی اور شخص اس کتاب کا کوئی بھی صفحہ کھول کر اس سے زندگی کا کوئی نہ کوئی راز جان سکتا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے پبلک اسکولوں میں بچوں کو قرآن کی آیات زبانی یاد کرنے کو کہا گیا۔ اور خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کے افسران کو اسلام سے روشناس کرایا جانے لگا ہے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات از: آئی اے ابراہیم ص:196، مطبوعہ دار السلام پاکستان)

لاطینی امریکی تارکین وطن اسلام کی آغوش میں:

میکسیکو سے لے کر برِ اعظم جنوبی امریکہ کے انتہائی جنوبی ممالک ارجنٹینا اور چلی تک کا خطہ لاطینی امریکہ کہلاتا ہے۔ 1492ء میں کولمبس کے ذریعہ امریکہ کی دریافت کے بعد اسپین اور پرتگال کے استعماری قبضہ کے سبب یہاں ہسپانوی(Spanish) اور پرتگالی (Portuguese) زبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ لاطینی الاصل ہیں۔ غربت و افلاس کے شکار لوگ بہتر مستقبل کی تلاش میں ہر سال شمالی امریکہ خاص طور سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا رخ کرتے ہیں ان میں بہت سے لوگ یہاں آکر اسلام سے متعارف ہوتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔

چند سالوں قبل واشنگٹن پوسٹ نیوز سروس کے حوالے سے روزنامہ "ڈان" نے ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) میں آباد لاطینی تارکین وطن کے قبول اسلام کے بارے میں ایک ہندو صحافی سدرشن رگھون کی ایک رپورٹ شائع کی جس کے اقتباسات ذیل کی سطور میں ملاحظہ کریں:

"امریکہ میں لاطینی تارکین وطن اسلام کے ذریعہ سے از سر نو شناخت قائم کر رہے ہیں۔ واشنگٹن کے علاقے میں ان نومسلموں کی تعداد چند سو ہے اور اسلامی تنظیموں کے مطابق پورے ملک میں ان کی تعداد 40 تا 70 ہزار ہے۔ ترک وطن سے پہلے وہ اپنے ملک میں (کیتھولک مسیحیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باعث) دوسرے نظریات سے یکسر بے خبر رہتے تھے۔ مگر امریکہ آکر ان کے لیے قرآن مجید کے تراجم، اسلامی جرائد اور ویب سائٹس کے ذریعہ اسلام کے متعلق جاننا کہیں آسان ہو گیا ہے۔ 11/ستمبر کے بعد امریکہ میں جیسے ہی وہ اسلام قبول کرتے ہیں، انھیں اسلام پر قائم رہنے کیلئے بہت جدو جہد کرنی پڑتی ہے اور مسیحی اکثریت کی طرف سے مخالفت اور تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ص:6-204، مطبوعہ: دارالسلام سن اشاعت 2007ء)

اسپین میں اسلام کی واپسی:

اسپین (اندلس) مشرقی یورپ کا وہ خوبصورت اور خوش حال ملک ہے جس کی پیشانی پر مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ عظمتِ رفتہ کے نقوش ثبت ہیں۔ مسلمانوں کے دور حکومت (92ھ/ 711ء تا 897ھ/1492ء) میں اسپین علم و دانش اور فکر و فن کا مرکز تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں سے مغرب کو منتقل ہونے والے سائنسی علوم ہی یورپ کی نشاۃ اولی کا سبب بنے۔

ایک ہسپانوی ماہر مارٹینو کا خیال ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اسپین یورپ میں سب سے زیادہ مسلم آبادی والا ملک بن جائے گا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اسپین کے نومسلموں میں قدیم عربوں کی اولاد بھی شامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سقوطِ اسپین کے وقت ان کے آباو اجداد کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا تھا۔ بطور ثبوت وہ اپنی آنکھوں کی سیاہ رنگت کو پیش کرتے ہیں۔ کیوں کہ اصل ہسپانوی باشندوں کی آنکھیں بھوری ہیں۔ خون عرب ایک بار پھر ان کی رگِ حمیت کو گرما رہا ہے۔ اور انھیں اپنی اصل کی طرف واپسی پر مجبور کر رہا ہے۔

ایک میگزین کی رپورٹ کے مطابق حالیہ چند برسوں میں اسپین میں 20 ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے۔ صرف غرناطہ میں ایک ہزار عیسائی اسلام کے دامن میں آچکے ہیں۔ سقوط اسپین (1492ء) کے بعد وہاں بچ جانے والے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیا گیا تھا اب انھیں کی اولاد تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ص:201، بحوالہ نوائے وقت" لاہور 17/اکتوبر 2005ء)

تاریخ کا تسلسل اور بکثرت رونما ہونے والے حوادث و واقعات اس بات کا اشارہ دے رہے ہیں کہ آئندہ سو برسوں میں دنیا کے نقشہ پر اگر کسی مذہب کو اکثریتی مذہب ہونے کا شرف حاصل ہوگا تو وہ اسلام ہوگا۔ کیونکہ صرف اسلام کے دامن میں یہ گنجائش ہے کہ وہ گوروں کے ساتھ کالوں، امیروں کے ساتھ غریبوں اور سماج کے ہر طبقات کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کر سکے۔ رنگ و نسل، لسانی و تہذیبی عصبیت سے پاک اس مذہب میں ہر ایک کے لیے یکساں کشش موجود ہے۔ مادیت اور خواہش پرستی کی طوفان بد تمیزی میں روحانیت کا جام پلانے والا

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

صرف اسلام ہے۔ عورتوں کی عصمت صرف اسلام میں محفوظ ہے۔

"مغرب" تمام تر مادی وسائل کے باوجود بے چینی اور بے اطمینانی کی زندگی گذار رہا ہے۔ اس کا خاندانی نظام بکھر چکا ہے۔ اب اسے سکون کی تلاش ہے۔ مگر سکون ملے تو کیسے؟ عیسائیت کا کلیسائی نظام خود دم توڑ چکا ہے۔ گرجاگھروں میں خاک اڑ رہی ہے۔ اب بیساکھی کے سہارے زیادہ دنوں تک اس کو چلا یا نہیں جا سکتا۔ اب تعقل پرستوں کو کسی متبادل کی تلاش ہے جس کے دامن میں اسے روحانیت نصیب ہو سکے۔ ایسے موافق حالات میں جنہیں قدرت کئی سو سال کے بعد پیدا کرتی ہے۔ اہل اسلام پر اس عہد کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ اس کے پاس جو ابدی صداقت ہے اور جو دین تمام آمیزشوں سے پاک ہے اسے بلا کم و کاست خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں تک موجودہ وقت کے معیار کے مطابق پہنچائیں۔ آج مسلمان پوری دنیا میں مدعو قوموں کے ساتھ غیر ضروری نزاعی امور میں الجھے ہوئے ہیں اور اپنے عمل سے اسلام کو جنگ کا مذہب بنائے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ:

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک بڑا امکان واقعہ بننے سے اس لیے رہ گیا کہ اسلامی قیادت کے نام پر القاعدہ، طالبان، حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور جیش محمد جیسی غیر سرکاری مسلح تنظیمیں وجود میں آگئیں اور جہادِ اسلامی کے نام پر حکومتوں سے جنگ چھیڑ دی گئی۔ اسلام دشمن عناصر نے ان تنظیموں سے منسلک افراد کی ذہن سازی اس انداز میں کی کہ غیر اسلامی حکومت ان کی نظر میں اس قابل ہو گئی کہ اسے فوراً مٹا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ حکومت اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا جائے، نہ حالات کو دیکھا نہ تاریخی تسلسل کو بس ہر غیر مسلم حکومت کے خلاف مسلح جہاد شروع کر دیا۔ کرتا، پاجامہ، عمامہ اور ٹوپی میں ملبوس داڑھی والے مجاہدین جب ٹی وی چینلز کی اسکرینوں پر مسلح جہاد کرتے ہوئے نظر آئے تو پوری دنیا میں ان کی شبیہ انتہا پسند اور دہشت گردانہ عمل انجام دینے والے کی شکل میں متعارف ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہی اکثر مسلمانوں کی شبیہ بن گئی۔ اب جہاں اس حلیہ کے آدمی نظر آئے ان کو اسی فریم ورک میں دیکھا جانے لگا۔ اب بجائے اس کے کہ اسلام کی طرف لوگوں کی واپسی ہوتی پوری دنیا کے غیر مسلم اقوام اسلام سے برگشتہ اور مسلمانوں سے متوحش ہو گئیں۔ اور یورپ کے اسلام کی طرف آنے کا اتنا بڑا امکان دہشت گردانہ عمل کے ارتکاب کے سبب واقعہ بننے سے رہ گیا۔

دور شرک اور دور جمہوریت کا فرق:

قدیم زمانہ میں پوری دنیا کے اندر شرک کا غلبہ تھا، مشرکانہ عقائد لوگوں کے ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ اصل خدا کو چھوڑ کر مظاہر فطرت کو خدا بنائے ہوئے تھے۔ جب دور اسلام آیا تو اس نے شرک کو مغلوب کر کے توحید کو غالب فکر بنا دیا۔ پچھلے زمانہ میں شرک کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل تھا۔ لہذا شرک کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کرنا سیاسی قوتوں کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن اللہ تعالی نے ہزار سالہ عمل کے بعد انسان کو اس دور میں داخل کر دیا کہ شرک اب انسان کا سیاسی عقیدہ نہیں رہ گیا بلکہ انفرادی عقیدہ بن گیا آج جمہوریت کا دور ہے جس میں انسان کو فکری اور مذہبی آزادی حاصل ہے اب بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف سے ٹکراؤ کے وہ سارے امکانات ختم ہو گئے جو دور شرک میں پیش آسکتے تھے۔ لہذا دعوت کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ دور جمہوریت میں آسان ہو گیا ہے۔ پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد حکمرانوں سے ٹکرانا پڑتا تھا اب صرف اپنے خاندان یا خویش واقارب سے نمٹنا ہوتا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں چونکہ اب بھی سماجی و مذہبی بندھن میں لوگ کسی حد تک بندھے ہوئے ہیں اس وجہ سے یہاں اسلام قبول کرنے والوں کو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یورپی ممالک میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لیے اسلام ان خطوں میں تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

اب اگر دور جمہوریت میں ہم دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام نہ دیں تو نعمت الٰہی کی انتہائی بے قدری ہوگی اور اس امکان کو ضائع کرنا بھی ہوگا جو قدرت نے ہزار سالہ عمل کے بعد ہمیں فراہم کیا ہے۔

آج کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام کے تعارف پر مشتمل لٹریچر سادہ عقلی انداز میں تیار کر کے مفت تقسیم کیے جائیں۔ قرآن مجید کے تراجم ہر غیر مسلم کے گھر میں بطور تحفہ پہونچائے جائیں۔ حکمراں طبقہ سے لے کر عوام تک اسلام کی پرامن تعلیمات پہونچائی جائیں۔ جو تنظیمیں مسلسل مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی ہیں مثلاً بجرنگ دل، شیو سینا، وشو ہندو پریشد وغیرہ ان کے آفسوں میں بھی اسلام کے تعارف پر مشتمل کتابیں بھیجی جائیں۔ جب اللہ تعالی تاتاری اور سلجوقی جیسے وحشی لوگوں کے دل ایمان کی طرف پھیر سکتا ہے تو ان مخالفین اسلام لوگوں کے دلوں کو بھی اسلام کی طرف کیوں نہیں پھیر سکتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ تعالی دین کی تقویت کا کام صرف پیدائشی مسلمانوں سے لے۔ بلکہ اپنے دین کی تائید نئے نفوس کو اسلام میں داخل کر کے بھی کرتا ہے۔

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

نقشِ سیرت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت سے شہادت تک

محسن رضا ضیائی

رسول اللہ ﷺ نے خداے تعالیٰ کے احکام وقوانین اور اسلامی تعلیمات امت تک پہنچایا، آپ کی تبلیغ و کوشش سے کتنے ہی گم گشتگان راہ کو ہدایت و راست کی دولت نصیب ہوئی اور وہ دولتِ ایمان سے مالامال ہوئے۔ آپ کی شب وروز کی مساعیٔ جمیلہ سے عالم کے ہر کونے میں ایمان واسلام کی قندیلیں روشن و منور ہو گئیں، سبھی کی زبانوں پر قرآن کریم کے لاہوتی نغمے وردِ زباں ہوگئے، یہی نہیں بل کہ آپ کی مقدس تعلیمات وارشادات لوگوں کے قلوب واذہان میں اس طرح جاں گزیں اور اثر انداز ہوئے کہ وہ اخلاص وتقویٰ، صدق وصفا اور جود وسخا کے پیکر بن گئے اور آپ کی صحبت بابرکت اور روحانی تربیت کے فیض یافتہ بن گئے۔ آپ کی بارگاہِ علم وفیض سے خوشہ چینی کرنے والی اور دینی وروحانی تربیت پانے والی اسی مقدس جماعت کو "صحابہ" کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے اسلام کی مقدس ومطہر تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں آپ کا ساتھ دیا۔ اسلام کے پیغامِ امن ومحبت اور اخوت وبھائی چارگی کو دور دور تک پھیلانے میں آپ کے قدم بقدم چلے، طائف اور ہجرت جیسے سخت ترین حالات میں بھی آپ کا دستِ اقدس تھامے رہے، جب کفرواسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو اس وقت بھی اس عظیم جماعت نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا، بل کہ آخری محاذ تک لڑتے رہے اور فتح وظفر تک آپ کے دست وبازو بنے رہے۔ گویا ہر وقت اور ہر محاذ پر صحابۂ کرام اپنے آقا ﷺ کے لیے رفیق کار ثابت ہوئے۔

بعض وہ صحابہ ہیں جنہوں نے اسلام کو اس کے ابتدائی ایام وحالات میں اس وقت سہارا دیا جب کہ اسلام کی حقانیت وصداقت اور تعلیمات وہدایات کا سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا، انہوں نے اسلام کی اس وقت تصدیق وتوثیق کی جب کہ اس کی پاکیزہ تعلیمات کی تکذیب وتنقیص کی جارہی تھی۔ بھٹکی ہوئی قوم کو جادۂ راہ پر گامزن کرنے میں ایک داعیانہ فکر وکردار ادا کیا، اسی لیے تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس عظیم جماعت کے متعلق ارشاد فرمایا: «أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ»

[جامع بیان العلم وفضلہ 2/ 898]

ترجمہ: " میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی پیروی کروں گے، راہ یاب ہوجاؤں گے"۔

ان بعض جلیل القدر اصحابِ رسول ﷺ میں ایک نمایاں اور قابلِ رشک نام حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جنہیں خلیفۂ سوم ہونے کے ساتھ ساتھ دامادِ رسول ﷺ ہونے کا شرفِ عظیم بھی حاصل ہے۔ آپ وہ عظیم المرتبت صحابیِ رسول ہیں، جنہیں بیک وقت کئی ایک مراتب ومناصب حاصل ہوئے۔ آپ نے راہِ اسلام میں بے شمار اور بے لوث قربانیاں پیش کیں، بڑے شدائد وآلام برداشت کیے، اور ہر آن ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے لیے دامے، درمے، قدمے ہر قیمتی تعاون پیش کیا، ہمہ وقت اسلام کے لیے اپنی جان تک ہتھیلی پر رکھا۔ میدانِ جنگ وجہاد میں سربکف ہوکر نکلے اور از شروع تا آخر لڑتے رہے۔ اس طرح کے اور بھی دیگر ایثار وقربانی اور اخلاص وجذبے سے بھرپور خدمات وکارنامے ہیں، جو آپ کی جاں نثار اور وفاشعار شخصیت کے شاہدِ عدل ہیں۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن قرشی اموی ہے۔

پیدائش: آپ عام الفیل کے تاریخی واقعے کے چھٹے سال بعد عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ میں تولد ہوئے۔ آپ کے بچپن کے ابتدائی حالات کتبِ تاریخ میں مذکور نہیں ہیں، البتہ بعد کی زندگی کے تفصیلی واقعات سیرت وتاریخ کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔

قبولِ اسلام: آپ نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شجرِ اسلام کی جڑیں نہایت ہی کمزور تھیں، آپ کے اسلام میں شامل ہونے کے بعد اس کی جڑیں مستحکم ومضبوط ہوگئی، اور اسلام ایک تناور درخت بن گیا۔ آپ نے اپنے مال وزر اور مختلف طریقوں سے شجرِ اسلام کی آبیاری وآبشاری کی۔ آپ کی اسلام کی خاطر دی گئی قربانیاں بے شمار ہیں، جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ "حضرت صدیق اکبر، حضرت علی اور زید ابن حارثہ کی اسلام آوری کے فوراً بعد ہی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دولت اسلام سے مالامال ہوئے اسی لیے آپ " سابقون الاولون "میں شمار کیے جاتے ہیں"۔ (تاریخ الخلفا)

نکاح: اسلام کی عظیم دولت سے سرشار ہونے کے بعد اللہ ورسول کے نزدیک آپ کا مقام ورتبہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے آپ کو اپنی وہ عظیم چیز تفویض کی جو آپ کے لیے دنیا میں نعمت

غیر مترقبہ سے کسی طرح کم نہیں تھی، حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، جو شرف کسی صحابیِ رسول کے حصے میں نہیں آیا۔ سب سے پہلے آپ کی زوجیت میں حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئی یہ نکاح اتنا بابرکت ٹھہرا کہ ساکنان مکہ کے لبوں اور زبانوں پر عام طور پر یہ الفاظ رواں تھے:۔"بہترین جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا رقیہ اور ان کے خاوند حضرت عثمان کا ہے"۔

قیامِ مدینہ کے دوران جب کفر و شرک کی مڈبھیڑ ہوئی اور لشکر اسلام غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگا تو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حالت علالت میں دیکھ کر حضور ﷺ نے حضرت عثمان کو ان کی تیمارداری کے لیے غزوۂ بدر میں شرکت سے باز رکھا۔ چناں چہ غزوۂ بدر کے دوران ہی مدینہ منورہ میں مرض وعلالت کی تاب نہ لاکر داغِ مفارقت دے گئی۔ لشکرِ اسلام جب فتح وظفر کے ساتھ خوش وخرم واپس لوٹتا تب تک حضرت رقیہ کی تجہیز وتکفین عمل میں آچکی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کی تیمارداری کرتے رہنے پر غزوۂ بدر میں عدم شمولیت کے باوجود آپ کو مالِ غنیمت سے کچھ حصہ عطا فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ شرکائے بدر کے مانند اجر بھی عطا فرمایا۔ اسی لیے آپ کو اہلِ بدر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے کچھ دن بعد ہی آپ کا دوسرا نکاح حضور ﷺ نے اپنی دوسری شہزادی حضرت امِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا جو پانچ سال زوجیت میں رہنے کے بعد 9/ ہجری میں وصال فرما گئی۔

خلافت: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل آئندہ بیعت وخلافت کے مسئلے کے تصفیہ وحل کے لیے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی، تاکہ لوگ خلافت کے لیے آپس میں برسرپیکار نہ ہوجائیں، ان تمام اشخاص میں سبھی صائب الرائے، منصف وعادل اور خداترس لوگ شامل تھے جیسے کہ حضرت زبیر، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہ، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سبھی عشرۂ مبشرہ سے ہیں جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تیسرے ہی روز مسئلۂ خلافت اٹھا، تو اس کے لیے بے شمار دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے، ایک کشمکش کا ماحول تھا، ہر طرف سرگوشیاں ہو رہی تھیں، کئی ایک مدعیانِ خلافت اس کے حصول کے لیے قطار میں کھڑے تھے۔ ایسے نازک اور تشویش ناک حالات میں مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھ کر بلا چوں چرا کیے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑا اور کہا، اللہ کی سنت، رسول ﷺ کی سنت اور آپ سے پہلے دو خلفا کی سنت کے موافق اے عثمان! ہم آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد تمام انصار ومہاجرین نے یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اسی طرح باآسانی آپ کی خلافت عمل میں آئی۔ آپ نے اپنے بارہ سالہ دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت واقتدار کو سابقین خلفا ہی کی طرح ایمان داری، دیانت داری، رعایا پروری، کفایت شعاری، اور احکامِ خداوندی کے ساتھ بحسن وخوبی چلایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا رقبہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔

اگر آپ کے دور خلافت کے گوناگوں کارناموں اور عظیم خدمات کو صفحۂ قرطاس پر ضبطِ تحریر میں لایا جائے تو ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں چند کو ایجاز واختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

فضائل ومراتب: آپ کے بے شمار فضائل ومراتب ہیں، جن میں سے ایک مقام ومرتبہ یہ ہے کہ آج تلک امتِ مسلمہ میں آپ کامل الحیاء والایمان کے ایک عظیم لقب جانے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کردہ حدیث آپ کے حیا وشرافت کو خوب واضح کرتی ہے: چناں چہ " حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، درآں حال کہ آپ کی دونوں رانیں یا دونوں پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں، حضرت ابوبکر نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی، درآں حالے کہ آپ اسی طرح لیٹے رہے، پھر آپ باتیں کرتے رہے، پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی، درآں حالے کہ آپ اسی طرح لیٹے رہے اور باتیں کرتے رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے، (راوی کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ یہ ایک دن کا واقعہ ہے،) حضرت عثمان باتیں کرتے رہے، جب وہ سب چلے گئے تو حضرت عائشہ نے کہا، حضرت ابوبکر آئے تو آپ نے ان کا کچھ خیال نہ کیا، اور نہ ہی ان کی کچھ پرواہ کی، حضرت عمر آئے تو آپ نے ان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی، اور جب حضرت عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے نے اپنے کپڑے درست کر لیے؟ آپ نے فرمایا، میں اس شخص سے کیسے حیا نہ کروں، جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔"

(شرحِ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ، ص:932)

☆عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں، جنہیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت وخوش خبری سنائی تھی۔ چناں چہ حدیثِ مبارکہ ہے: حضرت حسان بن عظیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اگلے اور پچھلے کام بخش دیے اور وہ کام جو تم نے پوشیدہ کیے اور جو ظاہر میں کیے اور وہ جو ہونے والے ہیں "۔ (صحیح مسلم شریف، جلد6، ص:938)

☆آپ "ذوالنورین "یعنی دو نور والے بھی ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں،

جس کے سبب سے آپ کو "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دے دیتا حتّٰی کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہتی"۔ (صحیح مسلم شریف)

☆آپ "مجلسِ مشارت" کے بھی ایک اہم رکن تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قائم کردہ مجلسِ مشاورت، جن میں اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے، اس مجلس کے آپ ایک فعال اور متحرک رکن تھے۔ یہ مجلس تمام قومی اور روز مرہ کے معاملات کے تصفیہ وحل کے اہم مقصد سے قائم ہوئی تھی۔

خدمات وکارنامے: ☆آپ نے 26ھ میں مسجد حرام کے ارد گرد کے کچھ مکانات خرید کر مسجد کی اراضی میں شامل فرمادیا اور مسجد حرام کی عمدہ طور پر تعمیر وتوسیع فرمائی۔

☆اسی طرح 29ھ میں مسجد نبوی ﷺ کی توسیع فرمائی۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے مطابق "آپ نے تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کی، اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائیں اور چھت میں ساگوان لگوایا، مسجد کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ رکھا"۔

☆24ھ میں آپ نے سپاہیانِ اسلام کی عظیم فوج کے ذریعے آذربائیجان اور آرمینیہ پر چڑھائی کی اور وہاں کے ساکنوں کو مطیع کرکے پرچمِ اسلام لہرایا۔

☆26ھ میں الجزائر اور مراکش جیسے علاقوں کو بھی فوج کشی کرکے اسلام کے حدودِ سلطنت میں شامل فرمالیا۔

☆27ھ میں خطۂ ایشیا کے مشہور علاقے "ارجان اور دراجرو فتح ہوئے۔ اسی سال افریقہ فتح ہوا، جو تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے اس فتح کے بعد ڈھیر سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسی سال اندلس (اسپین) بھی فتح ہوا۔ یہ سال حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے لیے ایک اہم تاریخی اور فتح یاب ثابت ہوا۔

☆28ھ میں بحیرۂ روم میں شام کے قریب قبرص بحری جنگ سے فتح کیا۔

☆30ھ میں طبرستان پر بھی فتح وکامرانی کا علم بلند کیا۔

☆33ھ میں قسطنطنیہ سے متّصل علاقوں میں مرودر، طالستان، اور جوزجان اور دیگر علاقوں کو فتح وظفر سے ہم کنار کیا۔

ان تمام تاریخی حملوں میں افریقہ اور قبرص کے حملے سرفہرست اور قابل ذکر ہیں۔

☆تعمیری ورفاہی کاموں کے ساتھ ساتھ دورِ عثمانی میں اسلامی ممالک کا رقبہ بھی کافی بڑھا، جس کی وجہ مسلسل فتوحات بنیں۔ اسی طرح بہت سے تاریخی مقامات فتح ہوئے اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور مال کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ اس کے لیے ایک علاحدہ بیت المال کھولنا پڑا۔

☆آپ کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ جمعِ قرآن کریم ہے، جو آپ نے سخت حالات اور چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے متعدّد نسخوں اور صحیفوں کو ایک صحیفے میں جمع فرمایا، جو آج مصحفِ عثمانی کے نام سے معروف ہے۔

حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو اس سے قبل بھی عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ صدیقی میں قرآن کریم کی جمع وتدوین ہو چکی تھی۔ لیکن عہدِ نبوی کی تدوین محض کتابتِ آیات وسور اور ان کی ترتیب پر مشتمل تھی۔ اور دورِ صدیقی میں آیات وسور کو ایک صحیفے میں لکھا ضرور گیا مگر یہ بھی کتابت تک ہی محصور رہی۔ لیکن جب دورِ عثمانی آیا تو قرآن کریم کی قرأت کو لے کر بہت زیادہ اختلافات رونما ہوئے۔ ایسے حالات میں آپ نے متعدّد صحیفوں کو جو اس سے قبل مدون ہو چکے تھے، جمع فرمایا اور اختلافِ قرأت کو ختم فرماکر ایک خط میں جمع فرمایا جسے آج خطِ عثمانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف قرأتوں کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کے اختلافات رفع دفع ہوگئے۔ اسی سبب سے آپ کو جامع القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

ہجرت: مشرکینِ مکہ کے مظالم وشدائد سے بچنے اور فریضۂ دعوت وتبلیغ کے لیے اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے صحابہ وصحابیات کی ایک جماعت کو جانبِ حبشہ ہجرت کا حکم دیا، جن میں سولہ مرد وعورتیں شامل تھیں، اور اس جماعت کے سربراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو مع اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ تھے۔ اسلام کی یہ پہلی ہجرت تھی۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیامِ حبشہ کے دوران اللہ کے نبی ﷺ کی مدینہ شریف ہجرت کی اطلاع ملی تو آپ نے رختِ سفر باندھا اور اپنی اہلیہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مدینہ شریف ہجرت فرمائی، آپ حبشہ میں تین سال تک سکونت پذیر رہے اور مدینہ شریف کی طرف یہ آپ کی اپنی اہلیہ کے ساتھ دوسری ہجرت تھی۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ "یہ دونوں (یعنی میاں بیوی) حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اللہ کی طرف ہجرت کی ہیں" اسی وجہ سے آپ کو "ذوالہجرتین" بھی کہا جاتا ہے۔

خصائل ومحامد:

(1) صبرواستقلال: آپ کے صبر واستقلال کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ بغاوت وسورش کے المناک ایام میں چالیس روز تک محصور رہے، اس دوران ضروریاتِ زندگی اور کھلی فضا سے محروم رہنے کے باوجود بھی درپیش مسائل کا سامنا کیا اور نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ بھوک وپیاس کو برداشت کرکے صبر وتحمل اور عزم

واستقلال کا کامل مظاہرہ فرمایا۔آپ نے اپنی خلافت کے تحفظ کی خاطر مسلمانوں کو آپس میں لڑوانا گوارہ نہ کیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قدر صابر و متحمل مزاج تھے،جو بڑی سے بڑی مصیبت اور پریشانی پر ثابت قدم رہے۔

(2)جود و سخا: آپ نہایت ہی وسیع الظرف ،سخی وجواد اور فیاض انسان تھے۔قدرت نے آپ کے اندر بے انتہا جود و سخاوت ودیعت کر رکھی تھی،خداے تعالیٰ کا آپ پر بے پناہ فضل واحسان تھا کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے رئیس اور دولت مند تھے،یہاں تک کہ آپ کی پیدائش و پرورش تک ایک متمول گھرانے میں ہوئی تھی۔آپ نے اپنی دولت وثروت سے اسلام اور مسلمانوں کو ہر مشکل وقت میں ہر ممکنہ تعاون کرکے مصائب اور پریشان کن حالات سے باہر نکالا۔اسی طرح جنگی حالات میں بھی اپنے مال وزر سے سپاہیانِ اسلام کی مدد ونصرت کی ،جیساکہ "الاستیعاب" کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے "جنگِ تبوک" میں دس ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے سازوسامان سمیت دیے تھے"۔(الاستیعاب،ج2،ص:884)

اسی طرح "بئرِ رومہ" جو کہ ایک یہودی کی ملکیت میں تھا،آپ نے اسے 20ہزار دینار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور انہیں تکالیف سے چھٹکارا دلانے میں بہت بڑا رول ادا کیا۔اس طرح کے اور بھی دیگر واقعات ہیں جن سے آپ کی فیاضی اور دریا دلی کا پتہ چلتا ہے۔

(3)زہد و تقویٰ: آپ کے کندھوں پر امورِ خلافت کا اتنا بڑا بار ہونے کے باوجود بھی آپ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بلند مقام پر فائز تھے۔آپ اپنے شب وروز کا زیادہ تر وقت عبادت ویاضت میں گزاتے تھے۔یہاں تک کہ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ دن میں امورِ خلافت سرانجام دیتے تھے اور رات کے وافر حصے تک عبادت وبندگی بجالاتے تھے۔بسا اوقات تو آپ ایک ہی رکعت میں قرآنِ کریم ختم فرما دیا کرتے تھے۔جب آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جاتے،تو خود امیرِ حج کے فرائض انجام دیتے تھے۔گویا جس جہت اور جس پہلو سے بھی دیکھیے،آپ زاہد و متقی،عبادت گزار اور خدا ترس نظر آتے ہیں۔گوناگوں اوصاف و محاسن آپ کے اندر بیک وقت جمع تھے۔

(4)دس خصلتیں: علامہ جلا الدین سیوطی نے اپنی شہرتِ زمانہ تصنیف "تاریخ الخلفا" میں اس حوالے سے لکھا کہ ابن عساکر نے ابو ثور فہمی کی زبانی لکھا ہے کہ میں حضرت عثمان کے پاس اس حالت میں گیا جب کہ آپ محصور تھے،اس زمانے میں آپ نے فرمایا "میری دس خصلتیں اللہ کے پاس محفوظ ہیں :

(1) اسلام آوری میں چوتھا شخص ہوں۔(2)رسالت مآب ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیوں کا میرے ساتھ نکاح فرمایا۔(3)میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔(4)کھیل کود میں کبھی منہمک و مشغول نہیں ہوا۔(5)میں نے کبھی بدی وبرائی کرنے کی تمنا تک نہیں کی۔(6)رسالت مآب ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد میں نے اپنا ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔(7)اسلام آوری کے بعد میں نے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا اور اگر اس وقت موجود نہ ہوا تو بعد میں آزاد کیا۔(8)زمانۂ جاہلیت یا زمانہ اسلام میں کبھی حرام کاری نہیں کی۔(9)زمانۂ جاہلیت وعہدِ اسلامی میں کبھی چوری نہیں کی۔(10)رسالت مآب ﷺ کے عہد کے موافق میں قرآن کریم کو جمع کیا۔

(بحوالہ:تاریخ الخلفا)

شہادت: آپ کی خلافت میں چند وجوہ واسباب کی بنیاد پر آپسی اختلاف وخلفشار اور سیاسی انتشار کی آگ اس طرح بھڑک اٹھی کہ وہ سرد ہونے کا نام نہیں لی،یہاں تک کہ اس سیاسی سورش وبغاوت نے پورے طریقے سے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آپ کے خلاف شورش بپا کرنے والے بلوائیوں نے چہار جانب سے آپ کا محاصرہ کرلیا اور پھر موقع پاکر شہادت کی میٹھی نیند سلا دیا۔

آپ کی شہادت 18 / ذی الحجہ 35ھ بروز جمعہ کو واقع ہوئی۔وصیت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز وتکفین کی ذمہ داری بھی انہوں نے ہی سرانجام دی۔

آپ کی شہادت تاریخ اسلام کی ایک ایسی شہادت ثابت ہوئی،جس کے بعد مسلمانوں کے آپسی اتحاد واتفاق کا جنازہ نکل گیا،فتنوں کا ظہور ہوا یہاں تک جمل اور صفین جیسی جنگیں واقع ہوئیں،جس میں مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہوگئے،،اسی طرح قصاص عثمان کو لے کر مسلمانوں کے درمیان طویل زمانے تک معرکہ آرائیاں ہوئیں،اور بصرہ وشام کی زمینیں اپنوں ہی کے خون سے سرخ ہوئیں۔شہادت عثمان غنی یہ تاریخ کی ایک ایسی درد خیز،دل سوز اور المناک داستان ہے،جسے سن کر،پڑھ کر اور جان کر جسم کانپ اٹھتا ہے،دل لرزنے لگتا ہے،آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ابن ابو حذیفہ کا بیان ہے کہ " اولین فتنہ حضرت عثمان کی شہادت ہے اور آخری فتنہ دجال کا ظہور ہوگا"۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اسلام اور مسلمانوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و سوانح اور آپ کے دور کے اہم واقعات سے تاریخ کے صفحات واوراق بھرے پڑے ہیں جن میں آپ کی زندگی کے ابتدائی حالات سے لے کر شہادت تک کے تمام واقعات واسباب موجود ہیں۔

☆☆☆☆

انوار حیات

امام شاطبی ـــ احوال و اوصاف

نثار احمد خان مصباحی

چھٹی صدی ہجری کی جن اسلامی شخصیات نے علم و فن کے کسی خاص میدان میں لازوال اثرات چھوڑے ہیں، ان میں امام شاطبی کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے ایک بلند رتبہ ولی، مختلف علوم و فنون کے ماہر اور علم تجوید و قراءت کے امام تھے۔

ہم نے آپ کی شخصیت اور احوال و اوصاف پر ایک تفصیلی مقالہ لکھا ہے جس کا کچھ حصہ نئی ترتیب اور تلخیص و اختصار کے ساتھ یہاں پیش کر رہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل ہم یہ وضاحت کر دیں کہ "امام شاطبی" کے نام سے دو علمائے اسلام مشہور ہیں:

[1]-امام القراء، ولیّ خدا امام ابو محمد قاسم بن فیرہ شاطبی (م:590ھ)

[2]-امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی مالکی (متوفی 790ھ)

اول الذکر کی ایک مشہور کتاب "شاطبیہ" ہے جو فنِ قراءت میں ایک بے مثال اور لازوال منظوم کتاب ہے۔ جب کہ دوسرے کی مشہور کتابیں "الاعتصام" اور "الموافقات" ہیں۔ ہمارا یہ مضمون صاحبِ "شاطبیہ" کے بارے میں ہے۔

ولادت: امام شاطبی کی ولادت اُن کے آبائی شہر "شاطبہ" میں 538ھ کے آخر میں ہوئی۔[1]

"شاطبہ" اندلس (موجودہ اسپین) کا ایک قدیم شہر ہے۔ مسلمانوں کی اندلس آمد سے قبل اس شہر کا نام "سیتابی" تھا۔ اہلِ عرب نے عربی اوزان کے مطابق اسے "شاطبیہ" کر دیا۔[2] موجودہ دور میں "شاطبہ" کا نام Xativa/Jativa ہے۔

امام شاطبی پیدائشی نابینا تھے[3] مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر کسی کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ آپ نابینا ہیں، بلکہ دیکھنے والا آپ کے بینا ہونے میں کسی طرح کا شبہہ بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ آپ کا رہن سہن اور حرکات و سکنات نابینا نہیں بلکہ بینا لوگوں کی طرح تھے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"وكان إذا جلس إليه أحد لا يحسب أنه ضرير، بل لا يرتاب أنه يبصر، لأنه ماكان يظهر منه ما يظهر من الأعمى في الحركات."[4]

"جب کوئی ان کے پاس بیٹھتا تو یہ گمان بھی نہیں کرتا کہ آپ نابینا ہیں، بلکہ آپ کے بینا ہونے میں شک بھی نہیں کرتا۔ اس لیے نابینا لوگوں سے جو حرکات ظاہر ہوتی ہیں وہ آپ سے نہیں ظاہر ہوتی تھیں۔"

تحصیلِ علم: امام شاطبی پیدائشی نابینا تھے، نابینا آدمی کو علم حاصل کرنے اور سامان زندگی فراہم کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ ہر کسی پر ظاہر ہیں۔ امام شاطبی علم اور فضل کی جن بلندیوں تک پہنچے انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے نابینائی کے باوجود یہ سب کچھ کیسے حاصل کیا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم "شاطبہ" ہی میں ہوئی۔ قراءات سبعہ کی تکمیل اور اپنے شہر کے علما و مشائخ سے دینی علوم کی تحصیل کی بعد آپ نے دوسرے شہروں کا رخ کیا اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور راستے کے خطرات کو آپ نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس سلسلے میں آپ قریبی شہر "بلنسیہ" تشریف لے گئے جو "شاطبہ" سے تقریباً 55/کلو میٹر کی دوری پر ہے اور جس کا موجودہ نام Valencia ہے۔ وہاں آپ نے تفسیر، حدیث اور قراءت کے ساتھ دیگر علوم کی تحصیل متعدّد علما و مشائخ سے کی۔

صرف بلنسیہ ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے دور دراز شہروں میں آپ گئے اور پچاسوں علما و ائمہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، قراءت و تجوید، نحو و صرف اور لغت وغیرہ کثیر علوم و فنون کی تحصیل کی۔[5]

نابینا ہونے کے باوجود آپ نے اس قدر کثیر علوم حاصل کر لیے کہ بعد میں جب 34/ سال کی عمر میں آپ اندلس چھوڑ کر مصر تشریف لے آئے تو اس وقت مصر میں کثرتِ فنون اور سینے میں محفوظ علوم کے معاملے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

امام تاج الدین عبد الوہاب ابن السبکی "طبقات الشافعیۃ الوسطیٰ" میں فرماتے ہیں:

"ذكره النووي في الطبقات، وقال: لم يكن بمصر في زمانه نظيره في تعدد فنونه و كثرة محفوظه.اھ"

یعنی "امام نووی نے انھیں "طبقات" میں ذکر کیا اور فرمایا کہ: مصر میں ان کے زمانے میں تعددِ فنون اور کثرت محفوظ کے معاملے میں ان کے

جیسا کوئی نہ تھا۔"(6)

قاضی ابنِ خلکان "وفیات الاعیان" میں لکھتے ہیں:

"کان رحمه الله تعالیٰ یقول عند دخول إلیٰ مصر: إنه یحفظ وقر بعیر من العلوم.اھ"(7)

یعنی آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنی مصر تشریف آوری کے وقت فرماتے تھے کہ انھیں ایک اونٹ کے بھاری بوجھ کے برابر علوم یاد ہیں۔

اللہ اکبر! سچ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے خصوصی الطاف وعنایات سے نواز دیتا ہے۔

وطن سے ہجرت اور دیگر حالات: تحصیلِ علم کے بعد آپ اپنے شہر "شاطبہ" میں رہنے لگے اور تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے لگے۔ وہیں آپ نے قراءاتِ سبعہ میں اپنی عظیم اور بابرکت منظوم کتاب "شاطبیہ" کی تصنیف شروع فرمائی۔ (جس کے بارے میں کچھ تفصیلات ان شاء اللہ ہم آگے پیش کریں گے) پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے آپ اپنے وطنِ عزیز سے ہجرت فرماکر مصر تشریف لے آئے۔

تفصیل یہ ہے: امام شاطبی چوں کہ کسی رئیس گھرانے کے فرد نہیں تھے اور خود نابینا بھی تھے اس لیے فقر اور غریبی کو آپ سے ایک خاص وابستگی تھی، دنیاوی مال وزر سے اگرچہ ہاتھ خالی تھا مگر علم وفضل، زہد وتقویٰ، استغنا و بے نیازی اور قناعت وصبر کی بے کراں دولت سے مالا مال تھے۔ آپ کے فضل و شرف اور حالاتِ زندگی دیکھ کر اصحابِ اقتدار نے آپ سے گزارش کی کہ آپ شہر کی جامع مسجد کا منصبِ خطابت قبول فرمالیجیے، مگر آپ نے ان کا پیش کردہ یہ منصب قبول نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خطبا کو بادشاہوں کی تعریف وتوصیف میں نامناسب مبالغے سے کام لینا پڑتا تھا جو آپ جیسا پیکرِ ورع اور حق گو شخص نہیں کر سکتا تھا۔

ان کی اس گزارش پر آپ نے ارادۂ حج کا عذر پیش کر دیا اور وطن چھوڑ کر حج کے ارادے سے نکلے اور مصر تشریف لے گئے پھر اپنی زندگی میں دوبارہ کبھی اپنے ملک واپس ہی نہیں گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ پھر سے منصبِ خطابت پیش کریں۔

یہ واقعہ 572ھ کا ہے یعنی اس وقت آپ کی عمر تقریباً 34 سال تھی۔(8)

مصر تشریف آوری کے وقت آپ سب سے پہلے مصر کے ساحلی شہر اسکندریہ آئے اور وہاں امام ابو طاہر احمد اصفہانی سلفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفیٰ 576ھ) اور دیگر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔(9)

قاہرہ (مصر) آنے کے بعد آپ نے "شاطبیہ" کی تکمیل فرمائی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی (589ھ) کے وزیر اور دوست قاضی فاضل عبد الرحیم بیسانی (متوفیٰ 569ھ) نے آپ کا حد درجہ اعزاز واکرام کیا۔ سلطان صلاح الدین کے یہ وزیر علم اور علم کی قدر دانی میں کافی مشہور تھے۔ انھوں نے اپنے گھر کے پاس 580ھ میں "مدرسہ فاضلیہ" قائم کیا اور اس مدرسے کے "شیخ القراء" کا منصب امام شاطبی کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ وہاں علمِ قراءات کے ساتھ علومِ عربیہ (نحو ولغت وغیرہ) بھی پڑھایا کرتے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں آپ کے علم وفضل اور تعلیم وتربیت کا ڈنکا بجنے لگا۔ لوگ دور دراز، بلکہ دنیا کے مختلف علاقوں سے آپ کی خدمت میں اپنی علمی تشنگی لے کر آتے اور آپ کے علم وفضل کے شیریں سمندر سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ پاتے۔(10)

وفات: مدرسہ فاضلیہ میں طالبانِ علوم کو قراءت کے ساتھ آپ دیگر علوم کی بھی تعلیم دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت آ گیا اور 590ھ میں 28/ جمادی الآخرہ بروز اتوار بعد نمازِ عصر علم وعمل، زہد وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کا یہ باعظمت پیکر دنیائے فانی چھوڑ کر دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گیا۔

اگلے دن (دوشنبے کو) آپ کی نمازِ جنازہ شارح "المھذب" علامہ شیخ ابو اسحاق عراقی (خطیب جامع عمرو بن العاص) نے پڑھائی اور قاہرہ (مصر) کے مشہور قبرستان "قرافۂ صغریٰ" میں مدفون ہوئے۔(11)

ائمۂ اسلام کی صراحتوں کے مطابق امام شاطبی کا مزارِ مبارک ان جگہوں میں سے ہے جہاں اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتا ہے۔

امام قسطلانی لکھتے ہیں: "قد ذکر شیخ مشائخنا شمس الدین ابن الجزري انه زار قبر الشاطبي مرارا و ان بعض اصحابه عرض علیه القصیدة اللامیة و انه رأی أثر إجابة الدعاء. وهذا امر قد شاع وذاع وملأ الاسماع و جرّ به غیر واحد."

"ہمارے مشائخ کے شیخ امام شمس الدین ابن الجزری نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے بارہا امام شاطبی کی قبر مبارک کی زیارت کی ہے اور ان کے بعض اصحاب نے قصیدۂ لامیہ (شاطبیہ) وہاں پڑھا ہے۔ اور (یہ بھی ذکر کیا ہے کہ) انھوں نے دعا کی قبولیت کے آثار دیکھے ہیں۔ یہ بات بہت ہی مشہور ومعروف ہے اور متعدّد لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔"(12)

اوصاف و کمالات: اب ہم یہاں امام شاطبی کے کچھ اوصاف وکمالات کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

اخلاص: اخلاص یعنی نیتوں کی سچائی بہت ہی بڑی دولت ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے کام میں مخلص نہیں تو اچھے نتائج کی امید فضول ہے۔ قول و عمل کی مقبولیت کا دار و مدار اخلاص اور اچھی نیتوں پر ہے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت سے بھی نوازا تھا کہ آپ کا ہر قول وعمل خالص اللہ کے لیے ہوتا تھا۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ صلاح الدین صفدی (متوفیٰ

764ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"کان اماما ... محققا، ذکیا، حافظا للحدیث، عالما بالقرآن، قراءۃ و تفسیرا، و و بالحدیث مبرزا فیه — حسن المقاصد، مخلصا في ما یقول و یفعل -اھ." [12]

"آپ امام، محقق، دانش ور، حافظِ حدیث، قرآن کی قراءت و تفسیر کے عالم، حدیث کے ماہر، نیک مقصد اور قول و فعل میں مخلص تھے۔"

اپنے قصیدۂ شاطبیہ کے بارے میں امام شاطبی نے خود ہی فرمادیا ہے کہ میں نے اسے خالصۃً لوجہ اللہ لکھا ہے۔ اپنے اسی قصیدے کی ابتدا میں آپ نے اس کی خصوصیات اور اس کی اہمیت کی طرف خود ہی اشارہ فرمایا ہے مگر جب دیکھا کہ یہ تو اپنے ہی کلام کی تعریف ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ریاو سمعہ راہ پا جائے اور ساری محنت رائگاں ہو جائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ریاو سمعہ سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"ولما مدح نظمه و خاف من مکر النفس دعا اللہ تعالیٰ ان یعصمه من ان یکون قوله أو عمله للسمعه فیضیع سعیه ، فقال: ونادیت اللهم یا خیر سامع، أعذني من التسمیع قولا و مفعلا. اھ"

اور جب اپنے کلام کی تعریف کی اور نفس کے مکر کا اندیشہ ہوا، اللہ سے دعا کی کہ انھیں اس سے محفوظ رکھے کہ ان کو کوئی قول یا فعل دکھاوے کے لیے ہو، اور ان کی کوشش بے کار ہو جائے، تو فرمایا:

"اور میں نے دعا کی: اے اللہ! اے سب سے بہتر سننے والے، قول و فعل میں مجھے دکھاوے سے محفوظ رکھ۔

اتباعِ سنت اور ولایت و کرامت: اتباعِ سنت معیارِ کمال ہے۔ ائمۂ اسلام کی صراحتوں کے مطابق ولایت کا معیار اتباعِ شریعت ہے۔ امامِ صوفیہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفیٰ: 297ھ) کا یہ قول بہت ہی مشہور ہے: "الطرق کلها مسدودة علی الخلق إلّا من اقتفی اثر الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم."

یعنی (اللہ عز و جل تک پہنچنے کے) راستے مخلوق کے لیے بند ہیں، سوائے اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے (یعنی اتباعِ سنت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں)۔

امام شاطبی کے اندر اتباعِ سنت کا ایک پر لطف جذبہ فراواں تھا، جس نے آپ کی پوری زندگی کو سنت کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اور کیوں نہ ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ایک بلند رتبہ ولی تھے اور امتِ محمدی میں اولیاے کرام سے بڑھ کر متبع سنت کوئی نہیں ہوتا۔

امام قسطلانی امام ابن الجزری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"کان اماما کبیرا ... مع الزهد والولایة والعبادة والانقطاع والکشف ... مواظبا علی السنة -اھ." [13]

" آپ امامِ کبیر، زاہد، ولی، عابد، گوشہ نشیں، صاحبِ کشف اور پابندِ سنت تھے۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ ثبوتِ ولایت (یعنی ولایت ثابت ہونے) کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اطباق (یعنی اتفاق) ائمہ کا، علما کا جمہور کا، سوادِ اعظم کا، سوادِ اعظم جس کو ولی مان رہا ہے وہ بے شک ولی ہے۔" [14]

امام شاطبی کی ولایت ہر خاص و عام نے تسلیم کی، کسی نے آپ کے ولی ہونے میں کبھی شک نہیں کیا۔ امام قسطلانی لکھتے ہیں:

"ولایته أشهر من الشمس و أضوأ من القمر. لا ریب فیها ولا لبس. فهو الولي الذي ما شك أحد. بحمد اللہ تعالیٰ ، في صدق ولایته، والإمام الذي ودّ کل إمام أن یصلي خلفه لیعد من جماعته. و یکفی ما اشتهر علی اَلْسِنة الخلق ... وسکن في القلوب و تحرکت به الشفاه من نعته بـ "ولی اللہ"-اھ [15]

"ان کی ولایت سورج سے زیادہ مشہور اور چاند سے زیادہ روشن ہے جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ التباس، آپ ہی وہ ولی ہیں کہ جن کی ولایت کے سچ ہونے میں بحمد اللہ تعالیٰ کسی نے بھی شک نہیں کیا۔ آپ ہی وہ امام ہیں کہ ہر "امام" نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہی تاکہ آپ کی جماعت میں شمار کیا جائے اور وہی کافی ہے جو زبانِ خلق پر مشہور ہے، دلوں میں جاگزیں اور ہونٹوں پر جاری ہے کہ آپ "ولی اللہ" (اللہ کے ولی) ہیں۔"

امام شاطبی کے خاص شاگرد امام علم الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفیٰ 643ھ) نے امام شاطبی کے بارے میں فرمایا:

کان ولیا مکاشفا. یعنی آپ صاحبِ کشف ولی تھے۔ [16]

اس مناسبت سے ہم یہاں آپ کی ایک مشہور کرامت کا ذکر کر رہے ہیں: امام قسطلانی فرماتے ہیں: (عبارت طویل ہے، اس لیے صرف ترجمہ پیش ہے):

"امام ابن الجزری کے متعدّد اصحاب نے مجھے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ثقہ شیوخ نے اپنے مشائخ کے حوالے سے امام شاطبی کے بارے میں بتایا کہ وہ صبح کی نماز اندھیرے ہی میں اپنے مدرسے میں پڑھ لیتے پھر قراءت پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔ لوگ ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوئے رات ہی میں پہنچ جاتے تھے۔ امام شاطبی جب تشریف فرما ہوتے تو بس اتنا فرماتے: "جو پہلے آیا ہے وہ پڑھے" پھر ان کے آنے کی ترتیب کے لحاظ سے

سب کو پڑھاتے۔ ایک دن ایک صاحب سب سے پہلے آئے مگر جب امام شاطبی تشریف لائے تو فرمایا: "جو دوسرے نمبر پر آیا ہے وہ پڑھے"۔ دوسرے نے پڑھنا شروع کر دیا اور پہلے کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا (کہ کیوں ایسا ہوا)۔ وہ سوچنے لگے کہ شیخ کے پاس جانے کے بعد مجھ سے کون سا گناہ صادر ہو گیا جس نے مجھے شیخ سے محروم کر دیا۔ پھر انھیں یاد آیا کہ آج کی رات وہ جنبی (ناپاک) ہو گئے تھے، اور جب نیند سے بیدار ہوئے تو باری پر شدتِ حرص کی وجہ سے بھول گئے اور جلدی جلدی چلے آئے۔ شیخ اس پر مطلع ہو گئے، اس لیے دوسرے نمبر پر آنے والے کو پہلے پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اس کے بعد وہ مدرسے کے بغل میں بنے ہوئے حمام میں گئے، غسل کیا اور دوسرے کے پڑھ کر فارغ ہونے سے پہلے ہی مجلس میں واپس آ گئے، پھر جب دوسرے صاحب پڑھ چکے تو شیخ نے فرمایا: "جو پہلے آیا ہے اب وہ پڑھے۔" پھر انھوں نے پڑھا"۔ [17]

یہ امام شاطبی کی ایک بہت ہی عظیم کرامت ہے جو ثقہ علما و ائمہ کی سند سے ثابت ہے۔ یہاں ضمنی طور پر ایک بات کا تذکرہ برمحل ہوگا کہ بہت سے اصحابِ ولایت علما و ائمہ کی کرامت ان کی وہ کتابیں بھی ہیں جن کی کوئی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ یہ کتابیں اپنی نوعیت میں بے مثال ہونے اور باعظمت اور حیرت انگیز ہونے کی وجہ سے اپنے مصنفین کی زندہ کرامت مانی جاتی ہیں۔ مثلاً امام ابو الوفا ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (431ھ-513ھ) کی "کتاب الفنون" جو آٹھ سو جلدوں پر مشتمل تھی۔ امام ابنِ عساکر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (499ھ-571ھ) کی "تاریخِ دمشق" جو اسّی جلدوں میں ہے اور امام احمد رضا قادری قدس سرہ (1272ھ-1340ھ) کی "فتاویٰ رضویہ" جو جدید ترتیب کے بعد تیس ضخیم جلدوں میں ہے۔

اسی طرح امام شاطبی کا بابرکت قصیدہ "شاطبیہ" بھی ان کی ایک عظیم کرامت ہے۔ امام قسطلانی قسم کھا کر کہتے ہیں:

"أقسم بالله الرؤوف الودود، الذى الان له بديع المعانى في وجيز المبانى كما الان الحديد لداؤد، انها لكرامة من معجزات أبي القاسم.-اھ" [18]

"میں اللہ رؤف و ودود کی قسم کھاتا ہوں، جس نے امام شاطبی کے لیے مختصر الفاظ میں عمدہ معانی نرم (آسان) کر دیے جس طرح حضرت داؤد علیہ الصلاۃ السلام کے لیے لوہے کو نرم کیا، بے شک یہ (شاطبیہ) ضرور ابو القاسم کی کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔"

یہ بابرکت کتاب امام شاطبی کی سب سے اہم اور سب سے مشہور تصنیف ہے، اس کا اصل نام "حرز الامانی ووجہ التهانی" ہے مگر یہ "شاطبیہ" کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ بحرِ طویل میں لام ردیف پر تقریباً پونے بارہ سو اشعار اس قصیدے میں ہیں۔ یہ جب سے لکھا گیا تب سے آج تک قراءتِ سبعہ کی معتبر ترین کتاب کے طور پر رائج ہے۔ بلا مبالغہ لاکھوں نے بلکہ کروڑوں افراد نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے اور مستقبل میں بھی ان شاء اللہ کریں گے۔ یہ اس قصیدے کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

یہ قصیدہ امام شاطبی کی ادبِ عربی میں مکمل مہارت اور زبانِ عربی پر اقتدارِ کامل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مختصر الفاظ میں آپ نے ایسے وسیع و عریض معانی سمو دیے ہیں کہ یہ قصیدہ معانی، اشارات اور لطائف و نکات کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہو گیا ہے۔ جب بھی کوئی ذی علم اس میں غور و فکر کرتا ہے تو معانی اور فوائد کے نئے نئے ابواب اس کا استقبال کرتے ہیں۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"يفتح لمعاينها من معانيها في كل حين باب، و من فوائدها ما لم يكن له في حساب-اھ." [19]

"بغور اسے دیکھنے والے کے لیے ہر وقت معانی کا ایک (نیا) باب کھلتا ہے، اور اس کے فوائد میں سے وہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جو اس کے گمان میں بھی نہیں تھے۔"

امام قسطلانی مزید فرماتے ہیں:

"لقد رو ينا علن العَلَم السخاوي عن الشاطبي انه قال: لو كان في أصحابي خير أو بركة لاستنبطوا من قصيدتي هذه ما لم يخطر ببالي-انتهى- و بلغنى ان بعضهم قال: انه يستنبط أو قال يستخرج منها اثنا عشر علما-اھ." [20]

"ہم سے روایت بیان کی گئی ہے امام علم الدین سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام شاطبی سے کہ انھوں نے فرمایا: اگر میرے اصحاب میں خیر یا برکت ہوگی تو وہ میرے اس قصیدے سے وہ چیزیں بھی مستنبط کر لیں گے جو میرے خیال میں بھی نہیں آئی ہوں گی۔ اھ۔ (امام قسطلانی فرماتے ہیں) مجھے خبر پہنچی ہے کہ بعض اہلِ علم (یا ان کے اصحاب میں سے بعض) نے کہا کہ اس (قصیدے) سے بارہ علوم کا استنباط و استخراج ہوتا ہے۔"

اللہ اکبر!!! إن الله على كلّ شيئ قدير.

یقیناً اللہ والوں کے کلام میں (من جانب اللہ) معانی کی وہ پہنائیاں ودیعت کر دی جاتی ہیں کہ دیکھنے والا اور خود استخراج کرنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ جب اللہ والوں کے کلام میں معانی کی یہ وسعت مفاہیم کی اتنی فراوانی اور اشارات و دقائق کی اس قدر کثرت ہے تو کلامِ الٰہی کا عالم کیا ہوگا۔!!!

اس قصیدے کی اہمیت، خصوصیت اور رفعت و عظمت کے سلسلے میں علما و ائمہ نے جو کچھ کہا ہے اسے جمع کرنے کا یہ موقع نہیں، بس اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ جس نے بھی اسے ذکر کیا، اس نے اسے "بے مثال" کہا۔ بلکہ

بعض نے صراحت کی کہ بڑے بڑے فصحا اور صاحبانِ بلاغت نے اسی بحر میں اسی کے جیسا قصیدہ لکھنا چاہا مگر وہ عاجز اور ناکام رہے۔

حاصل یہ کہ یہ قصیدہ بہت ہی باعظمت اور بابرکت ہے۔ اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ امام شاطبی کے خلوص نے اس قصیدے کو حیاتِ جاودانی عطا کر دی ہے۔ کروڑوں لوگوں کو اس سے دنیوی اور اخروی فائدے ملے جو یقیناً امام شاطبی کی بہت بڑی برکت ہے۔

زھدوتقوی: جو اتنا بلند رتبہ ولی ہو اس کے تقویٰ اور زہد و ورع کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ امام شاطبی کی اپنے وطن ہجرت کا سبب ماقبل میں ہم نے ذکر کر دیا ہے، اسی سے اندازہ لگائیں کہ وہ زہد و تقویٰ کے کتنے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ انھوں نے زبردست فقر و محتاجی اور اپنے آبائی وطن کی ہمیشہ کے لیے جدائی برداشت کر لی مگر حکمرانوں کی بے جا تعریف کرنا گوارا نہیں کیا۔

امام قسطلانی اپنی سند سے امام علم الدین سخاوی سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن حسین (متوفیٰ 628ھ) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے 580ھ میں حج کیا تو مکہ میں اہلِ مغرب کی ایک جماعت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"من اراد ان یصلی خلف رجل لم یعص اللہ قط فی صغرہ ولا فی کبرہ فلیصل خلف ابی القاسم الشاطبی۔"[21]

جو شخص ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہے جس نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی (یعنی کبھی گناہ نہیں کیا) نہ چھوٹی عمر میں اور نہ ہی بڑی عمر میں، تو اسے چاہیے کہ ابوالقاسم شاطبی کے پیچھے نماز پڑھے۔"

یہی امام قسطلانی امام تاج الدین ابن السبکی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"کان الشاطبی من الصلحاء المتورعین و عباد اللہ المخلصین و اولیاء اللہ الفائزین۔"[22]

"امام شاطبی صاحبِ ورع پرہیزگاروں، اللہ کے مخلص (منتخب) بندوں اور بلند رتبہ ولیوں میں سے تھے۔"

یہ امام شاطبی کے چند اوصاف اور کچھ احوالِ زندگی کا ایک مختصر تذکرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اوصاف و کمالات کے تفصیلی تذکرے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

ان کی شخصیت، ان کا تقویٰ وطہارت، اور ان کی علمی شان و شوکت یگانۂ روزگار تھی۔ حدیث، قراءت، لغت اور کچھ دیگر علوم میں آپ اپنے وقت کے "شیخ مصر" تھے۔ آپ کی زیارت اور دیدار کو ائمۂ حدیث نے کامیابی اور سعادت قرار دیا ہے۔ مشہور محدث ابوشامہ مقدسی کہتے ہیں:

"رأیت جماعة فضلاء من فازوا
برؤیة شیخ مصر الشاطبی"

"میں نے اصحابِ علم وفضل کی ایک جماعت دیکھی جنھوں نے شیخِ مصر امام شاطبی کے دیدار کی سعادت پائی۔"[23]

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی برکت اور فیض سے حصہ عطا فرمائے اور ان سے محبت رکھنے والوں میں ہمارا حشر فرمائے۔ آمین۔

حوالہ جات:

(1)- سیر اعلام النبلاء للذهبي، 140/13- مطبوعه دار الكتب العلميه، بيروت، طبع اول 1425ھ/2004ء

(2)-الحلل السندسيه، مصنف: امير شكيب ارسلان، ج:3، ص:254، مطبوعه: دار الكتاب الاسلامي، قاهره، مصر.

(3)-الفتح المواهبي في ترجمة الامام الشاطبي، مصنف: امام قسطلاني شارح بخاري، ص:٣٤، مطبوعه: دار الفتح، عمان، اردن/ جارڈن، طبع اول:1421ھ/2000ء

(4)-الفتح المواهبي، ص:53-

(5)- الفتح المواهبي، ص:41 — 43-

(6)-طبقات الشافعيه، الوسطىٰ لابن السبكي، المطبوعه علىٰ هامش الطبقات الكبرىٰ له، 271/7، مطبوعه دار هجر، طبع دوم 1992ء

(7)-وفيات الاعيان، 72/4، مطبوعه: دار صادر، بيروت

(8)-الفتح المواهبي، ص:٤٤، سير اعلام النبلاء، 140/13-

(9)- الفتح المواهبي، ص:٤٤.

(10)- الفتح المواهبي، ص:٤٤، ٤٥.

(11)- الفتح المواهبي، ص:١١١، ١١٥.

(12)- الفتح المواهبي، ص:٤٩، ملتقطاً.

(13)- الفتح المواهبي، ص:٤٩، ملتقطاً.

(14)-الملفوظ، حصه سوم، ص:20، مطبوعه قادری کتاب گھر، بریلی، 1414ھ/2003ء.

(15)- الفتح المواهبي، ص:51.

(16)- الفتح المواهبي، ص:52.

(17)- الفتح المواهبي، ص:55، 56.

(18)- الفتح المواهبي، ص:59.

(19)- الفتح المواهبي، ص:59.

(20)- الفتح المواهبي، ص:67.

(21)- الفتح المواهبي، ص:51، 52.

(22)- الفتح المواهبي، ص:52.

(23)- الفتح المواهبي، ص:57.

مولانا محمد طفیل احمد مصباحی

وطنِ عزیز ہندوستان کے علمی، ادبی اور روحانی مراکز میں سے ایک اہم علمی و روحانی مرکز " خانوادۂ فرنگی محل " بھی ہے، جہاں کے جلیل القدر علما و فقہا، اربابِ شریعت و طریقت اور اصحابِ فضل و کمال نے علوم و فنون کی ترویج و توسیع اور مذہب و ملت کی تبلیغ و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور ان بیش بہا کارناموں کے سبب اس مبارک خانوادے کو " دار العلم والعمل " اور " ہندوستان کا کیمبرج " کہہ کر پکارا گیا ہے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی " مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام " میں لکھتے ہیں: اگرچہ جمیع صوبہ جاتِ ہند بوجوہ حاملانِ علم تفاخر دارند، اما صوبۂ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت.

یعنی اگرچہ ہندوستان کے تمام صوبے حاملانِ علم کے سبب قابلِ فخر ہیں، لیکن صوبۂ اودھ و الہ آباد کو کچھ ایسی خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صوبوں کو حاصل نہیں۔ اربابِ علم و حکمت اور اصحابِ تصوف و معرفت کے سبب صوبۂ اودھ کو جو علمی امتیاز اور بلند مقام حاصل تھا، اس کی ایک بڑی وجہ اس کے دائرے میں " خانوادۂ فرنگی محل " کا شامل ہونا بھی تھا، جو پورے صوبۂ اودھ میں علم و ادب اور فکر و دانش کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ ملا قطب الدین شہید سہالوی، بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی، بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی اور علامہ عبد الحی فرنگی محلی وغیرہم کے دینی اور علمی کارناموں سے کون واقف نہیں۔ اس علمی و روحانی خانوادے کا شجرۂ نسب ایک شاخ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری شاخ سے قبیلۂ انصار سے جاملتا ہے۔

خانوادۂ فرنگی محل کی علمی تاریخ کا آغاز حضرت علامہ قطب الدین شہید سہالوی (متوفیٰ: 1103ھ) کی وفات کے بعد ان کے نام ور فرزند بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (متوفیٰ: 1161ھ) سے ہوتا ہے۔ ملا قطب الدین شہید سہالوی اپنے وقت کے عظیم المرتبت عالم اور جامعِ معقول و منقول فاضل تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس میں گذاری۔ دیارِ پورب میں علم کی ریاست آپ پر ختم ہوگئی۔ اکثر علمائے ہند کا سلسلۂ تلمذ آپ پر منتہی ہوتا ہے۔

سبحۃ المرجان کی یہ عبارت ملاحظہ کریں:

و الملا قطب الدین (الشهید السهالوی) إمام الأساتذة و مقدام الجهابذة ، معدن العقلیات و مخزن النقلیات . صرف عمره فی شغل التدریس و انتهت إلیه ریاسة العلم فی الفورب و سلسلة تلمذ أکثر علماء الهند تنتهی إلیه.(سبحة المرجان فی آثار هندوستان ، ص : 147 ، مطبوعه : دار الرافدین ، بیروت)

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر موصوف کی دینی و علمی خدمات سے کافی متاثر تھے۔ ملا صاحب کے صاحب زادگان (ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید) کی خواہش پر اورنگ زیب عالم گیر نے لکھنؤ میں فرانسیسی تاجروں کے لیے ایک خالی کوٹھی 1694ء میں الاٹ کردی۔ یہ کوٹھی " حویلی فرنگی " کہلاتی تھی۔ ملا قطب الدین کے صاحب زادگان سہالی (ضلع بارہ بنکی، یوپی) سے منتقل ہو کر فرنگی حویلی میں سکونت پذیر ہوگئے اور اس طرح قصبۂ سہال کا علمی سورج فرنگی محل کے ایوان میں جگمگانے لگا اور یہی خاندان آگے چل کر " خانوادۂ فرنگی محل " سے پوری دنیا میں مشہور ہوا۔ ملا قطب الدین کے چھوٹے صاحب زادے ملا نظام الدین فرنگی محلی (بانی درسِ نظامی) نے اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں سے فرنگی محل کو دار العلم بنا دیا۔ آج برصغیر پاک و ہند میں درسِ نظامی کا جو نصاب رائج ہے، یہ انہیں کا مرتب کردہ ہے۔

آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

وأنا دخلت لکناؤ فی التاسع عشر من ذی الحجه سنة ثمان و اربعین و مائة و الف و اجتمعت بالملا نظام الدین فوجدته علیٰ طریقة السلف الصالحین و کان یلمع فی جبینه نور التقدیس .

17 ذی الحجہ 1148ھ کو میں لکھنؤ گیا تھا اور ملا نظام الدین سے

tufailmisbahi@gmail.com

ملاقات کی تھی۔ وہ سلف صالحین کے طریقے پر گامزن تھے اور تقدس کا نور ان کی پیشانی سے ہویدا تھا۔ (سبحۃ المرجان، ص:177، بیروت)

تیرہویں صدی ہجری کے نصفِ اخیر اور چودھویں صدی کے نصفِ اول میں خانوادۂ فرنگی محل کے جن دو باکمال عالم اور مایۂ فاضل کا ملک و بیرونِ ملک خوب چرچا رہا اور جن کی ہمہ جہت دینی، علمی، تصنیفی اور سماجی خدمات نے پورے عہد کو متاثر کیا، وہ حضرت علامہ عبد الحی فرنگی محلی (متوفیٰ: 1304ھ) و حضرت مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی (متوفیٰ: 1344ھ) ہیں۔ یہ دونوں رشتے میں سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ اول الذکر بزرگ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں تا حیات مشغول رہے اور ثانی الذکر نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ سیاسی و سماجی تحریکات میں بھی حصہ لیا اور عرب و عجم میں شہرت و ناموری حاصل کی۔

مولانا عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی کے بقول:

آپ اور استاذ الاساتذہ مولانا عبد الحی (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ علیہ حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ آخری دور میں یہ دونوں خالہ زاد بھائی عزت و شہرت، علم و کمال کے چاند اور سورج تھے۔ بحر العلوم (مولانا عبد العلی فرنگی محلی) کے بعد اربابِ فرنگی محل میں کسی کو ایسی شہرت کہ جو ہندوستان کے عوام و خواص، علما و امرا، شہر اور دیہاتوں سے گذر کر بیرون ہند عرب و عجم تک پہنچی ہو، ان دونوں بھائیوں کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور اس امر میں تو حضرت استاذ (مولانا عبد الباری) اپنے تمام اسلاف پر سبقت لے گئے تھے کہ ان کی شہرت دنیائے اسلام سے گذر کر یورپ کے قصورِ سلاطین و اربابِ سیاست تک پہنچ گئی تھی۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص: 106، اشاعت العلوم برقی پریس، فرنگی محل، لکھنؤ)

آپ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے ہم عصر اور مکتوب الیہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے ملا قطب الدین شہید سہالوی سے جاملتا ہے، جو حسبِ ذیل ہے:
قیام الدین محمد عبد الباری بن عبد الوہاب بن عبد الرزاق بن جمال الدین بن علاؤ الدین احمد بن انوار الحق بن احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید سہالوی۔

آپ کی ولادت 10 / ربیع الثانی 1295ھ؛ مطابق 14 / اپریل 1878ء بروز اتوار فرنگی محل، لکھنؤ میں ہوئی۔ والد کا نام مولانا عبد الوہاب فرنگی محلی ہے۔ جد امجد مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی نے اپنے اس بلند اقبال پوتے کا نام "قیام الدین محمد عبد الباری" رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں رسمِ بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد درس نظامی کی تعلیم شروع کی اور میزان سے لے کر متوسطات تک اکثر کتبِ عربیہ کا درس مولانا عبد الباقی فرنگی محلی سے لیا۔ قطبی مع حاشیۂ سید میبذی، خلاصۃ الحساب، اقلیدس، تفسیر جلالین اور نفحۃ الیمن وغیرہ مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھا۔ مطولات میں سے معقولات کی اکثر کتابیں مولانا عین القضاۃ علیہ الرحمۃ سے پڑھیں اور مدینہ منورہ کے مختلف شیوخِ حدیث سے اجازتِ حدیث حاصل کر کے مروجہ علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت پائی۔ عہد طالب علمی سے ہی ابتدائی جماعت کے طلبہ کو درس دینے لگے تھے۔ فراغت کے بعد باضابطہ درس و تدریس کا آغاز کیا۔ تدریسی مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ نمازِ فجر سے لے کر دس بجے دن تک اور ظہر کے بعد سے عصر تک اور بسا اوقات رات کو بھی تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے۔ آپ شروع سے کثیر المطالعہ واقع ہوئے تھے۔ عادت کے مطابق رات زیرِ تدریس کتابوں کا مطالعہ نہایت انہماک کے ساتھ کرتے۔ بعض اوقات رات کے دو اور کبھی تین بجے تک آپ کا مطالعہ جاری رہتا۔ زمانۂ درس و تدریس میں دو پہر کو قیلولہ نہیں کرتے، بلکہ مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے۔ فرنگی محل کے نونہالوں کے لیے بالخصوص اور دیگر مسلم بچوں کے لیے بالعموم "مدرسہ نظامیہ" کی بنیاد رکھی، جہاں سے کثیر تعداد میں طالبانِ علومِ اسلامیہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ اس مدرسہ میں از اول تا آخر آپ نے درس دیا اور شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کی۔

(مصدرِ سابق، ص:106؛107؛108، مطبوعہ: فرنگی محل، لکھنؤ)

ذاتی اوصاف و کمالات:

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے ذاتی اوصاف و کمالات کا ایک جہاں قائل ہے۔ علم و عمل اور اخلاص کے مثلث اور مروجہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے۔ حسنِ اخلاق اور خوبیِ کردار میں بے مثال تھے۔ قادرِ مطلق نے ان کو بیشمار اوصاف و کمالات سے نوازا تھا وہ بیک وقت عالم و فاضل، حافظ و مدرس، مفتی و محدث، شیخ طریقت، مفکر و محقق، مصنف و مؤلف، سیاسی قائد اور قومی رہنما تھے۔

سید سلیمان ندوی (تلمیذ شبلی نعمانی) نے ان کے اوصاف و کمالات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

فرنگی محل کے متاخرین میں حضرت استاذ استاذی مولانا عبد الحی کے بعد مولانا عبد الباری کی ذات نمایاں تھی، جو بزرگ اجداد کی بہت

سی روایات کی حامل تھی ۔ ارشاد و ہدایت ، وعظ و نصیحت ، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف ان کے روزانہ مشاغل تھے ۔ ان دینی و علمی مناقب کے ساتھ دین و ملت کی راہ میں ان کا جاں فروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص ہمرنگِ شہدا تھا۔ ذاتی اخلاق، جود و سخا، تواضع و انکسار، علم کی عزت، صداقت و حق گوئی، ان کے اوصافِ گراں مایہ تھے ۔ وہ بے کسوں کے ملجا، مسافروں کے ماویٰ اور تنگ دستوں کے دستگیر تھے۔ عبادت گزار، شب زندہ دار اور حق کے طلب گار تھے۔ ہندوستان میں ان کی ذات ذی اقتدار علما کی حیثیت سے اس وقت فرد تھی۔ جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جد و جہد کو مذہبی تحریک بنا دینا ، یقیناً انہیں کا کارنامہ شمار کیا جائے گا۔ اس لیے ان کی یہ غیر متوقع موت صرف فرنگی محل کا نہیں، بلکہ اسلام کا سانحہ ہے اور بنا بریں ان کی جواں مرگی ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ شمار ہوگا۔ (یادِ رفتگاں، ص:56؛ ناشر: دار المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی)

سیاسی بصیرت و ملی قیادت :

برّ صغیر پاک و ہند کے علمائے اہل سنت نے دیگر دینی و علمی کارناموں کے علاوہ ملکی سیاست و ملی قیادت میں بھی حصہ لیا ہے اور قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند، رئیس المحققین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری و غیرہم کے سیاسی شعور اور قائدانہ بصیرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے سیاسی کارناموں اور سماجی کارگزاریوں کو ہم کسی صورت فراموش نہیں کر سکتے۔ بیسویں صدی عیسوی میں مسلم قیادت کی باگ ڈور جن اولو العزم علمائے کرام کے ہاتھوں میں تھی، موصوف ان میں سے ایک تھے، بلکہ اس معاملے میں مختلف جہتوں اپنے ہم عصروں میں منفرد و ممتاز تھے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں اور ملی قیادت کے حوالے سے ان کی تہ دار فکر و شخصیت کا اندازہ لگائیں:

" حضرت مولانا قیام الدین محمد عبد الباری فرنگی محلی چودھویں صدی ہجری کے نصفِ اول کی وہ مقتدر شخصیت ہے، جس کے محور پر عہدِ جدید کی ہندوستانی مسلم تاریخ بلکہ ہندستانی سیاست کی جدید تاریخ بڑی حد تک گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

(ممتاز علمائے فرنگی محل، ص:179، ناشر: مکتبہ ایوبیہ، کشی نگر، یوپی)

غرض کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ذات بیشمار اوصاف و خصوصیات کی حامل تھی مروجہ علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ زندگی کا بیشتر بڑا حصہ درس و تدریس اور وعظ و تلقین میں بسر کیا۔ علاوہ ازیں ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کا سیاسی شعور بڑا گہرا تھا۔ حالاتِ حاضرہ پر کڑی نظر تھی۔ قومِ مسلم کے روشن مستقبل کے لیے ایک سیاسی پلیٹ فارم پر آپ نے بہت دنوں تک گاندھی جی کے ساتھ مل کر کام کیا اور آخر میں ان سے علاحدہ ہو گئے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی سیاسی جد و جہد کو مذہبی تحریک میں بدل دینا اور اس پلیٹ فارم سے قومی و ملی قیادت کا فریضہ انجام دینا، آپ کی سیاسی بصیرت اور مضبوط حکمت عملی کی روشن دلیل ہے۔ مولانا موصوف ایک درد مند دل لے کر دنیا میں آئے تھے اور اپنی قوم کو خوش حال دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے اور دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر ظلم ہوتا، مسلم مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کی جاتیں، آپ تڑپ اٹھتے اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے ان مظالم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کی دعوت سب سے آپ ہی نے دی، جس سے دینی طبقے میں اضطراب بھی پیدا ہوا، لیکن آپ اس کی پرواہ کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور اسلامیانِ ہند کی ہمہ جہت ترقیوں کے لیے تادمِ حیات کوشاں رہے۔

مولانا عنایت اللہ انصاری، مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی سیاسی سرگرمیوں اور مختلف تحریکات سے ان کی گہری وابستگیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جنگ بلقان، اس کے بعد مسجد کان پور کا واقعہ، پھر ترکوں کے ساتھ لارڈ جارج کے شرم ناک ظلم کے پے در پے ایسا واقعات پیش آئے جنھوں نے عالمِ اسلامی میں تلاطم پیدا کر دیا اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ یورپ کے اقتدار پسند اور اسلام کے دشمن مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں تو مولانا عبد الباری صاحب علمائے حقانی کے طور پر دلیرانہ اور اور مجاہدانہ طور پر سیاسیاتِ مذہبی میں کمال سرگرمی اور جاں فروشی سے منہمک ہو گئے اور خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلما کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیۃ العلماء اور خدام کعبہ کے بانی و مؤسس حضرت استاذ ہی تھے اور مجلسِ خلافت کو ہندوستان کے تمام اہلِ اسلام کی عام تحریک و اشاعت کرنے میں مولانا ہی کا قدم سب سے آگے تھا۔ اس کے ابتدائی انتظامات و مصارفِ قیام آپ ہی کے مبارک ہاتھوں انجام پائے۔ بہر

حال ان تمام تحریکات میں مولانا نے دامے درمے سخنے قدمے جو کوششیں کی ہیں، وہ اخبار بیں حضرات خوب جانتے ہیں۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص:110؛111، مطبوعہ: اشاعۃ العلوم برقی پریس، فرنگی محل، لکھنؤ)

آپ حالات کے تقاضوں کے تحت اگر چہ ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے (شاید آپ کی نظر میں اس کی کوئی وجہِ شرعی رہی ہو) مگر ایمان و عقائد کے معاملے میں سخت تھے اور اس باب میں کسی قسم کی مداہنت کے قائل نہیں تھے اور اس کی سب سے مضبوط دلیل آپ کے حکم سے فرنگی محل میں اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور اور حفظ الایمان کا نذرِ آتش کیا جانا ہے اور یہ کام وہی کر سکتا ہے یا کروا سکتا ہے، جو عقائد کے معاملے میں غایت درجہ متصلب ہو۔

اس حوالے سے مفتی محمود احمد رفاقتی مظفر پوری لکھتے ہیں:

آپ کو تمام علوم میں تبحرِ تام حاصل تھا۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا آپ کو "فاضلِ اکمل" کہتے تھے۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی (1323ھ) کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ پوری قوت سے درس دیتے تھے۔ پہلے مختلف فنون سے دلچسپی تھی۔ آخر میں صرف حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے علما اور فضلا نے آپ سے اخذِ علوم کیا۔ آپ کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ مسٹر گاندھی کو آپ ہی کی ذات سے شہرت نصیب ہوئی۔ مگر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی توجہ دلانے پر مسٹر گاندھی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بقیع مبارک، مدینہ طیبہ اور جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کے مزارات کے انہدام اور آلِ سعود کے مظالم و جفا کی آپ نے سخت مخالفت کی۔ آپ ہی کے حکم سے مولوی اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور اور حفظ الایمان، فرنگی محل میں جلائی گئی تھی۔ آپ نے مولوی تھانوی کو حفظ الایمان کی کفری عبارت سے توبہ کے لیے بار بار متوجہ کیا، مگر ان کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو سکی۔ (تذکرہ علمائے اہلِ سنت، ص: 173؛174، سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان)

تحریری و تصنیفی خدمات :

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ہمہ گیر خدمات کا ایک روشن اور تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات پر ایک سو سے زائد کتب و رسائل تصنیف کیے ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علما و مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی درس و تدریس، اشاعتِ دین اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی اور کثیر تعداد میں کتابیں لکھیں۔ میری ناقص معلومات کی حد تک علامہ عبد الحی فرنگی محلی کے بعد آپ اس خانوادے کے دوسرے کثیر التصانیف عالم و فاضل ہیں۔ آپ کی تصنیفی خدمات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ تبلیغی اسفار اور ملی و سیاسی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف رہنے کے باوجود اتنی وافر مقدار میں کتابیں آپ کے قلمِ اعجاز رقم سے کیسے وجود میں آگئیں!!

ان کی تصنیفی خدمات کے حوالے سے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

فرنگی محل (لکھنؤ) میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کو باقاعدہ مدرسہ بنا دیا، جس سے متعدد اصحابِ فکر اور اہلِ قلم طلبہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بعد اپنی تالیفات و تصنیفات کی فہرست یادگار چھوڑی ہے۔ وہ فقہِ حنفی کے پُر جوش حامی تھے اور ان کی قلمی و علمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں۔ ان کی چھوٹی بڑی تصنیفات و رسائل کی فہرست سو (100) کے قریب ہوگی، جن میں سب سے زیادہ مفید و کار آمد ان کی اردو تفسیر تھی جو افسوس کہ ناتمام رہی۔ امام محمد کی "سیر کبیر" کا کام بھی ان کے پیشِ نظر تھا۔ علم حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں۔ (یادِ رفتگاں، ص:57، ناشر: دار المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی)

تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص:116؛117 میں آپ کے مندرجہ ذیل کتب و رسائل کی فہرست پیش کی گئی ہے:-

علمِ صرف: (1) تحفة الاخوان (2) هدية الخلان (3) المنتخب (4) سلسلة الذهب (5) تسهيل الصرف (6) جامع الفوائد (7) ارتقاء الشرف (8) شرح هداية الصرف (9) شرح فصولِ اكبرى (10) مقدمة الصرف.

علمِ نحو: (11) نور الصباح شرح المصباح (12) ہدیۃ الطلبہ (13) شرح ہدایۃ النحو (14) حاشیہ الفیہ.

علمِ حکمت و فلسفہ: (15) تحفة الاصحاب (16) عين الصواب (17) حاشية النافعه على ظفرة الزاويه (18) رساله فى الهيئة القديمه و الجديده

علمِ منطق: (19) اعتصام الاذهان (20) شرح ايساغوجى (21) تقريب الاذهان.

علمِ فقہ: (22) الانصاف فى الاوقاف (23) الدرر الفاخره للذرية الطاهره (24) العمل المغفور (25) رحمة الغفور (26) خير الزاد (27) الفيض

الربانی (28) قرۃ العیون (29) حیات اولی الالباب الحظر(30)رسالہ تحقیق الجزیہ(31)إحقاق السماع (32) أحسن القربات (33)رجم الشیطان (34) غایۃ المامول (35) القول المؤید(36) کشف الحال (37) طعن السنان (38) التعلیق المختار (39) رسالہ فی مسائل الطھارۃ (40)ذب الطاعنین (41)خیر الدعاء (42) الحرز المصنون (43) رحمۃ الامۃ (44) صرع الجان (45) فتاویٰ قیام الملۃ و الدین (46) تعلیق الأزھار (47) البیان المسلم فی ترجمۃ الکلام المبرم فی نقص القول المحکم (48) العمل الماجور بترجمۃ المبرور فی رد القول المنصور (49) الحج المغفور فی ترجمۃ السعی المشکور فی المذھب الماثور(50) محاسنِ جمیلہ(51) سوق الإیمان (52) رسائل متعلق ذبیحہ (53) الإصلاح

علمِ فرائض :(54)کتاب الفرائض(55) حاشیۂ سراجیہ (56) الاظھار فی توریث الاماء و الاصھار

علمِ کلام:(58)غایۃ الکلام(59)زبدۃ الفرائد (60) کتاب العقائد (61) سائنس و کلام

اصولِ فقہ:(62) ملھم الملکوت شرح مسلم الثبوت (63) نھایۃ الانکشاف فی درایۃ الاختلاف (64) اعجاز الابصار شرح المنار

علمِ حدیث :(65) الآثار المحمدیہ(66) الآثار المتصلۃ (66) الدرۃ الباھرہ فی الاحادیث المتواترہ (67) شفاء الصدور (68) راحۃ الفواد (69) الارشاد فی الاسناد (70) الباقیات الصالحات (71) الھیاکل المعنو یہ فی شمائل النبو یہ (72) أربعینِ حدیث (73) آثارالامامۃ (74)الاربعین الزاجرہ فی الحوادث الحاضرۃ (75) الذھب المؤید فی ما ذھب الیہ احمد (76) ھدیۃ الطیبہ لصلۃ ابن شیبۃ (77) الذب عن ابی حنیفۃ (78) .... بہ ابن قتیبۃ

علمِ تفسیر: (79) فیض القادر تفسیر آیۃ الغافر (80) بیان القرآن (81) تفسیر الطاف الرحمٰن

سیرت و سوانح : (82) تنویر الصحیفہ (83) شھادت الحسین (84) تنشیط الحبین (85) رسالہ فی الوفات (86) رسالہ فی المعراج (87) مختصر التاریخ (88) اصول التاریخ (89) الآثار الاول (90) (91) تحفۃ الاخلاء (92) (93) جلاء الابصار (94) (95) الھدیۃ المنیفۃ (96) الرحلۃ الوافیۃ (97) الرحلۃ الحجازیۃ (98) حیرۃ المستر شد لوصال المرشد (99) عرس حضرت بانسہ (100) ملفوظ حضرت سید السادات (101) مقدمۃ التعلیق المختار علی کتاب الآثار (102) تسھیل المنھج فی أسماء رجال کتاب الحج (103) مقدمہ حاشیۂ سیر صغیر و سیر کبیر.

تصوف و سلوک : (104) افضل الشمائل (105) سبیل الرشاد (106) رسالۂ نصیحت (107) رسالۃ التوبۃ (108) نظم الفرائد (109) محاسنِ یوسفی (110) حاشیۂ فصوص الحکم (111) رسالۂ اذکار و اشغال (112)

علمِ ادب : (113) حاشیۂ حماسہ (114) شرحِ قصیدہ بردہ

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ان تصانیف کے علاوہ مختلف **کتبِ درسیہ پر حواشی** ہیں۔ جیسے :(115) حاشیۂ شرحِ سلم قاضی، (116) حاشیۂ میر زاہد، (117) حاشیہ علیٰ حاشیہ غلام یحییٰ بہاری ، (118) حاشیۂ شرحِ ہدایت الحکمت ، (119) حاشیۂ شمسِ بازغہ ، (120) حاشیۂ نور الانوار، (121) حاشیۂ اصول بزدوی ، (122) حاشیۂ شرحِ مشکوٰۃ اور (123) رسالۂ سائنس و کلام جس کی 34/جلدیں ہیں اور ان میں سے صرف ایک جلد شائع ہوئی ہے۔

اہلِ علم و قلم سے دردمندانہ گذارش :

اسلافِ کرام کے علمی سرمایے کی حفاظت ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ زندہ قوم اپنے بزرگوں کی علمی، ادبی اور تحقیقی کاوشوں کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اربابِ علم و قلم کی بارگاہ میں دست بستہ گذارش ہے کہ وہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے مذکورہ بالا کتب و رسائل کو زمانے کی دست برد سے بچائیں۔ انہیں از سرِ نو ایڈٹ کریں اور ضرورت کے مطابق ان کا ترجمہ و تشریح و تسہیل و تخریج کر کے منظرِ عام پر لائیں۔ ☆☆☆☆

خیر الاذکیا کے علمی افادات

محمد شمیم اختر مصباحی (اڈیشا)

خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ (سرپرست اعلیٰ مرکزی دار القراءت، جمشید پور) 29 دسمبر 2020 منگل کو مرکزی دار القراءت میں تشریف لائے، تقریباً ایک ہفتہ حضرت کا قیام رہا اور 5 جنوری منگل کو رات میں مبارک پور کے لیے روانہ ہوئے۔

اس دوران حضرت کی بارگاہ میں متعدد بار حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور مختلف امور پر حضرت کے ارشادات وافادات سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ چند افادات اپنی یادداشت پر افادۂ عام کی غرض سے پیش ہیں:

افادہ:(1) میں نے عرض کیا کہ حضور! فتاویٰ رضویہ میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد: "للإنس مشائخ و للجن مشائخ و للملائكة مشائخ و أنا شيخ الكل "اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نقل فرمایا ہے اس کی وضاحت فرمادیں۔

حضرت نے فرمایا: عامہ ملائکہ پر عامہ بشر یعنی اولیا وصالحین کو فضیلت حاصل ہے اس طرح حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عامہ ملائکہ سے افضل ہونا محل نظر نہیں۔

اس پر مولانا جمال صاحب نے عرض کیا: حضور! فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت کی تشریح وترجمہ کے مطابق "مرشد" کے معنی متعیّن ہورہے ہیں، پھر "أنا شيخ الكل" کا کیا مفہوم ہوا؟

حضرت نے ارشاد فرمایا: ہاں، حضور غوث پاک کی مجلس وعظ میں ملائکہ بھی حاضر ہوتے، ان سے فیض لیتے، اور وہ انس وجن اور ملائکہ سب کے مرشد اور شیخ تھے اور اس معنی کی طرف کئی احادیث میں اشارہ ہے کہ مجلس ذکر میں فرشتوں کی تشریف آوری ہوتی ہے۔

افادہ:(2) "روپیہ اور ثواب جمع نہیں ہوسکتے"

ایک موقع سے مولانا جمال صاحب نے ایصال ثواب سے متعلق سوال کیا کہ کسی نے ایک پارہ تلاوت کیا اور سو لوگوں کو بخشا، کیا سو لوگوں کے ساتھ ساتھ قاری کو بھی برابر ثواب ملے گا؟

حضرت نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کے تعلق سے یہ منصوص ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو سب کو برابر ملے گا، البتہ مالی صدقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کے ایک رسالہ "نصرة الأصحاب بأقسام إيصال الثواب" کا حوالہ دیا۔

میں نے رسالہ دیکھا تو اس میں ملک العلما علیہ الرحمۃ نے "اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا" کے تحت متعدد احادیث کریمہ نقل کی ہیں، دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

حدیث:(1) "دار قطنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے۔" (ص:148)

حدیث:(2) "عبد العزیز خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰسین پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے، جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں، ان کی تعداد کے برابر اس شخص کو نیکیاں ملیں گی۔" (ص:150)

پھر مدارس میں رائج قرآن خوانی کا تذکرہ ہوا تو حضرت نے ارشاد فرمایا: جب اجرت لے لی تو پھر کیا لینا اور مسکراتے ہوئے فرمایا **"ثواب اور روپیہ جمع نہیں ہوسکتے"**۔

ایک مجلس میں حضرت نے دعا میں رائج ایک غلطی کی طرف اشارہ کیا، فرمایا: ایک صاحب دعا کرتے تھے، اے اللہ! اس کا ثواب میں نے فلاں فلاں کو پہنچایا، قبول فرما۔

حضرت نے فرمایا: پہلی چیز ہے رب کی بارگاہ میں قبول ہونا، اس کے بغیر ہمارے کسی عمل کا کوئی شمار نہیں، پھر وفات یافتہ حضرات تک ثواب پہنچانا یہ بھی ہمارے بس میں نہیں، رب ہی پہنچانے والا ہے۔ دعا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے عمل خیر کو قبول فرما اور اپنی شان کریمی کے مطابق اس پر اجر و ثواب عطا فرما، پھر وہ ثواب ہماری طرف سے فلاں فلاں کو پہنچا۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اجارہ علی الطاعہ کو متاخرین نے جائز قرار دیا ہے تو مدارس دینیہ کی تدریس کا ثواب نہیں ملے گا جبکہ اساتذہ اتنی محنت سے پڑھاتے ہیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا: جواز الگ ہے، ثواب الگ ہے، ثواب چاہتے ہیں تو اجارہ وقت کا کریں اور حسن نیت رکھیں۔

ناشتہ کا وقت ہو گیا اور مجلس برخاست ہوگئی۔ اس مجلس میں مفتی شاہد صاحب، مفتی امام الدین صاحب، مولانا انتخاب صاحب، مولانا جمال صاحب، مولانا امین الدین صاحب اور راقم الحروف موجود تھے۔

افادہ: (3) "حضور ﷺ کی ضمیر غائب میں "آپ" کے بجائے صفاتی اسما لکھنا چاہیے۔"

میں نے "کتاب الاربعین فی مناقب امہات المومنین" کا اردو ترجمہ حضرت کی بارگاہ میں پیش کیا، حضرت نے سرسری نگاہ ڈال کر فرمایا: کتاب کو آپ نے آپ آپ سے بھر دیا ہے۔

میں نے حضور اقدس ﷺ کے لیے ضمیر غائب کا ترجمہ عام طور پر "آپ" سے کیا تھا۔ مثلاً قال کا ترجمہ "آپ ﷺ نے فرمایا"۔

اس پر حضرت نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ غیروں کی ایجاد ہے، سو سال پہلے کی ہماری کتابوں میں یہ نہیں ہے۔ اعلی حضرت قدس سرہ العزیز، کی تحریروں میں آپ کو صفاتی اسما مثلاً حضور ﷺ، رسول اللہ ﷺ یا سرکار اقدس ﷺ۔ وغیرہ ہی ملیں گے۔ اعلی حضرت قدس سرہ سے قبل کے اردو اساتذہ کو بھی دیکھیے، ان کے یہاں بھی غائب معظم لیے "آپ" کہیں نہیں ملے گا، "آپ" کی وضع مخاطب معظم کے لیے ہے۔

افادہ: (4) مدیر ایسا ہونا چاہیے جو ماہنامہ کا پیٹ بھر دے۔

ایک نشست میں حضرت مفتی شاہد رضا مصباحی صاحب نے علم حدیث پر مشتمل رسالہ کا خاکہ اور کالمز حضرت کو دکھایا، حضرت نے پسند کیا اور فرمایا: دس گیارہ افراد کی ٹیم ہو جو مستقل لکھے۔ اسی دوران حضرت مولانا طارق انور مصباحی صاحب نے ماہنامہ پیغام اسلام (دہلی) کے فلاح و نجات نمبر کی فہرست مضامین حضرت کی خدمت میں پیش کی، حضرت نے ملاحظہ کی۔ اسی مجلس میں مولانا انتخاب مصباحی نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ اس میں زیادہ تر مضامین تو آپ ہی کے ہوتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا: مدیر ایسا ہی ہونا چاہیے جو ماہنامہ کا پیٹ بھر دے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے جام نور میں مختلف کالمز بنا لیے تھے اور خود ہی اس کے اکثر کالم بھر دیتے تھے۔ ☆☆☆

(ص: 26 کا بقیہ)اور پانی کو پینے کے لائق رکھنے کے لیے نہ ہی حکومت کوئی موثر کوشش کر رہی ہے اور نہ ہی عام آدمی۔ ہر ندی کے کنارے بسنے والی آبادی کے لوگ اپنے گھروں کا کچرا بلا دریغ ندیوں میں بہا رہے ہیں اسی طرح کل کارخانے اور فیکٹریاں بھی اپنا زہریلا پانی ندیوں میں بہا رہے ہیں، جس سے ندیوں کا پانی زہریلا ہو گیا ہے یہاں تک کہ بعض ندیوں کی مچھلیاں تک بھی زہریلی ہوگئی ہیں جن کو کھانے سے طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟ بچی کھچی کسر جنگلوں کی کٹائی ہونے سے برسات ہونے پر پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ مٹی کے کٹاؤ اور بہاؤ سے دریاؤں کی گہرائی کم اور چھوٹی ہو گئی ہیں، جس سے بہت طرح کے نقصان ہو رہے ہیں۔ تھوڑی بارش ہوئی کہ سیلاب وبال جان بن جاتا ہے ہر سال سینکڑوں انسانوں سمیت مویشیوں کی جانیں چلی جاتی ہیں، نیتا حضرات بیان بازی کرتے اور لاشوں پر سیاست کرتے ہیں۔ بہار، آسام، گجرات وغیرہ اس کی مثال ہیں، بارش کا پانی ختم ہوا دریاؤں کا پانی نچلی سطح پر پہنچ جاتا ہے اور گرمی شروع ہوئی نہیں کہ پانی کا ہاہاکار مچ جاتا ہے، ہے کیا کوئی اس کی دوا، بتلائے تو ہمیں؟ ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے حصے کا کردار نبھائے صرف حکومتوں پر منحصر رہنا بے وقوفی اور نادانی ہے۔

رب کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کریں: رب تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں جنگل، ندیاں وغیرہ کی قدر کریں ورنہ بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔ ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اتارا تو اس کے ذریعے تمھارے کھانے کے لیے کچھ پھل نکالے اور کشتیوں کو تمھارے قابو میں دے دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور دریا تمھارے قابو میں دے دیے۔

(القرآن، سورہ، ابراہیم: 14، آیت 32)

کتنی بڑی بڑی دریاؤں کو رب نے انسانوں کے قابو میں دے دیا یہ اس کا فضل عظیم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (1) آسمانوں کو پیدا کرنا (2) زمین کو پیدا کرنا (3) آسمان سے پانی اُتار کر اس کے ذریعے اپنی مخلوق کو پانی، کھانا وغیرہ دینا۔ (4) کشتیوں کو لوگوں کے قابو میں دینا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا میں چلیں (5) دریا انسانوں کے قابو میں دینا (6) لوگوں کو بہت کچھ ان کی منہ مانگی چیزیں دینا وغیرہ وغیرہ، قرآن مجید میں پانی کے بارے میں مختلف طرح سے 95 جگہوں میں بیان آیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو پانی کی اہمیت سمجھنے اور اس کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

محقق بریلوی ایک ماہر لغوی

ابن جیلانی ماتریدی

وسعت و جامعیت کے علاوہ گوناگوں خصوصیات کی حامل عربی زبان کو یہ شرف حاصل ہے کہ معبودِ برحق کی طرف سے بندوں کو ملنے والے کامل دستورِ حیات کے پیرایۂ اظہار کے لیے عربی زبان کا انتخاب کیا گیا، اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ"

ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اُسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو۔

(پ25، سورۃ الزخرف:3)

یوں ہی برزخ مابین خالق و مخلوق سِرّ کن فیکون نبی آخر الزمان ﷺ کی زبان بھی عربی قرار پائی۔ اس کے علاوہ فقہ کی روایت عربی میں ہے، علم کلام کی جڑیں عربی میں پیوست ہیں۔ سیرت طیبہ اور اسلامی تاریخ کا بہترین زمانہ عربی مرکز ہے، عربی کے علاوہ دنیا کی کسی بھی زبان میں اسلام پر مستند کام ہوا ہے تو وہ بھی عربی سے واقفیت کا نتیجہ ہے۔ یعنی دینِ اسلام میں عربی زبان اساسی اہمیت کی حامل ہے۔

بیسیوں علوم و فنون میں نہ صرف مہارت تامّہ بلکہ ہر ایک میں تصنیف رقم کرنے والی برصغیر کی عظیم علمی، فکری و روحانی شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان اور عربی لغت میں بھی ژرف نگاہی سے متّصف تھی۔ عربی لغت میں محقق بریلوی کی گہرائی و گیرائی پہ گفتگو سے قبل ہم علم لغت کا تعارف و اہمیت پیش کرتے ہیں۔

لغت و علمِ لغت کی تعریف:

ابن جنی کہتے ہیں کہ "لغت ایسی آوازوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعے اقوامِ عالم اپنی اغراض کو تعبیر کرتی ہیں"، اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک "ہر اس لفظ کو جو کسی معنٰی کے لیے وضع کیا گیا ہو" لغت کہتے ہیں۔ (السیوطی: المزھر فی علوم اللغۃ، 2، 11/1، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علمِ لغت کہتے ہیں "مجرد الفاظ کے معانی معلوم ہونا۔"

(المؤید باللہ، یحیٰ بن حمزۃ: الطراز لأسرار البلاغۃ وعلوم حقائق الاعجاز 14/1 المکتبۃ العنصریۃ، بیروت. شاملہ)

اور بدر الدین محمد زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عربی الفاظ کے مدلولات ذاتیہ کی تحقیق کرنے کو علم لغت (عربیہ) کہتے ہیں۔" (ملک العلما، ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت، ص77 مرتبہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی)

علمِ لغت کا مقصد و غایت عربی کلمات کے مفہوم سے واقفیت حاصل کرنا اور ان کے اصلی معانی کے فہم میں خطا سے بچنا ہے۔

(بدر الدین، محمد زرکشی: البحر المحیط فی اصول الفقہ، 45/1۔ شاملہ)

علم لغت کی ابتدا کے متعلق شیخ احمد حسن زیات لکھتے ہیں:

"جب عربی زبان بولنے میں لوگوں نے اعراب کی غلطیاں کیں تو علما نے وہ قوانین بنائے جن سے ان خامیوں کا ازالہ ہو جائے، لیکن اس سے بھی زبان ٹھیک نہ ہوئی اور خامیاں باقی رہیں۔ اب زیادہ غلطیاں الفاظ کی ساخت اور ان کے استعمال میں ہونے لگیں چنانچہ علما نے کتاب اللہ اور عربی زبان کی حفاظت کے لیے الفاظ کو لکھ کر ضبط کر لینے کی کوششیں کیں، کسی خاص موضوع یا عنوان کے تحت جمعِ الفاظ کا سلسلہ پہلے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن باضابطہ طور پر تدوینِ لغت کی ابتدا خلیل بن احمد لغوی (المتوفی 174ھ) کی "کتاب العین" سے ہوتی ہے۔ (الزیات: احمد حسن، تاریخ الادب العربی، ص370، 371)

اسلام میں علمِ لغت عربیہ کی اہمیت:

یہ علم علومِ آلیہ سے تعلق رکھتا ہے کہ اسلام کے بنیادی ماخذ (قرآن و سنت) عربی زبان میں وارد ہوئے ہیں تو ان کا فہم بھی علمِ لغت عربیہ پہ موقوف ہو گا اتنی بات سے ہی اس کی اہمیت سمجھی جا سکتی ہے۔ مزید ارشاداتِ ائمہ ملاحظہ ہوں:

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علم لغت دین (کی اساسیات میں سے) ہے، کیوں کہ اسی کے ذریعے قرآن و حدیث کے معانی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ فارابی دیوانِ عرب کے خطبے میں لکھتے ہیں: قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے جس میں بندوں کی معاش و معاد سے متعلق مصلحتوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے اور

ریسرچ اسکالر الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی

اس کلام اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم اور ادراکِ معانی کے حصول کی طرف عربی لغت میں تبحر حاصل کیے بنا کوئی راہ نہیں، کسی اہلِ علم کے اشعار ہیں:

حفظ اللغات علينا
فرض كفرض الصلاة
فليس يُضْبط دين
إلا بحفظ اللغات

عربی لغات کی حفاظت بھی ہم پر نمازوں کی طرح فرض ہے، کیونکہ اس حفاظت کے بِنا دین مرتب نہیں ہوسکتا۔(السيوطی: المزهر فی علوم اللغة، دار الكتب العلميه، بيروت شامله)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مفتی مجتہد کے لیے علم لغت ضروری ہے کیونکہ شرعی ماخذ کا متن عربی الفاظ پہ مشتمل ہے، علمِ لغت جاننے سے مراد یہ ہے کہ عربی کلام سمجھنے میں اسے کاملیت حاصل ہو صرف کتابوں کی طرف مراجعت کافی نہیں ہے کیونکہ وہاں تو صرف الفاظ کے معانی لکھے ہوتے ہیں حالانکہ سیاق و ترتیبِ کلام سے مفہومی معانی سمجھنے کے لیے کاملیت ضروری ہے۔

(الغزالی، محمد بن محمد: المنحول من تعليقات الاصول، ص 572)

مذکورہ بالا عبارات سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فہمِ قرآن و حدیث اور تفقہ کے لیے لغت عربیہ کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

لغت عربیہ اور محقق بریلوی: یہ علم محقق بریلوی نے اپنے والد گرامی رئیس المحققین مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔

(پروفیسر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ: حیات احمد رضا)

عربی لغت میں محقق بریلوی کے تبحر کی دلیل کے طور پر دو درجن سے زائد جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ ہی کافی ہے، ماقبل میں امام غزالی کے حوالے سے نقل کردہ اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی کے لیے لغتِ عربیہ کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا محقق بریلوی کا ہر فتویٰ آپ کی لغت عربیہ میں مہارت پر دلیل ہے۔ جبکہ اس فن پر محقق بریلوی نے تصانیف بھی بطورِ یادگار چھوڑی ہیں:

1۔ حاشیہ علیٰ تاج العروس: موجودہ اور قدیم لغات میں سے ضخیم ترین لغت ''تاج العروس'' سید مرتضیٰ حسن زبیدی بلگرامی یمنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1205ھ) کی مشہور تصنیف ہے جو کہ جواہر القاموس کی شرح ہے، اس کی پہلی، دوسری، چوتھی، ساتویں اور آٹھویں جلد کے مختلف مقامات پر محقق بریلوی کے حواشی موجود ہیں، چوتھی اور ساتویں کے علاوہ ہر جلد کے حواشی درجن سے زائد ہیں۔ یہ حواشی کل بارہ صفحات پر مشتمل ہیں۔ تاج العروس پہ حواشی رضویہ مختلف طرز پر ہیں، حضرت بلگرامی نے اصل متن ''جواہر القاموس'' پر استدراک کو بھی اختیار کیا تھا یعنی کسی لفظ کے مزید معانی بیان یا مترادفات وغیرہ بیان کر دیتے ہیں، محقق بریلوی کے حواشی میں یہ بھی یہ انداز موجود ہے حضرت بلگرامی کے استدراک پر استدراک کرتے ہوئے چند اور معانی وغیرہ نقل فرما دیتے ہیں، یوں ہی مبہم کی وضاحت کر دیتے ہیں اور بعض مقامات پر تائید میں آیتِ قرآنیہ، حدیث مبارکہ کا جزیا شعر نقل فرما دیتے ہیں۔ ایک مقام پہ استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول خنزر بمعنی خنزیر بھی آتا ہے پھر اپنی تائید میں ابو الطوق کا اپنی زوجہ کی ہجو میں کہا گیا شعر نقل فرماتے ہیں:

جاموسة وفيلة وخنزر
وكلهن فی الجمال شغفر

یعنی بھینس، ہتھنی اور خنزیر سبھی حسن و جمال میں میری بیوی شغفر جیسی ہیں۔

2۔ الفتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی والمخطی، اس رسالے میں خاطی اور مخطی کے معنی میں پائے جانے والے فرق کی تحقیق کی گئی ہے۔ (عبد الستار سعیدی: مراۃ التصانیف، ص 157)

3۔ حاشیہ علی الصراح ترجمة الصحاح: الصحاح عربی لغت ہے جس کے مصنف اسمٰعیل جوہری (المتوفی 393ھ) ہیں، جبکہ اسی کا فارسی ترجمہ ابو الفضل محمد بن عمر قرشی نے الصراح کے نام سے کیا تھا، محقق بریلوی کا حاشیہ اسی صراح پر ہے۔

تصانیف کے علاوہ فتاویٰ رضویہ میں مختلف سوالات کے ضمن میں بھی محقق بریلوی نے لغت عربیہ پر تحقیقات انیقہ فرمائی ہیں جیسا کہ سوال ہوا کہ ایک شخص آیتِ قرآنی میں موجود لفظ ''رجفۃ'' کا معنی کڑکڑانا کرتا ہے، جس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں: رجفۃ کے معنی یہ کڑکڑانا محض باطل و بے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افترا۔

(بریلوی، احمد رضا: فتاوی رضویہ، 260/26)

چوبیسویں جلد میں ایک سوال کے جواب میں عبد اور بندہ کے معنیٰ کی تحقیق، اسی جلد میں دوسرے مقام پر ایہام اور احتمال کے فرق کی تحقیق کے ،..... **(باقی، ص:65 پر)**

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور فنِ اصولِ تخریج

محمد گل فراز مدنی عطاری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 70 سے زائد علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ بہت ساری کتب علوم حدیث آپ کے زیر مطالعہ رہی تھیں۔ حدیث کی تخریج، صحت، ضعف اور وضع پر گہری نظر تھی اور آپ کے سامنے علوم حدیث کی بے شمار جہتیں تھیں۔ ان ہی جہتوں میں سے حدیث کی تخریج اور اس کے اصول بھی ہیں۔ حدیث کی تخریج فن علم حدیث کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور ہم محدثین کرام کی بڑی تعداد کو اس فن کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ منقول ہے کہ امام ابوعبداللہ الحاکم (وفات 405ہجری)، امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (وفات 430ہجری)، امام احمد بن حسین بیہقی (وفات 458 ہجری)، خطیب بغدادی (وفات 463ہجری) فن تخریج میں پیش رو تھے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات 852ہجری) کی کتاب "تلخيص الحبير في أحاديث الرافعي الكبير" اور امام جمال الدین زیلعی (وفات 762ہجری) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" فن تخریج کی دو اہم اور بڑی کتابیں ہیں۔ "اصول فن تخریج" کی بات کریں تو اس فن کے موجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرار پاتے ہیں۔ اسی بات کو استاذ جامعۃ الکرم برطانیہ علامہ ابوالمحاسن محمد نوید جمیل القادری نے "امام احمد رضا کی خدمات علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ" کے پیش لفظ میں بیان کیا ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس پر دلائل بھی موجود ہیں۔

فن اصول تخریج کے موجد:

فن اصولِ تخریج میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کتاب "الروض البهيج في آداب التخريج" ایک منفرد اور بے نظیر کتاب ہے۔ مولوی رحمن علی خلیفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تذکرۂ علمائے ہند" میں جب امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی اس کتاب کا ذکر کیا تو ان الفاظ سے کیا: "اگر پیش ازیں کتابے درین فن نافتہ شود پس مصنف را موجد تصنیف ہذامی تواں گفت" ترجمہ: اگر اس سے پہلے اس فن میں کسی نے کتاب نہ لکھی ہو تو مصنف (اعلیٰ حضرت) کو اس فن کا موجد کہا جاسکتا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص17، امام احمد رضا خان کی خدمات علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، پیش لفظ، ص14) بعد والوں میں فن اصول تخریج کے حوالے سے نمایاں طور پر دو شخصیتوں کا نام اور ان کی کتابوں کا ذکر آتا ہے:

(1) علامہ شیخ سید احمد بن محمد حسنی ادریسی غمازی مغربی اور ان کی کتاب "حصول التفريج بأصول التخريج" ہے اور

(2) ڈاکٹر محمود طحان اور ان کی کتاب "أصول التخريج و دراسات الأسانيد"۔

یہ دونوں حضرات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے بعد کے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں حضرات اپنی اپنی کتاب کو فن اصول تخریج میں پہلی کتاب گردانتے ہیں اور خود کو اس فن کا موجد قرار دیتے ہیں۔ اسی بات کو محقق علامہ ابوالمحاسن محمد نوید جمیل القادری بیان کرکے لکھتے ہیں: دونوں حضرات کے تصور میں یہ دعویٰ خالی از دلیل نہیں بلکہ استقصائے تام، تلاش و جستجو، تفتیش کے بعد بحث و فحص سے بھی اس فن اصول تخریج کے لیے کتاب تو کجا کسی کتاب کا نام تک نہیں ملتا۔ سید غمازی صاحب کی عبارت میں تو اس فن کے اصول کے اشارات تک نہ ملنے کی تحقیق ہے۔ اب دونوں حضرات کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

ڈاکٹر محمود طحان کی عبارت: رہی بات "اصول تخریج" کی تو میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی شخص نے ان ابحاث کا ذکر کیا ہو یا اس فن میں کوئی تصنیف موجود ہو، نہ زمانہ قدیم میں اور نہ ہی زمانہ حال میں۔

(اصول التخریج و دراسات الاسانید، صفحہ 5)

سید غمازی کی عبارت: اس فن اصول تخریج کی اصل اور بنیادوں کو کوئی شخص نہیں پہنچا اور نہ کوئی اس طرف متنبہ ہوا کہ اس فن میں کچھ تالیف کرے اور اس کی فصلوں کو ترتیب دے۔ میرے علم میں نہیں کسی نے اس فن میں کوئی مستقل تصنیف کی ہو اور نہ مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں علم ہے جس نے اس فن کے اصول کو علیحدہ سے جمع کیا

ہو بلکہ اس کے قواعد کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا۔(حصول التفریج باصول التخریج، صفحہ 11)

(امام احمد رضا خان کی خدمات علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، پیش لفظ، ص 15 تا 16 مع تصرف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ہی اس فن اصول تخریج کے موجد ہیں کیونکہ آپ کی تصنیف "الروض البهيج فی آداب التخريج "ان دونوں حضرات کی تصانیف سے پہلے کی ہے۔

فن اصول تخریج میں مہارت:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی فن اصول تخریج سے واقفیت اور مہارت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ علامہ ابن عابدین شامی (وفات 1252 ہجری) علیہ الرحمۃ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "رد المحتار" کے باب الاذان میں ایک حدیث پاک ذکر فرمائی اور اس کے بعد فرمایا: قَدْ اَخْرَجَ السُّیُوطِي یعنی اس حدیث پاک کی تخریج امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے "جد الممتار علی رد المحتار" میں فرمایا: لفظ "اَخْرَجَ" غیر محل میں ہے کیونکہ یہ محدثین کے ہاں روایت کے معنیٰ میں ہے جس کے ساتھ سند ہوتی ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ سند کے ساتھ روایت ذکر نہیں کرتے لہٰذا اولیٰ یہی تھا کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ "اَخْرَجَ" کی جگہ "نَقَلَ" یا "ذَكَرَ" یا "اَوْرَدَ" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ذکر کرتے۔(جد الممتار، جلد 3، ص 72 مکتبۃ المدینہ)

تخریج اور فن اصول تخریج سے آگاہی رکھنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کتابوں اور ان کے مصنفین اور مؤلفین کے بارے میں آگاہی رکھے تاکہ حوالہ دینے میں غلطی نہ کر بیٹھے۔ اس میدان میں بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ امام طحطاوی علیہ الرحمۃ نے در مختار کے حاشیہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ بزار اور طیالسی نے بھی اسے روایت کیا اور طبرانی نے بھی حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں اسے بیان کیا، یہ بات المقاصد الحسنہ میں ہے۔ اس حاشیہ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بھی (رد المحتار میں) اسی طرح "المقاصد الحسنة" کے حوالے سے بلا تبصرہ نقل فرمایا حالانکہ حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم کی تصنیف ہے، حافظ ابو قاسم سلیمان طبرانی اس کے مؤلف نہیں ہیں۔(تعلیقات رضا، ص 162)

حوالہ جات کے رموز اور اشارات سے واقفیت:

تخریج اور فن اصول تخریج جاننے والے کو عبارت کے حوالے کے لیے استعمال ہونے والے رموز اور اشارات سے واقف ہونا بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس حوالے سے بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ بے مثال ہیں۔ صاحب قنیہ ایک مسئلہ ذکر کرتے ہوئے "کص"، "مت" اور "قع" کے حوالے دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ان رموز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "کص" سے مراد رکن الائمہ صباغی ہیں، "مت" سے مراد مجد الائمہ ترجمانی ہیں اور "قع" سے مراد قاضی عبد الجبار ہیں۔(جد الممتار، جلد 3، ص 53 مکتبۃ المدینہ)

مدارج کتب سے واقفیت:

فن اصول تخریج سے واقفیت رکھنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مدارج کتب کو جانتا ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ فلاں کتاب کس درجہ کی ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے۔ کتب فقہ میں ہے تو کیا وہ متن ہے، شرح ہے یا فتاوی میں سے ہے اور کتب حدیث میں سے ہے تو کیا وہ صحاح میں سے یا سنن میں سے یا پھر مسانید وغیرہ میں سے ہے ان میں سے پہلے کسے فوقیت حاصل ہے اور پھر کسے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس حوالے سے بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں: میرے نزدیک فقہ میں (کُتبِ) متون، شرح اور فتاوی کا حال وہی ہے جو حدیث میں (کُتبِ) صحاح، سنن اور مسانید کا حال ہے۔(فتاوی رضویہ، 4/208 تا 211) یعنی جس طرح کتب احادیث میں پہلا درجہ صحاح پھر سنن کا اور پھر مسانید کا ہے یونہی کتب فقہ میں پہلا درجہ کُتبِ متون پھر کُتب شروح اور پھر کتب فتاوی کا ہے۔ اسی مقام پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے متون، شروح اور فتاوی کی بہت سی کتابیں گنوائی یوں ہی صحاح، سنن اور مسانید کی بہت سی کتابوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ کون سی کتب متون شامل ہیں اور کون سی نہیں، کن کتب کا درجہ شرح کا ہے اور کن کا فتاوی کا۔ کون سی کتب ضعیف ہیں اور کون سی مستند، صحاح میں کون سی کتب شامل ہیں اور کون سی نہیں اور اسی طریقے سے کتب سنن اور مسانید کا تذکرہ فرمایا۔ اتنا کچھ ذکر کرنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس سے متعلق پوری بحث کا جسے شوق ہو وہ میرا رسالہ "مدارج طبقات الحدیث" ملاحظہ کرے۔(فتاوی رضویہ، 4/208)☆

امام احمد رضا اور حفاظتِ اعمال

مفتی نثار احمد مصباحی

یہ مسلّمات میں سے ہے کہ نیتوں میں پاکیزگی اور ارادوں میں اخلاص ہی سے کوئی عمل قبولیت کے لائق ٹھہرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی بارگاہِ الٰہی تک رسائی کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لیے مومن کا ہر عمل ہمیشہ "اللہ کے لیے" ہونا چاہیے اور بندے کو اپنے ہر عمل سے پہلے "تحسینِ نیت" کا بہر حال خیال رکھنا چاہیے۔ بلکہ عمل کے دوران اور اس کے بعد بھی اپنے اس نیک عمل کی حفاظت کرنا چاہیے۔ یعنی عمل کے آغاز میں "تحسینِ نیت" کے ساتھ عمل کے دوران اور اس کے بعد "نیت اور عمل کی حفاظت" بھی ایک نہایت ضروری چیز ہے تاکہ دورانِ عمل یا عمل کے بعد اسے اکارت کرنے والی کوئی چیز کسی طرف سے نہ آنے پائے۔

کوئی عملِ خیر کرنے کے بعد بہت سارے ایسے مواقع آتے ہیں جب ریا، یا سمعہ، یا اور کسی وجہ سے اس عمل کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات انسان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

ریا اور سمعہ عمل سے پہلے، عمل کے دوران اور عمل کے بعد بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر عمل صرف ریاکاری اور "سمعہ" (یعنی یہ خواہش کہ لوگوں میرے اس عمل کا چرچا کریں اور اچھا سمجھیں) ہی سے ضائع نہیں ہوتا اس کی دوسری وجوہات بھی ہوتی ہیں، مثلاً صدقہ دے کر یا بھلائی کر کے احسان جتانے، یا صدقہ لینے والے کو اذیت دینے، یا اپنے عمل کی جزا کسی مخلوق سے چاہنے یا کسی کے تحفے وہدیے کو اپنے اسی عملِ خیر کا صلہ و بدلہ سمجھنے سے بھی عمل کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ کفر و شرک و نفاق وغیرہ کی وجہ سے جو اعمال اکارت ہوتے ہیں، ان پر گفتگو نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی سیرت و سوانح اور تحریرات کے مطالعے سے یہ چیز بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ وہ تحسینِ نیت کے ساتھ حفاظتِ اعمال کا بھی ہمیشہ خیال رکھتے اور اس پر زور دیتے تھے۔ بحرِ تصوف کا ایک شناور ہونے کی وجہ سے وہ تمام باریکیوں سے واقف تھے اور اسی لیے نفس اور شیطان کی تمام چالوں سے اپنے اعمال کی حفاظت فرماتے تھے۔ بلکہ وہ ان دروازوں کو پیشگی بند کر دیتے تھے جن دروازوں سے ہمارا ازلی دشمن شیطانِ لعین ہمارے کیے ہوئے اعمال کا ثواب ضائع کرنے کے لیے حملہ آور ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امامِ اہلِ سنت اپنے کسی عمل یا فتویٰ نویسی یا تصنیفی کام پر اہلِ دنیا میں کسی سے نہ تو جزا و انعام کے کبھی خواہش مند ہوئے اور نہ پذیرائی اور تحفہ و بدل کے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک لِوَجہِ اللہ فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کرتے رہے اور کبھی اس پر اجرت اور دنیوی منفعت کا خیال بھی دل میں نہیں آنے دیا۔ دور دراز سے آئے ایک استفتا میں مستفتی نے فتوے کی فیس کی بات کی، تو اس کے سوال کا جواب دینے کے بعد آخر میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں، یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہ تعالیٰ تمام ہندستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمد للہ تعالیٰ حضرت جدامجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس 1337ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے (91) برس، اور خود اس فقیر-غفرلہ- کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے اکاون (51) برس ہونے کو آئے، یعنی اس صفر کی 14 تاریخ کو پچاس (50) برس چھ (6) مہینے گزرے۔ اس نو (9) کم سو (100) برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں۔ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و دَنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ ایک مرتبہ ایک صاحب امامِ اہلِ سنت کے پاس آئے، اور خدمت میں بدایونی پیڑوں کی ہانڈی پیش کی۔ آپ نے فرمایا: کیسے تکلیف فرمائی؟

انھوں نے کہا کہ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اعلیٰ حضرت جوابِ سلام فرما کر کچھ دیر خاموش رہے، اور پھر دریافت فرمایا: کوئی کام ہے؟

انھوں نے عرض کی: کچھ نہیں، حضور! محض مزاج پُرسی کے لیے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا: عنایت و نوازش۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا: کچھ فرمائیے گا؟

انھوں نے پھر نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے وہ شیرینی مکان میں بھجوا دی۔ اب وہ صاحب تھوڑی دیر بعد ایک تعویذ کی

محلہ موتی نگر، خلیل آباد، سنت کبیر نگر

درخواست کرتے ہیں۔ اعلی حضرت نے کہاکہ

میں نے توآپ سے 3 بار دریافت کیا تھامگر آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ اچھاتشریف رکھیے۔ اور اپنے بھانجے علی احمد خان صاحب کے پاس سے تعویذ منگا کر ان صاحب کو عطا فرمایا اور ساتھ ہی حاجی کفایتُ اللہ صاحب (خادم) نے اعلیٰ حضرت کا اشارہ پاتے ہی مکان سے وہ مٹھائی کی ہانڈی منگواکر سامنے رکھ دی۔ اعلیٰ حضرت نے وہ مٹھائی ان الفاظ کے ساتھ واپس فرمادی:

”اس ہانڈی کو ساتھ لیتے جائیے۔ یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔ یہ سدِ باب اور ضیاعِ عمل کا دروازہ بند کرنے کی ایک مثال ہے۔ اِمامِ اہلِ سنت -علیہ الرحمہ- خلقِ خدا کی امداد، اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی صرف رضائے الٰہی کے لیے کرتے تھے۔ نام و نمود یا کسی بندے سے اس عمل پر کسی صلہ کے کبھی خواہش مند نہ ہوتے۔ اسی لیے تعویذ اور دم درود جو خدمت و افادۂ خلق کا ایک موثر اور اہم ذریعہ ہے اس پر اجرت جائز ہونے کے باوجود کبھی کسی سے کوئی اجرت نہیں لیتے تھے۔ اجرت لینا تو دور، اجرت کے شبہے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ انھوں نے آنے والے شخص کا نذرانہ قبول فرمالیا کیوں کہ نذر قبول کرنا سنت ہے۔ ان سے نہایت حکیمانہ انداز میں آنے کا مقصد بھی پوچھ لیا اور جب اطمینان ہو گیا کہ مٹھائی کا یہ برتن خالص نذرانہ ہے، اس کے بدلے یہ کسی چیز کے خواہاں نہیں ہیں تو پھر وہ مٹھائی گھر کے اندر بھجوادی۔ مگر جب انھوں نے تعویذ طلب کی تو یہ لگا کہ وہ تعویذ لینے کے لیے ہی مٹھائی لے کر آئے تھے۔ اگر اب بھی اسے قبول کر لیا جاتا تو یہ خدمتِ خلق، عوض اور صلے سے پاک نہ ہوتی، یا کم از کم اجرت و بدل ہونے کا ایک قوی احتمال ضرور رہتا۔ بلکہ اگر آپ کے دل میں یہ بات جم جاتی کہ یہ مٹھائی اسی تعویذ کے لیے ہے تو اس عملِ خیر کا ثواب ہی نہیں ملتا۔ اس لیے اپنے عملِ خیر کی حفاظت کے لیے مٹھائی کا برتن واپس کر دیا، اور انھیں تنبیہ بھی کر دی تا کہ آئندہ وہ خود بھی آگاہ رہیں اور دوسرے بھی۔ ایک بار آپ سے سوال کیا گیا کہ: میلاد شریف جس کے یہاں ہے، وہ پڑھنے والے کی دعوت کرے تو پڑھنے والے کو کھانا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر کھایا تو پڑھنے والے کو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس پر اعلی حضرت نے جو جواب دیا اسے پڑھنے سے پہلے آج کے ماحول پر غور کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ ان سے سوال کرنے والے علما و طلبہ بھی کس قدر احتیاط پسند، باریک بیں، اور نیکیوں کے معاملے میں بیدار تھے۔ امامِ اہلِ سنت نے اس سوال کا یہ جواب دیا: پڑھنے کے عوض، کھانا کھلاتا ہے تو یہ کھانا نہ کھلانا چاہئے، نہ کھانا چاہئے۔ اور اگر کھائے گا تو یہی کھانا اس کا ثواب ہو گیا اور ثواب کیا چاہتا ہے، بلکہ جاہلوں میں جو یہ دستور ہے کہ پڑھنے والوں کو عام حصوں سے دونا شیرینی وغیرہ دیتے ہیں اور بعض احمق پڑھنے والے اگر ان کو اوروں سے دونا نہ دیا جائے تو اس پر جھگڑتے ہیں۔ یہ زیادہ لینا دینا بھی منع ہے، اور یہی اس کا ثواب ہے، یہ فتوی جہاں نیکی کی حفاظت پر مہمیز کرتا ہے وہیں آج کے رائج ماحول میں اسٹیجی طبقے کو اصلاحِ نفس کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اس فتوے کی روشنی میں ہم اپنا اور اپنے سماج کا جائزہ لیں کہ نیک اعمال کا اخروی ثواب ہم لوگ کس-کس طرح ضائع کر دیا کرتے ہیں۔ انسان کی موت کے بعد دنیا میں اس کے باقی رہنے والے اعمال میں اس کی تحریریں بھی ہوتی ہیں۔ تصنیف و تالیف انسانی اعمال میں اس جہت سے بے حد اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ اس کی موت کے بعد بھی نیکی یا بدی میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ اگر خیر پر مبنی اور بندگانِ خدا کے لیے نفع بخش ہیں تو نیکیوں کا ایسا سلسلہ قائم کر دیتی ہیں جس سے بندہ اپنی موت کے بعد بھی لگاتار نفع اٹھاتا رہتا ہے۔ لیکن اگر -خدانخواستہ- شر پر مبنی ہیں تو مرنے کے بعد بھی گناہوں کا بوجھ بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس لیے قلم اٹھاتے وقت بندے کو کافی محتاط رہنا چاہیے۔ اگر اس موضوع پر لکھنے اور انصاف کرنے کی اہلیت نہ ہو یا نیت اور الفاظ آلودہ ہوں تو قلم روک لینا چاہیے۔ اس لیے قلم چلاتے وقت انسان کو کافی ہوشیار رہنا چاہیے۔ خاص طور سے اس سوشل میڈیائی دور میں جب قلم کا کام محض انگلیوں کی حرکت سے ہو جاتا ہے اور ہمارا لکھا ہوا لفظ سوشل میڈیا کے وسیع سمندر میں اس طرح پھیل جاتا ہے کہ اسے مٹانا پھر ہمارے بس میں نہیں رہتا، اس میں تو نہایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ مگر افسوس کہ بہت سے لوگوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ وہ گالی، بدزبانی، افترا، جھوٹ، اور نہ جانے کیسی کیسی برائیوں پر مشتمل تحریریں اپنی انگلیوں کی حرکت سے لکھ ڈالتے ہیں، جو سالہا سال تک باقی رہتی یا ادھر ادھر گردش کرتی رہتی ہیں اور اس طرح لکھنے والے کا یہ گناہ، گناہِ جاری بن جاتا ہے۔ بندے کی ایسی تحریر کی وجہ سے وبالوں اور مصیبتوں کا ایک پہاڑ تیار ہوتا رہتا ہے جس کا سامنا یقیناً موت کے بعد اسے کرنا ہی ہو گا۔

اللہ عزوجل سمجھ عطا کرے۔ اگر انسان کچھ لکھتے وقت اور لکھنے کے بعد اپنی نیت خالص رکھے، جو لکھے اللہ کی رضا کے لیے لکھے، اور اس پر کسی انسان سے جزا و انعام یا خلقِ خدا میں شہرت و پذیرائی کی خواہش اپنے دل میں نہ پیدا ہونے دے تو یہ بہت بڑی حصولیابی ہے۔ جس کی لاثانی اہمیت کا ہم میں سے بہتوں کو صحیح اندازہ نہیں ہے۔ پہلے بعض علمی حلقوں میں ایک جزوی رواج پایا جاتا تھا کہ اپنی نو تصنیف شدہ علمی و تحقیقی کتاب کسی حاکم و نواب یا بادشاہ کی طرف منسوب کر دی جاتی تھی، یا لکھ کر اس کا

پہلا نسخہ بادشاہ و حاکم کو تحفہ و ہدیہ کیا جاتا تھا۔ بھارت میں مسلم سلطنتوں اور نوابی ریاستوں کی بقا کے دور تک یہ ظاہرہ پایا جاتا رہا ہے۔ امام احمد رضا قادری کے دور میں بھی بہت سے مصنفین اپنی اہم تصنیفات مکمل ہونے کے بعد انہیں حکمرانوں، بادشاہوں اور نوابوں کی خدمت میں پیش کرتے یا منسوب کرتے تھے۔ اور حاکمان دنیا کی طرف سے بسا اوقات انھیں انعام و اِکرام سے بھی نوازا جاتا تھا۔ مَیں آج ہی ردِّ آریہ پر شمالی ہند کے ایک مصنف کی تقریبا 100 سال پرانی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کے ٹائٹل پر "ہدیۂ مصنف بعالی جناب فیض مآب نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن" لکھا ہوا ہے۔ مگر -میرے علم کی حد تک- امام احمد رضا نے کبھی اپنی کوئی تصنیف کسی حاکم کے نام منسوب نہیں کی، نہ اپنی کوئی تصنیف مکمل ہونے کے بعد کبھی کسی نواب و حکمراں کو تحفے و ہدیے کے طور پر پیش کی، اور نہ اپنی کسی تحریر کی خلق میں پذیرائی کی تمنا کی۔

اِرضائے خلق اور طمعِ دنیا کے لیے کچھ لکھ کر اپنے دین کو پارۂ ناں بنانے کی بات تو دور، وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے لکھی گئی تحریروں کا اہلِ دنیا کی طرف انتساب بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ شاہانِ دنیا کے دربار میں اپنی کتابوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ اور مجھ بندۂ حقیر نے تواِن سطور (اَجلی الاِعلام) سے دین کے ایک بادشاہ اور ائمۂ مجتہدین کے امام (یعنی امام ابو حنیفہ) کی خدمت گزاری کی ہے۔ اللہ تعالی اُن سے اور سبھی مجتہدین سے راضی ہو۔ تو (یہ سطریں) اگر مقامِ قبول پا جائیں تو یہی انتہائے مطلوب اور منتہائے امید ہے۔ اور اللہ پر یہ کچھ دشوار نہیں۔ بلا شبہہ یہ خدا پر آسان ہے۔ یقینا اللہ ہر شی پر قادر ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے، اور اسی کی جانب رجوع ہے۔ اور اللہ تعالی درود و سلام و برکت نازل فرمائے آقائے اکرم اور اُن کی آل و اصحاب پر۔

اتنا ہی نہیں۔ اس کے بعد کے تین جملے بارگاہِ الٰہی میں ان کی عاجزی، دلی کیفیات و جذبات اور تحریر کی قبولیت کی بیکراں چاہت پر بھی دلالت کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ اپنے رب کی رضا کے لیے کیے گئے اعمال کی ہر غیر سے حفاظت فرماتے، اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں قبولیت کے تمنائی رہتے۔ نہ مخلوقات کی رضامندی اور دنیا کی پذیرائی کے لیے کچھ کرتے، اور نہ اعمال ضائع کرنے والی چیزوں سے کبھی غافل ہوتے تھے۔ یہ امام احمد رضا کی زندگی کا وہ روشن باب ہے جو انہیں ایک عام مولوی سمجھنے والوں کو بھی دعوتِ نظارہ دیتا ہے اور ان سے نسبت و عشق کا دعوی رکھنے کے باوجود ان کے نقشِ قدم پر نہ چلنے والوں کو بھی دعوتِ عمل دیتا ہے۔ ☆☆☆

(ص:60 کا بقیہ)-الملفوظ میں غرور (بالفتح) اور غرور (بالضم) کے معنی کا فرق، منسوب الیہ کے اعتبار سے علم کے معنیٰ کی تحقیق کے علاوہ دیگر تصانیف سمیت بیسیوں مقامات پر محقق بریلوی کی لغت دانی کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں۔ آخر میں محقق بریلوی کے ایک تحقیقی فتویٰ کا تعارف پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے مطالعے سے محقق بریلوی کی لغت عربیہ میں ژرف نگاہی، گیرائی اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے:

محقق بریلوی کی بارگاہ میں سوال بھیجا گیا کہ خطبہ میں "لا یکلف اللہ نفساً الا دون وسعھا" میں لفظ "دون" کا محل کیا ہے؟ اور اس طرح سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں محقق بریلوی فرماتے ہیں: "آیہ کریمہ بدون (بغیر) "دون" ہے، خطبہ میں اگرچہ نہ وہ آیت ہونا ضرور، نہ قرآن عظیم سے اقتباس محذور (ممنوع)، مگر زیادت موہومہ خلاف مراد محذور (البتہ ایسی زیادتی جو معنیٔ مرادی کے مخالف معنی کے وہم کی طرف لے جاتی ہو وہ ضرور ممنوع ہے)، دون زبان عرب میں دس معنی پر مشتمل ہے" اس کے بعد محقق بریلوی "دون" کے دس معانی نقل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں آیتِ قرآن مجید، حدیث مبارکہ، عربی اشعار یا عربی لغات کے حوالے سے مزین فرماتے جاتے ہیں، بطورِ نمونہ چند معانی ملاحظہ ہوں:

1۔ تحت کے معنی میں؛ جیسا کہ آیت مبارکہ ہے ومنّا دون ذلك۔

2۔ اقل کے معنی میں؛ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے لیس فیمادون خمس اواق صدقۃ۔

3۔ حقیر اور شریف؛ جیسا کہ تاج العروس میں نقل کیا۔

سبھی معانی بمع سند نقل کرنے کے بعد ان میں قرآن مجید کے موافق، مخالف اور مناقض معانی کی بھی صراحت کرنے کے بعد آخرِ فتوی میں اصلِ سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: " ایہام معانی باطلہ نقد وقت ہے اور اسی قدر منع کے لئے بس ہے۔"

(بریلوی: امام احمد رضا خان، فتاوی رضویہ، 464/26)

محقق بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت مجمع البحار تھی، سبھی علوم و فنون کے دریا آپ کی ذات میں جمع ہوتے تھے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت کی تصانیف میں بکھرے ان جواہرات کو موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق سجا سنوار کر پیش کیا جائے۔

☆☆☆☆

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکرو بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جولائی 2021 کا عنوان — مدارس اسلامیہ اور ہماری ذمہ داریاں

اگست 2021 کا عنوان — واقعاتِ کربلا کی عصری افادیت

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حیات وافکار

مولانا عابد چشتی

روحانیت وتصوف کے افق پر بے شمار شخصیات آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئیں جنھوں نے اپنی ضیا بار کرنوں سے معرفت اور روحانیت کے ایسے پاکیزہ اجالے بکھیرے کہ جس کی روشنی میں سالکین راہ مولیٰ کو اپنے خالق کے حقیقی عرفان کا سراغ ملا اور جن کے نقوش فکر کو مشعل راہ بنا کر ہزاروں طالبان حق اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے، انہیں عظیم شخصیات میں ایک نام سید الطائفہ، سلطان الاولیا حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے جنھوں نے تصوف و روحانیت کے باب میں اپنی مجددانہ بصیرت سے فکر و نظر اور عقیدۂ و عمل کا ایسا متوازن نظام قائم کیا کہ دنیاے عرفان میں ان کا نام افراط و تفریط سے پاک، تصوف کے معتدل مکتب فکر کا استعارہ اور حوالہ بن گیا۔

ابتدائی حالات: ہر چند کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عالم تصوف و روحانیت کی عظیم ترین شخصیات میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود آپ کے احوال و کوائف، معاشرتی اور روحانی زندگی سے جڑے حالات، خاطر خواہ تفصیل کے ساتھ نہیں ملتے ہیں، یہاں تک کہ آپ کی تاریخ پیدائش کے متعلق بھی مؤرخین کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں، تذکرہ نگاروں نے معاصر حالات اور آپ کی زندگی سے جڑے چند واقعات کو ترتیب دے کر نتیجہ کے طور پر تقریباً 215ھ کا عہد متعیّن کیا ہے جب حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عالم روحانیت کی مقتدر شخصیت ایک "شیشہ گر" کے یہاں جلوہ گر ہوئی، جن کی نگاہ کیمیا اثر نے ہزاروں تاریک دلوں کو تجلیات الٰہی کا محور بنا دیا۔ (تاج العارفین الجنید البغدادی، سعاد الحکیم، ص:12، دار الشروق، قاہرہ، مصر)

جس عہد میں حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کی پیدائش ہوئی وہ علم و معرفت اور تصوف و روحانیت دونوں اعتبار سے اسلامی تاریخ کا زریں عہد تھا، خاص طور سے بغداد کی سرزمین اس حوالے سے پورے عالم اسلام کی نمائندگی کر رہی تھی اور عباسیوں کی علم دوستی، علما نوازی اور مختلف فنون کی طرف غیر معمولی رجحانات نے اسے مرکزی حیثیت میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ وہ مقدس عہد تھا جہاں ایک طرف علم و فن کے لحاظ سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمزی اور امام ابن ماجہ جیسی نابغۂ روزگار اور علم و تحقیق کی مسلمہ شخصیات درس و تدریس کی بساط بچھا کر علمی فیضان سے ایک زمانے کو سیراب کر رہی تھیں تو دوسری طرف روحانیت و تصوف کی دنیا میں سلطان العارفین ابو یزید بسطامی، ابو سعید الخراز، سہل تستری، ذوالنون مصری، احمد بن ابی الحواری، ابو اسحاق ابراہیم الخواص اور یحییٰ بن معاذ الرازی جیسے اکابر اولیا و عارفین معاشرے کی کج روی اور امت میں پھیلی فکری اور عملی بے اعتدالیوں کے خلاف صف آرا ہو کر تزکیہ قلب و باطن کے ذریعہ امت کی اصلاح کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

تعلیم وتربیت: سوانح نگاروں کے مطابق بہت چھوٹی سی عمر میں ہی حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے جس کے بعد آپ اپنے ماموں سید الاولیا حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت میں آ گئے اور انہیں کی شفقت اور روحانی سرپرستی میں آپ نے علم و معرفت کے میدان میں قدم رکھا۔ سید الاولیا حضرت سری سقطی اپنے وقت کے امام اور صوفیاے بغداد کے مقتدا و پیشوا تھے، مؤرخین کے مطابق طبقۂ ثانیہ کے اکثر مشائخ تصوف آپ سے عقیدت و ارادت کی نسبت رکھتے ہیں۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و روحانیت کے اس مقام پر فائز تھے جہاں تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہو پاتی ہے، حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا ایسی عظیم ہستی کی کفالت میں آنا ان کی روحانی اور عرفانی شخصیت کی تعمیر میں اہم واقعہ ثابت ہوا سید الاولیا حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری محبت اور کامل توجہ کے ساتھ اپنے بھانجے کی علمی اور روحانی شخصیت کو پروان چڑھایا، علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن کا بھی شعور بخشا جس کے نتیجہ میں بہت چھوٹی سی عمر میں ہی آپ کی زبان سے حکمت و معرفت کے سوتے پھوٹنے لگے جسے سن کر مشائخ وقت حیرت و استعجاب کا اظہار فرماتے سید الاولیا حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد جس نے حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار نبھایا وہ عارف باللہ حضرت حارث المحاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی، جن کے بارے میں خود حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جب میری نگاہ عرش تک پہنچتی ہے تو اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ محاسبی کس بلندی پر ہیں" (حضرت جنید بغدادی، حکیم مرزا صفدر بیگ، ص:20، بک کارنر پرنٹرز پبلشر، زمین بازار جہلم، 2003ء)

ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں حضرت معروف کرخی، ابو جعفر محمد بن علی القصاب، ابو حفص الحداد، اور یحیٰ ابن معاذ رازی جیسی عہد ساز شخصیتوں کے نام بھی شامل ہیں جو دنیاے روحانیت و تصوف کے مسلمہ امام ہیں اور جن کے ذکر کے بغیر تصوف اور صوفیا کی تاریخ کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایک طرف اساطین امت کا یہ مخلص قافلہ تھا اور دوسری طرف حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی اخاذ طبیعت کی مالک شخصیت تھی اس حسین تال میل نے افادہ و استفادہ کے عمل کو نتیجہ خیزی کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا اور پھر دیکھتے دیکھتے ایک "شیشہ گر" کا بیٹا ولایت و روحانیت کے اس مقام پہنچ گیا جس کی بلندی کا اندازہ لگانے سے عقلیں عاجز اور فکریں بے چارگی میں ماتم کناں نظر آتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے جہاں علم ظاہر سے خود کا آراستہ کیا وہیں نفس کشی، زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور سخت ترین مجاہدات کی بھٹی میں اپنے وجود کو اس قدر تپایا کہ طریقت و روحانیت اور علم و حکمت میں آپ معاصر مشائخ و صوفیا پر فوقیت لے گئے جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی سے پوچھا کہ: "کیا مرید کا مرتبہ اپنے شیخ و مرشد سے بڑھ سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! ایسا ہو سکتا ہے اور اس کا واضح ثبوت بھی موجود ہے کہ جنید کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے"۔ کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی معرفت کے اسرار و رموز پر اتنی گہری اور باریک نگاہ رکھتے تھے کہ کبھی کبھی خود آپ کے استاد و ماموں حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض پیچیدہ معاملات میں آپ سے مشورہ و مراجعت فرماتے تھے۔

عبادت و ریاضت: خدا کے قرب اور بارگاہ حق کے متلاشیوں کا ہر لمحہ اپنے خالق و مالک کی عبادت، بندگی اور اس کے حضور سجدہ ریزی میں گذرتا ہے اور خدا کی محبت اور اس کے قرب کی آس انہیں اس منزل پر پہنچا دیتی ہے کہ ان کی سانسوں پر بھی خدا کی یاد کے پہرے ہوتے ہیں اور زبان کے ساتھ دل کی دھڑکن سے اللہ اللہ کی دل نواز صدا اٹھنے لگتی ہے۔ تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال بھی یہی تھا، آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے لیے وقف کر رکھا تھا جس کا سب سے خوبصورت اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ دیگر مشائخ و صوفیا کی طرح آپ نے معاشرے سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا راستہ نہیں اپنایا، بلکہ معاشرہ اور عام زندگی سے خود کو جوڑ کے رکھا اور پھر اپنے دامن کو اخلاقی آلودگیوں سے پاک رکھ کر ہر لمحہ خدا کی بندگی میں گذارا، اور یہ اپنے میں کمال کی بات ہے کہ معاشرہ میں ضم ہو کر بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہوا جائے، ساتھ ہی ساتھ ان تمام لوگوں کے لیے عبرت و درس کا سامان بھی ہے جو معاشرتی زندگی میں مصروفیت کا رونا رو کر خود کو چند سجدوں کے لیے معذور ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے معاشرتی زندگی میں عبادت کا رنگ کس طرح سجویا تھا اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں، تاج العارفین کے مصنف لکھتے ہیں:

"یذهب کل یوم إلیٰ دکانه و یمارس مطلبات مهنته و هی بیع الأقمشة الحریریة لقد کان خزازا، إلا أن تجارته لم تلهه عن ذکر الله فها هو یفتح دکانه و فی غیابه الزبائن یسدل علیه سترا و یصلی و یقول أحد تلامیذه انه کان یصلی یومیا حوالی ثلاث مائة رکعة أثناء النهار فی دکانه." (تاج العارفین ص:25)

آپ روزانہ دوکان جاتے اور ریشم کے کپڑے بیچتے، آپ ریشم فروش تھے، لیکن تجارت نے آپ کو ذکر الٰہی سے غافل نہیں کیا بلکہ

دو کان کھولتے اور جب خریدار نہ ہوتے تو دو کان پر پردہ ڈال کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے ایک شاگرد کے بیان کے مطابق آپ اپنی دو کان پر دن بھر میں روزانہ تقریباً تین سو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

اور جب حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ اپنی دو کان سے گھر آتے تو بجائے اس کے آرام کریں پھر اپنے رب کے حضور سجدوں اور آنسوؤں کا نذرانہ لے کر اس کی رضا کی طلب میں کھڑے ہو جاتے، کسی نے آپ سے پوچھا کہ: " آپ نے یہ علم تصوف کہاں سے پایا؟ تو جواب میں گھر کے ایک درجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "من جلوس بین ید الله ثلاثین سنة تحت تلک الدرجة و أومأ الیٰ درجة فی داره" تیس سال تک اس درجے کے نیچے خدا کے حضور بیٹھ کر حاصل کیا ہے۔

شریعت و طریقت: تصوف اور طریقت کے دعویداروں میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے شریعت اور طریقت کو دو خانوں میں بانٹ کر دونوں کو الگ الگ نظام کے طور پر متعارف کرایا اور پھر طریقت و روحانیت کے نام پر عقیدہ و عمل دونوں سطح پر ایسے خرافات کو جگہ دی جو براہ راست شریعت سے متصادم تھے، متصوفین کا یہ گروہ جہاں خود گمراہیت اور مذہبی بے راہ روی کا شکار ہوا وہیں ہزاروں لوگوں کی گمراہیت اور بد عقیدگی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا۔ تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی صوفیانہ زندگی اور اصلاحی جدوجہد کا مطالعہ کرتے وقت سب سے زیادہ نمایاں، اہم اور تابناک پہلو جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس نظام طریقت کی سخت تردید فرمائی جس کی عمارت شریعت کی بنیادوں پر استوار نہ ہو اور طریقت و روحانیت کی غلط توضیح اور طریقت کو شریعت سے جدا سمجھنے والے خود ساختہ صوفیوں کے خلاف زبردست مہم چلائی جس کے نتیجے میں ان سب کے حوصلے پست پڑ گئے جو تصوف کے نام پر اپنے اغراض کی دو کانیں چمکانے میں لگے ہوئے تھے۔

عام تجربہ اور زمینی حقیقت یہ ہے کہ صوفیت کا لبادہ اوڑھ کر شریعت کا مذاق اڑانے والوں کی اکثریت علم شریعت سے نابلد اور اس کی اہمیت تک سے ناواقف ہوتی ہے اور پھر یہی جہالت طریقت کے نام پر مذہبی بے راہ روی کے فروغ کا اہم سبب بن جاتی ہے، جبکہ شریعت کا علم رکھنے والا بخوبی جانتا ہے کہ طریقت اور تصوف، تصفیہ باطن کا نام ہے، جس کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دنیوی اور نفسانی خواہشات کے دلدل میں پھنس کر اپنے مالک حقیقی سے غافل ہو جانے والوں کے دلوں سے دنیا کی محبت نکال کر انہیں رحیم کریم مولا کی محبت کا عرفان بخشا جائے جو کہ ایک مومن کا مقصد حیات اور مقصد تخلیق دونوں ہے۔ تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ تصوف و طریقت کے نام پر در آئی برائیاں اور بے اعتدالیاں علم شریعت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اس لیے آپ ہر اس شخص کے لیے علم شریعت کا حصول لازم قرار دیتے تھے جو تصوف کی راہ میں قدم رکھنے کا ارادہ رکھتا ہو، چناں چہ فرماتے ہیں:

" ہمارا علم ہمیشہ قرآن اور حدیث کے ضابطے کے اندر رہنا چاہیے جس شخص نے قرآن نہیں پڑھا یا حفظ نہیں کیا اور نہ حدیث با قاعدہ طور پر پڑھی اور تصوف کا رخ کرنے سے پہلے فقہ کا علم بھی حاصل نہیں کیا وہ ایک ایسا شخص ہے جسے رہنمائی کا کوئی حق حاصل نہیں۔" (حضرت جنید بغدادی، ص:22)

تاج العارفین حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے مذکورہ ارشاد کی معنویت و افادیت شاید ان کے عہد میں اتنی نہ ہو جتنی کے آج کے نفس پرست اور خود غرض دور میں ہے جہاں مسند ارشاد و تصوف پر جاہل پیروں اور از کار رفتہ ولی عہدوں کے قبضے علامہ اقبال کے بقول: ع " زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن " کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

منصور حلاج اور جنید بغدادی: تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے تصوف کی دنیا میں سب سے نمایاں کارنامہ یہ انجام دیا کہ انھوں نے طریقت و روحانیت کو شریعت کے تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کا مزاج عام کیا تاکہ طریقت کے نام پر رواج پانے والی مذہبی بے اعتدالیوں کا سد باب کیا جا سکے، اس لیے کہ شریعت ہی وہ معیار ہے جسے سامنے رکھ کر ہر شخص صحیح اور غلط کی پہچان کر سکتا ہے۔ تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو اپنی اس مہم میں ایسے سخت مراحل بھی پیش آئے جہاں انہیں خود اپنے ہی وجدان اور روحانی مزاج و تحقیق کے خلاف قدم اٹھانا پڑا، چناں چہ:

حضرت حسین بن منصور حلاج کو کون نہیں جانتا؟ جن کی شخصیت جس قدر شہرت یافتہ رہی ہے اسی قدر ان کے نظریات و معاملات متنازع فیہ بھی رہے ہیں۔ حضرت منصور حلاج رضی اللہ عنہ کی زبان سے جب "انا الحق " کا نعرہ بلند ہوا تو عالم اسلام میں سراسیمگی پھیل گئی اور ہر طرف ایک شور برپا ہوا کہ ایک دیوانے نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ علمائے کرام، قاضیان اور مفتیان وقت سر جوڑ کر بیٹھے اور حضرت منصور حلاج کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا اور خلیفہ وقت کے سامنے درخواست پیش کی کہ جتنی جلدی ہو سکے منصور حلاج کو پابند سلاسل کر کے تختۂ دار پر لٹکایا جائے ورنہ عالم اسلام میں نئے اور نا تھمنے والے فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا، بعد میں جسے بند کرنا مشکل ہو گا، جس میں خاص طور سے کسی انسان کے اندر خدا کے حلول کر جانے کا عقیدہ پروان

چڑھنے کا امکان زیادہ ہے، جس سے اسلام کے عقیدۂ توحید پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور عوامی سطح پر بداعتقادیوں کی راہ ہموار ہوگی۔

جس وقت علمائے وقت، شریعت کی روشنی میں حضرت منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فتویٰ صادر فرمارہے تھے اس وقت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت پورے بغداد میں شریعت وطریقت کے باب میں منصب امامت پر فائز تھی اور دونوں جہتوں سے آپ کی بات حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ خلیفۂ وقت پر بھی آپ کی علمی اور روحانی شخصیت کا گہرا اثر تھا، چناں چہ خلیفہ نے اس پورے معاملے کو حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کی رائے اور صواب دید کے سپرد کردیا کہ اگر آپ کفر کا فتویٰ دیتے ہیں تو پھر حضرت منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔

یہاں پہنچ کر ہم قارئین کو بتادیں کہ مؤرخین نے حضرت منصور حلاج کو سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے اور اس نسبت کی بنیاد پر آپ نے خود حضرت منصور حلاج کو اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھنے اور ضبط سے کام لینے کی تلقین فرمائی تھی مگر مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ اب حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے سامنے دو راستے تھے، ایک طرف تو آپ بخوبی جانتے تھے کہ منصور حلاج روحانیت کے کس مقام پر فائز ہیں اور ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمات کی روحانی توضیح اور تاویل کیا ہوسکتی ہے اور دوسری طرف معاملہ شریعت کا تھا جس کی بنیاد ظاہر پر ہے، مگر شریعت وطریقت کی جس ہم آہنگی کو لے کر تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت نے انقلابی اور دور اندیش قدم اٹھایا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ شریعت کو مد نظر رکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں اور حضرت منصور حلاج کے سلسلہ میں اپنی روحانی تحقیق کو نظر انداز کریں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ جب علمائے کرام کی جماعت آپ کی بارگاہ میں حضرت منصور حلاج کا قضیہ لے کر پہنچی تو، آپ نے فقیری کا لبادہ اتارا اور علمائے شریعت کا لباس پہن کر حضرت منصور حلاج کے خلاف فتویٰ صادر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ” ہم ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں“ اور پھر آپ کے فتویٰ صادر فرمادینے کے بعد شہید عشق حضرت منصور حلاج کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور یوں قیامت تک کے لیے تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پیغام دے دیا کہ طریقت وتصوف کا کوئی بھی رنگ وڈھنگ اسی وقت تک قبول کیا جائے گا جب تک کہ وہ شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے۔

تاج العارفین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد میں طریقت کے نام پر ہو رہی بے اعتدالیوں کو دیکھتے ہوئے شریعت کی پاسداری اور اس کے تحفظ کا علم بلند کیا جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت تصوف کے حوالے سے معتدل نظریات کا استعارہ اور منفرد حوالہ بن گئی اور اس سلسلہ میں آپ کی شہرت اور اہل معرفت میں اعتماد کا حال یہ تھا کہ بقول مصنف تاج العارفین:

”كلما أراد صوفي متاخر أن يستبرأ لنفسه من البدع و من المستحدثات في التصوف نجد أنه يسنب لنفسه للجنيد فيقول ”إني جنيدي في التصوف“ (تاج العارفین ص:75)

متاخرین صوفیہ میں جب کوئی تصوف کے نام پر ہونے والی خرافات اور خلاف شرع حرکات وبدعات سے اپنی برات کے اظہار کا ارادہ کرتا تو اس کے لیے وہ خود کو حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب منسوب کرکے کہتا کہ ” میں تصوف میں جنیدی (مسلک پر) ہوں“

مندرجہ بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طریقت اور تصوف میں اصلاحات اور اس میں در آئی بے روی کے خلاف کس قدر زبردست، ہمہ گیر اور نتیجہ خیز تحریک چلائی تھی جس سے کہ متصوفین کی شریعت مخالف حرکات سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات دور ہوئے، بے اعتدالیوں کا سد باب ہوا اور داخلی اور خارجی سطح پر تصوف کو اپنے اصل رنگ وآہنگ میں پروان چڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

آج خانقاہی نظام کے احیا کی آواز ہر طرف سے بلند ہو رہی ہے تاکہ خانقاہوں کو ان کے مقصد تاسیس کی طرف واپس لاکر طریقت اور روحانیت کی پرکیف فضا سے معاشرے میں امن وتہذیب اور اسلامی اقدار وروایات کی خوشبو بکھیری جائے۔ میرے خیال سے ہم اس سلسلہ میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریات اور ان کے نقوش فکر کو رہنما بناکر خانقاہی نظام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف پیش رفت کرسکتے ہیں۔ آج کے ماحول میں جہاں تصوف کو یرغمال بناکر نفس پرستی کو فروغ دیا جارہا ہے ” جنیدی تصوف“ کی طرف پلٹنے اور متوجہ ہونے کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

وصال پر ملال: اقلیم ولایت کے شہنشاہ، تاج العارفین سید الطائفہ، حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ عبادت وریاضت میں گذارا انھوں نے طریقت کو نکھارا، تصوف کو چمکایا، شریعت کی پاسداری کا آفاقی پیغام نشر کیا اور پھر اللہ کا یہ برگزیدہ بندہ ایک انوکھی خواہش کا اظہار کرکے اپنے رب کی طرف لوٹ گیا:

”أشتهي أن أموت ببلد غير بغداد لأني أخاف الا يقبلني قبري فافتضح “میری خواہش ہے کہ مجھے بغداد کے علاوہ کسی اور سر زمین پر موت آئے، اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بغداد کی قبر مجھے اپنے اندر قبول کرنے سے منع نہ کردے کہ پھر سر عام مجھے رسوا ہونا پڑے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ☆☆

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا نظریۂ تصوف اور تعلیمات

پروفیسر مفتی محمد اکبر مصطفوی

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ آسمانِ تصوف کے نیر تاباں اور سلسلہ عالیہ جنیدیہ کے بانی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری اور سلف صالحین کے منہج کے مکمل طور پہ پابند رہے۔ ساری زندگی کتاب و سنت کی تعظیم اور بدعات و خرافات کا قلع قمع آپ کا شیوہ رہا۔ عوام الناس آپ کو ”سید الطائفہ“ (جماعت صوفیہ کا امام) کہتے ہیں لیکن اہل علم کے ہاں آپ ”سید الطائفتین“ ہیں۔ یعنی آپ صرف جماعتِ صوفیہ کے شیخ نہیں بلکہ گروہِ فقہا کے بھی سردار ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تصوف ہو یا فقہ، دونوں میں آپ درجۂ امامت پہ فائز ہیں۔

ولادت:

آپ کی ولادت تیسری صدی ہجری کے شروع میں ہوئی۔ سال ولادت کے بارے میں ارباب سیر و تاریخ کا کافی اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپ کی ولادت 210ھ تا 220ھ کے درمیان ہوئی۔ آپ کا آبائی علاقہ نہاوند ہے، لیکن آپ کی پیدائش و پرورش بغداد میں ہوئی۔

نام و نسب:

آپ کا نام جنید بن محمد بن جنید، کنیت ابو القاسم اور لقب ”قواریری“ اور ”زجاج“ ہے۔ آپ کو قواریری اور زجاج اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد گرامی شیشہ کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ مشہور و معروف صوفی حضرت سری سقطی کے بھانجے، مرید اور شاگرد ہیں۔

القابات و خطابات:

بلند و بالا مرتبہ کے باعث آپ کے کئی القاب و خطابات ہیں جن میں لسان القوم، طاؤس العلما، سلطان المحققین، عمدۃ المشائخ، ماہر شریعت، چشمۂ انوار الٰہی، منبع فیوض لامتناہی، سید الطائفہ اور امام الائمہ کافی مشہور ہیں۔

آپ کا تصوف:

آپ علیہ الرحمہ کا تصوف غیر اسلامی نظریات و اثرات سے بالکل پاک اور قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلے میں آپ علیہ الرحمہ کا فرمان ہے:

جس شخص نے نہ تو قرآن حکیم حفظ کیا ہو اور نہ ہی حدیث کی کتابت کی ہو ایسے شخص کی تصوف میں پیروی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ہمارا یہ علم طریقت کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: ہمارا یہ علم طریقت، حدیث رسول ﷺ سے مضبوط ہوتا ہے۔

سنت رسول ﷺ کی اتباع کے بارے آپ کا ارشاد ہے:

مخلوق پر قرب الٰہی کے تمام راستے بند ہیں، بس ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ یہ کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ کی سنتوں کی پیروی و اتباع کی جائے۔ (اس کے بغیر قرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔)

حلول، تناسخ اور رہبانیت جیسے باطل تصورات کا آپ نے زندگی بھر قلع قمع کیا۔ آپ کے تصوف میں وحدۃ الوجود کے تصور کے بھی کوئی آثار نہیں ملتے۔ آپ نے زیادہ زور تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب پر دیا ہے۔ اس بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ ہم نے تصوف قیل و قال اور بحث و مباحثہ سے حاصل نہیں کیا' بلکہ بھوک، ترک دنیا اور قطع مالوفات و مستحسنات (دل کو بھانے اور پسند آنے والی اشیا کو چھوڑ دینے) کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ (عوارف المعارف)

آپ کے تصوف کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو آپ طریقت کے بہت محتاط راستے پہ چلتے دکھائی دیتے ہیں، جسے عوام اور علما نے بہت پسند کیا۔ آپ کے بقول معرفت الٰہی کے اسرار عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا ایک غلط اور مذموم عمل ہے، القا اور الہام کے اندر جو راز ہے اگر اسے ظاہر کر دیا جائے تو علم کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے تلامذہ اور دوست احباب سے اکثر فرمایا کرتے کہ چونکہ تصوف در اصل ذات باری تعالیٰ کا راز ہے، اس لیے اس کی تعلیم بھی رازدارانہ ہونی چاہیے۔ اپنے مرشد حضرت سری سقطی اور استاد حضرت المحاسبی کی طرح ان کا طریقۂ تعلیم بھی بحث و مذاکرہ پر مبنی تھا، (باقی ص:74 پر)

مرزا غالب کی فارسی نعت گوئی

طفیل احمد مصباحی

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد ﷺ است
آرے کلامِ حق بزبانِ محمد ﷺ است

آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار زِ شان محمد ﷺ است

تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمد ﷺ است

دانی اگر بہ معنَی لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد ﷺ است

ہر کس قسم بداں چہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمد ﷺ است

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فروگذار
کہ ایں جا سخن ز سرور وان محمد ﷺ است

بہ نگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
جاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمد ﷺ است

در خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمد ﷺ است

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

(دیوانِ غالب فارسی، ص: 35، ناشر: مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ)

مندرجہ بالا اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ جلوۂ ذاتِ خداوندی حضور سید عالم ﷺ کے حسن بیان سے ظاہر ہوتا ہے اور خدا کا کلام و پیغام آپ کے زبانِ فیض ترجمان سے جاری ہوتا ہے۔ جس طرح چاند، سورج کا عکس اور اس کی تابانی کا آئینہ دار ہے، اسی طرح خدا کی شان محمد ﷺ کی شان سے ظاہر ہے۔ بلا شبہ تیرِ قضا ترکشِ حق میں ہے۔ لیکن اسے چلانے کے لیے حضور کی کمان درکار ہے۔ اگر تم حدیثِ " لولاک " کا مفہوم سمجھتے ہو تو جان لو کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے، وہ محمد عربی ﷺ کی وجہ سے ہے۔ ہر شخص اپنے عزیز کی قسم کھاتا ہے اور اللہ عزوجل آپ ﷺ کو قسم سے یاد فرماتا ہے۔ اے واعظ! سایۂ طوبیٰ کی بات مت کر کہ ابھی سرورِ روانِ محمد کا تذکرہ چھڑا ہوا ہے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کی انگلی کے اشارے کا کرشمہ ہے۔ غالب میں نے خواجۂ کونین (محمد ﷺ) کی تعریف و توصیف کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کہ وہی ذاتِ پاک، اپنے حبیب ﷺ کا کماحقہ رتبہ شناس ہے۔

دیوانِ غالب فارسی میں موجود دونوں نعتیہ قصیدے بھی اپنے اندر بڑی وسعت و معنویت رکھتے ہیں۔ غالب نے قصیدے کے اجزائے ترکیبی اور اس کے پُر شکوہ اسلوب کا لحاظ رکھتے ہوئے نہایت اچھوتے انداز میں نعتیہ اشعار پیش کیے ہیں، جن کے لفظ لفظ سے عشق و وفا کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ یہ دو شعر دیکھیں جس میں آپ ﷺ کو مُطاعِ آدم و عالم، وکیلِ مطلق اور دستورِ باری کہا گیا ہے اور پوری کائنات میں آپ ﷺ کے فیض و کرم اور جود و بخشش کا دریا رواں ہونے کی بات کی گئی ہے۔

مطاعِ آدم و عالم محمدِ عربی
وکیلِ مطلق و دستورِ حضرتِ باری

افاضۂ کرمش در حقائقِ آفاق
بسانِ روح در اعضائے جانور ساری

(دیوان غالب فارسی، ناشر: دار السلام، دہلی)

پروفیسر نیر مسعود کے بقول: " غالب کے نعتیہ کلام میں تین قصیدے، ایک غزل اور " مثنوی ابرِ بہار " کا ایک حصہ قابلِ ذکر ہے .... اصل نعتیہ شعروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کو کس قسم کی معرفتِ رسول (ﷺ) حاصل تھی اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کے کون پہلو غالب کو زیادہ متوجہ کرتے تھے .... غالب کہتے ہیں کہ آپ سے رابطے کی بدولت جبرئیل کو عزت حاصل ہوئی۔ آپ ایسے عدو کش ہیں کہ آپ کا رقعہ چاک کرنے کی جراحت خسرو پرویز تک پہنچ گئی۔ آپ کا فیضِ کرم تمام جان داروں میں روح کی طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔ آپ کی بدولت خدا کی وحدانیت مشاہدۂ عام میں آگئی اور آپ کے حدوث سے قِدم کا بازار گرم ہوا۔ آپ عالمِ بیداری میں حق کا مشاہدہ اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی خواب میں

tufailmisbahi@gmail.com

اپنے آپ کو دیکھے .... کفِ موسیٰ آپ کی آستاں روبی کی اجرت اور دمِ عیسیٰ آپ کی ہواداری کا صلہ ہے۔ جنت آپ کے اسیرِ دام کی ہوا خواہ اور حور آپ کے مریضِ عشق کی تیماردار ہے۔ آپ کی صورت اور سیرت کا بیان ،سخن اور طبیعت کو بالیدہ کرتا ہے۔ آپ ہی کی خاطر اللہ خانۂ کعبہ کا کار فرما اور خلیل اللہ اس کے معمار ہوئے " ۔(مجلّہ غالب نامہ ، شمارہ : جولائی 1994ء، ص:213 - 214، ناشر:غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی)

دیوانِ غالب (فارسی) میں ائمۂ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں کئی منقبتیں موجود ہیں۔ حضرتِ مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقبت کا آغاز غالب نے نعتیہ اشعار سے کیا ہے، جو زبان و بیان کے حسن اور تخیل کی بلند پروازی کا دلکش نمونہ ہیں۔ شہنشاہِ کونین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے ہوئے غالب کہتے ہیں :

چوں من ز سخن یافتم ایں مرتبہ خواہم
کز عرش فزوں تر نگرم پایۂ آں را
ایں پایہ در آنست سخن را کہ ستایم
ممدوحِ خداوندِ زمیں را و زماں را
آں کز اثرِ گرم روی در شبِ معراج
در بالِ ملک سوخت نشاطِ طیراں را
شاہے کہ پئے سجدۂ خاکِ کفِ پایش
ارزش نہ بود جز سرِ صاحب نظراں را
از بہرِ ثنا گستری تست وگرنہ
اندازۂ گفتار نہ بودے حیواں را
از بہرِ نثارِ قدمِ تست وگرنہ
ایزد بکفِ خاک ندادے دل و جاں را

(دیوانِ غالب فارسی، ص:129 / 130، ناشر: دار السلام، دہلی)

یعنی شاعری کی بدولت میں نے بلند مقام حاصل کیا ہے تو اب میں چاہتا ہوں کہ اللہ رب العزت (جو زمین و زماں کا خالق و مالک ہے) کے ممدوح جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کر کے اپنے پایۂ سخن کو عرش کی بلندی تک پہنچا دوں ۔ معراج کی شب آپ کی گرمیِ رفتار نے فرشتوں کے پروں سے پرواز کی قوت سلب کر لی ۔ آپ کی خاکِ پا کے سجدے کے لائق صرف اہلِ نظر کے سر ہیں ۔ انسان و حیوان کو قوتِ گویائی اس لیے ملی ہے کہ وہ حضور کی مدح و ثنا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے کفِ خاک کو اس لیے جان و دل سے نوازا ہے کہ وہ اس کے حبیب کے قدموں پر نثار ہو۔

فارسی شاعری میں جان محمد قدسی کی نعتیہ غزل "مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی" کو بے پناہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی تضمین بڑے بڑے شعرا اور قدآور اساتذہ نے لکھی، جس کا مجموعہ "حدیثِ قدسی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مرزا غالب نے بھی اس نعتیہ غزل کی تضمین کی ہے، جو فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، جدت و ندرت اور حسنِ عقیدت کا ایک دل آویز مرقع ہے۔ غالب کی یہ نعتیہ تضمین شرعی اور فنی نقطۂ نظر سے ایک کامیاب تضمین ہے، جس میں تضمین نگاری کے اصول و شرائط بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ مطلع یہ ہے :

کیستم تا بخروش آوردم بے ادبی
قدسیاں پیشِ تو در موقفِ طلبی
رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

غالب نے مطلع میں عجز و انکسار کا لہجہ اختیار کیا ہے، جو صنفِ نعت گوئی کا لازمی عنصر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتے دستِ طلب پھیلائے کھڑے ہیں ۔ اس مقدس بارگاہ میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرنا بے ادبی ہے ۔ یہاں نہایت خاموشی کے ساتھ زیرِ لب نغمہ سنجی ہی بہتر ہے۔

اے گلِ تازہ کہ زیبِ چمنی آدم را
باعثِ رابطۂ جان و تنی آدم را
کردہ دریوزۂ فیضِ غنی آدم را
نسبتِ نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

حسبِ سابق غالب کے یہ تینوں تضمینی مصرعے عشق و عقیدت کے ترجمان ہیں ۔ "گلِ تازہ" اور "زیبِ چمنِ آدم" کہہ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و کمال کا غالب نے بڑے والہانہ انداز میں خطبہ پڑھا ہے۔ نیز حضور کو آدم علیہ السلام کے جسم و روح کے درمیان رابطے کا سبب گردانا ہے اور آپ کے ابرِ بارانِ فیض سے حضرت آدم کے فیضیاب ہونے کا مبنی بر حقیقت تذکرہ کیا ہے۔

ذیل کے اشعار میں غالب نے نہایت سوز و گداز کے ساتھ اپنے دردِ جگر اور رنج و الم کا حال بیان کر کے مسیحائے کائنات علیہ افضل الصلوات سے زخمِ جگر کا مرہم طلب کیا ہے۔

دل ز غم مردہ و غم بردہ ز ما صبر و ثبات
غمگساری کن و بنمائے بما راہِ نجات

داد سوزِ جگر ما کہ دہد نیل و فرات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و تو آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لب
غالبِ غم زدہ را نیست دریں غمزدیں
جز بامیدِ ولائے تو تمنائے بہی
از تب و تابِ دلِ سوختہ غافل نہ شوی
سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمادہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

(سبد باغ دو در، مرتبہ: امتیاز علی عرشی، ص:40 / 42، ناشر: انجمن ترقی اردو، کراچی)

امکانِ نظیر و امتناعِ نظیر (یعنی نبی کریم ﷺ کی مثال و نظیر ممکن ہے یا محال) کے مسئلے میں علمائے اہلِ سنت اور وہابیوں میں زبردست اختلاف ہے۔ اہل سنت و جماعت کا درست عقیدہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی نظیر محال بالذات ہے۔ غالب کے زمانے میں مجاہدِ جنگِ آزادی، امام المنطق حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی و مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے ہمنواؤں کے درمیان اس مسئلہ کو لے کر زبردست علمی اختلاف ہوا اور بالآخر علامہ خیر آبادی غالب رہے۔ مولوی الطاف حسین حالی نے "یادگارِ غالب" میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مرزا غالب کے قریبی دوست اور مخلص احباب میں سے تھے، انہوں نے غالب سے کہا کہ اس مسئلے کو آپ منظوم صورت میں پیش کریں۔ چنانچہ غالب نے اس حوالے سے چند اشعار بشکلِ مثنوی موزوں کیے اور دو ٹوک الفاظ میں "امکانِ نظیر" کو محال اور "امتناعِ نظیر" کو جائز و درست مانا۔ غالب کی فارسی نعت گوئی کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے حضور سید عالم ﷺ کے تعلق سے جن افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے اہلِ سنت و جماعت کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا طبعی میلان شیعیت کی طرف تھا، لیکن اپنی محدود دینی معلومات کی حد تک انہوں نے جو کچھ کہا، وہ اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کے مطابق ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمت للعالمینی ہم بعد
منشأ ایجادِ ہر عالم یکے ست
گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست
ہر کرا با سایہ نہ پسندد خدا
ہمچو اوئی نقش کے بندد خدا
ہم گہر مہرِ منیرش چوں بود
سایہ چوں نہ بود نظیرش چوں بود
منفرد اندر کمالِ ذاتی است
لا جرم مثلش محالِ ذاتی است

(کلیاتِ غالب فارسی، ص:304، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب؛ لاہور)

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں کہیں ہنگامۂ عالم برپا ہے، وہاں حضور کی رحمت للعالمینی شامل ہے۔ ہر ایک عالم کا منشأ ایجاد ایک ہے اگر دو ہزار عالم بھی ہوتے تو اس کا خاتم (خاتم النبیین) ایک ہوتے۔ جب خدا کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کے نبی کے جسم کا سایہ ہو تو وہ اپنے نبی کا مثل و نظیر پیدا کرنا، کیسے گوارا کرے گا۔ جب مصطفیٰ کا سایہ ہی نہیں تو اس کی نظیر کب ہو سکتی ہے؟ (یہی امتناعِ نظیر ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمالِ ذاتی میں منفرد و یگانہ ہے اور ان کا مثل و نظیر محال ہے۔

نبوت و رسالت کے حوالے سے اسلامی عقائد کا اظہار بھی نعت کا ایک اہم موضوع ہے۔ غالب کی فارسی نعت گوئی میں اس حوالے سے کثیر مواد موجود ہیں۔ "کلیاتِ غالب فارسی" کے یہ اشعار دیکھیں، جس میں نبی کریم ﷺ، حضرتِ مولیٰ علی، خواجہ غریب نواز و دیگر اولیائے کرام سے مدد طلب کرنے کو غالب نے جائز لکھا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ انبیائے کرام و اولیائے عظام سے مدد مانگنا، گویا خدا سے مدد مانگنا ہے۔ یا رسول اللہ اور یا علی کہنے سے دل و جان کو راحت ملتی ہے اور مشکلیں دور ہوتی ہیں۔ وہ لوگ بے وقوف اور کم علم ہیں جو "حرفِ ندا" کے سلسلے میں بحث کرتے ہیں اور اس کے ذریعے استعانت کو ناجائز کہتے ہیں۔

از نبی و از ولی خواہی مدد
تا نہ پنداری کہ ناجائز بود
ہر کہ او را نور حق نیرو فزا ست
ہر کہ از وے خواستی ہم از خدا ست
یا رسول جاں فزاید گفتنش
چوں اعانت خواہی از یزدان پاک
یا معین الدین اگر کوئی چہ باک
ابلہاں رازاں کہ دانش نارسا ست
گفتگوہا برسرِ "حرفِ ندا" ست

(کلیاتِ غالب فارسی، ص:295، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور)

غالب نے اپنی نعتیہ شاعری میں آپ ﷺ کی ذات و صفات سے متعلق نوع بنوع نکتے بیان کیے ہیں اور آپ سے منسوب اشیا کا ذکر

جمیل بڑے والہانہ انداز اور دلنشیں پیرائے میں کیا ہے اور اس سلسلے میں میلادِ مصطفیٰ، موئے مبارک، پتھروں پر پائے اقدس کے نشان اور آپ کی مبارک رداو قمیص کا ذکر جس انداز میں کیا ہے، وہ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ عشق و عقیدت کے جلوؤں سے آراستہ یہ اشعار دیکھیں:

ور سخن در مولدِ پیغمبر ست
بزم گاہِ دلکش و جاں پرور ست
نکہتِ موئے مبارک جاں فزاست
با رگِ جانش ہمی پیوندہا است
بر تنِ نیکو تر از جاں رستہ است
لا جرم از آبِ حیواں رستہ است
دلنشیں ما بود زاں روئے مو
وہ کہ گرداند کسے زاں روئے مو
ہر کرا دل ہست و ایماں نیز ہم
چوں نہ زد او عشق با نقشِ قدم
نقش پائے کایں چنیں افتادہ است
اہلِ دل را دل نشیں افتادہ است

(مثنویاتِ غالب، ص:99، مطبوعہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی)

ترجمہ: جہاں تک محفلِ میلاد کی بات ہے تو یہ ایک دلکش اور روح پرور بزم ہے۔ موئے مبارک کی خوشبو روح کو سکون اور جان کو قرار بخشتی ہے۔ موئے مبارک کا آپ ﷺ کی رگِ جاں سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔ موئے مبارک ایسے مقدس جسم پر اُگے ہیں جو روح سے زیادہ لطیف ہے اور جس کی تخلیق آبِ حیات سے ہوئی ہے۔ موئے مبارک کو ہم سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ افسوس ہے اس شخص پر جو اس سے روگردانی کرتا ہے۔ جس کے سینے میں دل اور دل میں ایمان کی دولت ہو، وہ آپ کے نقشِ پا (نقشِ قدم) سے بھلا کیوں نہ عشق کرے گا پتھر کے سینے پر ابھرے ہوئے آپ کے نقشِ قدم کو اہلِ دل اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ غالب کی فارسی نعت گوئی قابلِ قدر ہے اور فکری و فنی لحاظ سے اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں، جو ان کی دیگر اصناف میں پائی جاتی ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ غالب کا تعارف شاعرِ نعت کی حیثیت سے بھی کیا جائے۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے غالب کی پوزیشن جو بھی ہو، لیکن عشق و عقیدت سے آراستہ ان کی نعت و منقبت گوئی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆

(ص:70 کا بقیہ)-آپ شاگردوں اور احباب کے ساتھ مختلف مسائل و موضوعات پر بحث کرتے، ان کے سوالات کا جواب دیتے جسے بعد میں وہ تحریر کر لیتے۔ الغرض اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی صورت میں ایک ایسا صوفی پیدا فرمایا جس نے تصوف کا اس کے حقیقی خدوخال پر دوبارہ سے احیاء کیا۔ اگر آپ کی ہستی اس وقت رونما نہ ہوتی تو حقیقی تصوف کا خوش نما ڈھانچہ ہم تک کبھی نہ پہنچ پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی تصوف کے چاروں بڑے سلاسل میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو مرکزی مقام اور نمایاں مرتبہ حاصل ہے۔

تعلیمات: آپ نے میدان تصوف میں ایسے انمٹ نقوش و آثار چھوڑے ہیں کہ رہتی دنیا تک سالکین ان سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ چند تعلیمات حسب ذیل ہیں:

❋ شکر یہ ہے کہ انسان اس خدا کی نافرمانی نہ کرے جو اسے بے حد و حساب انعامات سے نوازتا ہے۔

❋ صوفی وہ ہے جو زمین کی مانند ہو جسے نیک و بد دونوں روندتے ہیں، صوفی وہ ہے جو بادل کی مانند ہو جو ہر چیز کو سایہ مہیا کرتا ہے، صوفی وہ ہے جو بارش کی مانند ہو جو ہر چیز کو یکساں سیراب کرتی ہے خواہ کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے، جب تم صوفی کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو بہت زیادہ درست کرنے کے اہتمام میں لگا ہوا ہے تو جان لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

❋ اے جماعت صوفیا! تم اطاعت ہی کی بدولت جانے جاتے ہو اور اسی کی بدولت ہی تمھاری عزت ہوتی ہے۔ تم غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہو تمہیں کیسا ہونا چاہیے؟۔

❋ تمہیں چاہیے کہ امراو سلاطین کی بجائے عارفین اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔

❋ نماز اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا نام ہے، نماز ادا کرتے وقت تمھیں اس بات کی خوشی ہونی چاہیے کہ تمھارا تعلق اس ذات سے قائم ہو رہا ہے جس تک پہنچنے کا اس کی مدد کے بغیر کوئی وسیلہ نہیں۔

❋ آئی ہوئی مصیبت کے ٹل جانے تک رضائے الٰہی کی خاطر تکلیف برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے۔

❋ اپنے اختیار کو ترک کر دینے کا نام رضا ہے۔

☆☆☆

"الفیض النبوی"
ایک تجزیاتی مطالعہ

توفیق احسن برکاتی

"الفیض النبوی" کا موضوع علوم حدیث ہے اور اس کے مصنف بارہویں صدی ہجری کے گجراتی عالم و محدث شیخ عمر بن محمد عارف نہروالی [فتنی، گجراتی، مدنی] ہیں۔ آپ ایک جید عالم دین، باکمال محدث اور دین حق کے مخلص داعی و سرگرم رکن تھے۔ "الفیض النبوی" کے علاوہ ان کی دو اور عربی کتابوں کا پتا چلتا ہے ایک علم حدیث میں "مشرع العطشان" [جو 1126ھ کی تصنیف ہے] اور دوسری "منهل الصائمين ومعراج المخلصين" [یہ 1177ھ کی تصنیف ہے]۔ ان دو کتابوں کے سنہ تالیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف 1177ھ میں باحیات تھے، لیکن ان کا سنہ وفات کیا ہے؟ اور کس سنہ میں ان کی پیدائش ہے؟ تاریخ و تذکرہ کی کتابیں ان کے حتمی بیان سے بالکل خالی ہیں۔ خود ان کا چند سطری تذکرہ اگر کہیں ہے بھی تو تشنہ سا۔ یعنی علمی دنیا کو نہ ان کی کتابوں کی کوئی اطلاع ہے نہ احوال کی۔ خدا بھلا کرے گجراتی عالم دین اور جامعہ اشرفیہ کے فاضل مولانا محمد نظام الدین مصباحی کا کہ جب انھیں برطانیہ کی ایک لائبریری میں "الفیض النبوی" کے قلمی نسخے کی خبر ملی تو انھوں نے اسلاف کے علمی سرمایے کو تحفظ فراہم کرنے کی نیت سے نہ صرف اس کا عکس حاصل کیا بلکہ استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ العالی [استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] سے گزارش کی کہ وہ اس کتاب کی تحقیق و تدوین کر دیں اور پھر شایان شان اس کی طباعت و اشاعت کی جائے۔ اللہ کا کرم ہوا کہ حضرت استاذی الکریم کی تحقیق و تدوین اور تقدیم و تعلیق کے ساتھ یہ علمی تحقیق سرمایہ بہ حفاظت ہم تک پہنچ چکا ہے اور گردش دوراں کے تھپیڑوں کے مظالم سہنے اور دیمکوں کا لقمۂ تر بننے سے محفوظ و مامون ہو گیا۔ اس کے لیے مولانا محمد نظام الدین مصباحی، جماعت رضاے مصطفیٰ [برطانیہ] کے تمام ارکان و معاونین اور محقق و حاشیہ نگار سب قابل مبارک باد ہیں۔

"مولانا نفیس احمد مصباحی" کا شمار عربی اور اردو زبان و ادب کے ان باکمال ماہرین اور تحقیق و تدوین کے رجالِ کار میں ہوتا ہے جن کی تحریروں میں قدیم و جدید کی ہم آہنگی اور عصری ادبیات کے مطالعے کا گہرا شعور نظر آتا ہے۔ سنجیدگی، برجستگی، شگفتگی اور ادبی و لسانی آہنگ سے مالامال علمی اور ادبی مضامین میں جو نفاست ملتی ہے وہ انھیں اَوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کی علمی، ادبی، نصابی، تاریخی اور سوانحی تصانیف میں ایک خاص قسم کا استدلالی اسلوب دکھائی دیتا ہے جو ان کے قلم کا نقش دلوں پر جما دیتا ہے اور فکر و ذہن کے مختلف دریچے وا ہوتے ہیں۔

انھوں نے اپنے باکمال اساتذہ بالخصوص صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی سے تحقیق و تدوین کا ڈھنگ سیکھا ہے اور ان کے لسانی و ادبی جمالیات سے بھی حظ وافر پایا ہے۔ وہ سخن فہم بھی ہے اور سخن ساز بھی، نام کی طرح ان کا اسلوبِ نگارش بھی نفیس اور شستہ ہے، روانی اور بے ساختگی ان تحریروں کا حسن ہے۔ اس دعوے کی دلیل وہ تمام مضامین اور کتابیں ہیں جو ان کے قلم زر نگار سے منصہ شہود پر جلوہ ہوئیں اور اربابِ ذوق کے مطالعہ کی میز تک پہنچیں۔

راقم الحروف اس تحریر سے قبل عربی ادب و انشا پر مشتمل ان کی کتاب "مصباح الانشاء" [تین حصے] پر اظہار خیال کر چکا ہے۔ اس وقت ان کی بالکل تازہ کتاب "الفیض النبوی" مطالعہ کی میز پر ہے، جو جماعت رضاے مصطفیٰ [برطانیہ] اور روضۃ الکتاب العربي [بیروت لبنان] سے ایک ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب سے قبل فاضل محقق نے معروف گجراتی عالم دین شیخ وجیہ الدین علوی علیہ الرحمۃ کی عربی کتاب "شرح نزهة النظر" کی تحقیق و تعلیق اور تحشیہ کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا تھا، جو ہند و بیروت سے طبع ہو چکی ہے۔ "بردۂ مدحت" اور

"کشفِ بردہ" کے نام سے انھوں نے امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ کے مشہورِ زمانہ "قصیدۂ بردہ" کے سلیس، شگفتہ اور ادبی ترجمہ وتشریح پر مشتمل مختصر و مبسوط دو علمی اور ادبی کتابیں لکھیں جس میں اشعار کے معنی و مفہوم کے ساتھ محاسن شعر پر جو عالمانہ وفاضلانہ دل چسپ حقائق پیش کیے ہیں وہ نگاہوں کو حسنِ دیدہ زیبی اور دلوں کو حسنِ معرفت عطا کرتے ہیں۔ ان کی دوسری کتابوں میں "كافية النحو" [عربی]، "ميزان المتربى شرح ديوان المتنبى" [عربی]، "تعريف موجز بالجامعة الأشرفية" [عربی]، اصول حدیث [اردو]، مشائخ نقش بندیہ [اردو]، امام احمد رضا اور عربی زبان وادب [اردو] قابل ذکر ہیں۔ عربی سے اردو، اردو سے عربی تراجم بھی ایک درجن کے قریب ہیں۔ دیگر عربی، اردو مضامین ومقالات ان کے سوا ہیں۔

"الفیض النبوی" اب تک غیر مطبوعہ تھی، اس کا صرف ایک خطی نسخہ برطانیہ کی ایک لائبریری میں موجود ہے جو مجموعی طور پر تین سو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحے میں پندرہ سطریں اور ہر سطر میں تقریباً پندرہ الفاظ ہیں۔ لیکن یہ نسخہ کس نے تیار کیا اور کس سنہ میں نقل کیا؟ اس کا کوئی سراغ نہ ابتدا میں ہے نہ آخر میں نہ درمیانی صفحات میں کہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب علوم حدیث کے مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس مطبوعہ نسخے میں سابقہ اور لاحقہ کو چھوڑ کر 451 صفحات ہیں، 250 صفحات میں علوم حدیث کے مبسوط اور دل چسپ مضامین اور بقیہ 201 صفحات میں احادیث بخاری کی شرح ہے۔ تقریباً 70 صفحات میں محقق موصوف کا مبسوط علمی اور تحقیقی مقدمہ ہے۔ ابتدا میں مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے "عرض ناشر"، صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے "اعترافیہ" اور ڈاکٹر محمد ابراہیم مصباحی نے 9/ صفحات میں محقق ومحشی مولانا نفیس احمد مصباحی کا تفصیلی سوانحی تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ اخیر کے ساڑھے آٹھ صفحے میں کتابیات کے ذیل میں انہتر [69] کتابوں کا ذکر ہے اور چونتیس صفحے [34] میں تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔ جب کہ پوری کتاب 612/ صفحات پر مشتمل ہے۔

فاضل محقق نے اس خطی نسخے کی کما حقہ تحقیق فرمائی ہے نقل وکتابت میں جو نحوی، صرفی اغلاط راہ پا گئی تھیں انھیں صحت بخشی ہے، تاریخ وتذکرہ اور علم حدیث وفقہ کی رو سے جو باتیں خلافِ واقعہ درج تھیں ان کی تصحیح کی ہے، حاشیہ میں ضرورت بھر لغوی تحقیقات اور تعلیقات بھی مرقوم ہیں۔ کما حقہ تحقیق کا مطلب ہے: دورانِ تحقیق ان مراجع ومصادر کو کھنگالنا جن سے مصنف سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق میں فاضل محقق نے یہی کیا ہے اور جہاں ترمیمات تھیں حاشیہ میں دیانت داری کے ساتھ انھیں ذکر بھی کر دیا ہے۔ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"ولو لا هذا البحث والفحص والتصويب لكان كثير من عبارات الكتاب مَجهَلة ومَضَلّة للناشئين، وأضحوكة وأعجوبة للباحثين وألغازاً وأحاجي لعامة القارئين."

(الفیض النبوی، ص: ١١)

[یعنی اِس مطبوعہ کتاب میں اگر تلاش وتفحص اور اصلاحِ زبان وبیان کا یہ رنگ نہیں ہوتا تو اصل کتاب کی بہت سے عبارتیں انشا پردازوں کے لیے جہل آمیز اور گمراہ کن، محققین کے لیے مضحکہ خیز اور حیران کن اور عام قارئین کے لیے سراپا چیستان اور پہیلی معلوم ہوتیں۔]

تحقیق وتخریج اور تصویب وتدوین کے علاوہ محقق موصوف نے تعلیقات میں گراں قدر افادات تحریر کیے ہیں اور اپنے علم وتحقیق اور ادبی وفنی شان کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے، جس نے اس کتاب کو بین الاقوامی علمی وتحقیقی سرمایہ کی حیثیت بخش دی ہے اور اس کے اعتبار واستناد میں اضافہ ہوا ہے۔

مقدمۂ کتاب میں مولانا نفیس احمد مصباحی نے علوم حدیث کے مختلف علمی وفنی مباحث کو جگہ دی ہے اور پوری فنی واصولی نزاکتوں اور علمی وادبی طمطراق کے ساتھ حقائق پیش کیے ہیں، ساتھ ہی امام بخاری علیہ الرحمہ کا تذکرہ، صحیح بخاری کی علمی حیثیت، شروح بخاری کی تفصیل، صاحبِ کتاب کا تذکرہ اور الفیض النبوی کا تعارف بڑے نفیس انداز میں کرایا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ مقدمہ ایک مستقل رسالے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

مقدمے کا آغاز علوم حدیث کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ علوم حدیث کس قدر متنوع اور کثیر ہیں؟ ان کی حتمی تعداد کیا ہے؟ اس سلسلے میں علما و محدثین مختلف الرائے ہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ علوم حدیث بنیادی طور پر دو خاص علم میں منقسم ہے: (1) علم حدیث بہ اعتبارِ روایت (2) علم حدیث بہ اعتبارِ درایت۔

روایت نبی کریم ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت حتی کہ حرکات وسکنات پر مشتمل بیانات کے نقل سے متعلق ہوتی ہے اور درایت میں راوی اور مروی عنہ سے احوال سے آگاہی حاصل کی جاتی ہے۔ درایت میں رجال الحدیث اور مصطلحات الحدیث خاص طور پر بحث کا

حصہ بنتے ہیں اس لیے مقدمہ نگار نے علوم حدیث کی تاریخ کو آسانی کے لیے تین زمروں میں بانٹا ہے۔ (1) روایت کے اعتبار سے علم حدیث کی تاریخ، (2) علم رجال حدیث کی تاریخ (3) اصطلاحات حدیث کی تاریخ۔ تاریخ علم حدیث کی ضمن میں تدوینِ حدیث کی تفصیل دی گئی ہے۔ مقدمہ نگار نے تدوین حدیث کے تین طریقے بیان کیے ہیں: پہلا طریقہ انفرادی تدوین کا [یہ سلسلہ عہد نبوی میں شروع ہو چکا تھا۔]، دوسرا اجتماعی تدوین کا [یہ سلسلہ تابعین کرام کے عہد وسطیٰ میں شروع ہوا۔] اور تیسرا علمی انداز میں کتب احادیث کی تصنیف۔ [یہ کام تابعین کے دورِ اخیر میں باضابطہ شروع ہوا جس میں کبار تبع تابعین بھی شامل رہے۔] اس جگہ علمی اور تاریخی انداز میں کتب احادیث کی تصنیف و ترتیت کا مرحلہ وار تاریخی جائزہ لیا گیا ہے جس کا مطالعے سے بہت سی تاریخی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور تدوین حدیث کے ذیل میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کے تذکرے میں مستند ماخذ کی روشنی میں ان کا نام ونسب، پیدائش، نشو ونما، خاندانی پس منظر، تعلیم وتعلم، اسفارِ علمیہ، قوت حافظہ، طلب علم کا شوق فراواں، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ، تلامذہ، ان کا علمی مقام اور ان کی وفات پر معتدبہ مواد پڑھنے کو ملتا ہے، پھر صحیح بخاری کے علمی مقام ومرتبے، امام بخاری کے مشائخ حدیث، رجال بخاری، مابین العلما صحیح بخاری کا مقام قبول، شروح وتعلیقات بخاری کے ذیل میں 84 کتب کا مختصر ومفصل تذکرہ تحریر کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں جن ہندستانی علما ومحققین نے صحیح بخاری کی شرح تحریر کی ان میں صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کی "**بشير القاری بشرح صحيح البخاری**"، محدث کبیر علامہ سید محمد محمود کی "**فيوض الباری**"، مفتی محمد شریف الحق امجدی "**نزهة القاری**"، علامہ غلام رسول رضوی فیصل آبادی کی "**تفہیم البخاری**" اور علامہ غلام رسول سعیدی کی "**نعمة الباری**" کا ذرا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد الفیض النبوی اور اس کے مصنف کا ذکر جمیل ہے۔

محدث گجرات شیخ عمر بن محمد نہروالی مدنی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب کو ایک مقدمہ، مقاصد اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں اصول حدیث کی اصطلاحوں کا بیان ہے۔ یہیں حدیثیں گھڑنے والوں کے اصناف بھی مذکور ہیں اور اسبابِ وضع بھی بیان ہوئے ہیں۔ [فاضل محقق نے اسی مقام پر متن میں مندرج عبارت "**لقوله عم**" [الفیض النبوی، ص: 177] پر دو صفحے میں بے حد معلوماتی حاشیہ تحریر کیا ہے اور مختلف دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ واضح فرمایا ہے کہ کلماتِ درود میں اختصار سخت ناپسندیدہ ہے، چاہے "**عليه الصلاة والسلام**" کے بدلے میں "**عم**" لکھا جائے یا "**صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**" کی جگہ "**صلعم**"۔ یہ درودِ پاک کی حسنات وبرکات سے سخت محرومی کا سبب بھی ہے اور کتابت کا بخل بھی۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے "**تدريب الراوی**" میں لکھا ہے کہ کلماتِ درود کی رمزیہ کتابت کرنے والے پہلے شخص کا ہاتھ تک کاٹ دیا گیا تھا۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے "**السَّنِيَة الأنيقة في فتاوىٰ أفريقه**" میں اس مسئلہ پر تحقیقی گفتگو فرمائی ہے۔

مقاصد **چار ابواب** پر مشتمل ہیں:

باب اول: اقسام حدیث کے بیان میں ہے اور اس میں تین فصلیں ہیں، فصل اول میں صحیح کا ذکر ہے فصل دوم میں حسن اور فصل سوم میں ضعیف کا بیان ہے، ان کے سوا کچھ تمہیدی بحثیں ہیں جو مذکورہ تینوں مصطلحات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ مباحث انتہائی کارآمد اور افادیت سے بھرپور ہیں اور ان کا مطالعہ ذہن وفکر کے نئے دریچے کھولتا ہے۔

اقسام حدیث کی تعریف کے ساتھ ان کے احکام کا بیان بھی درج ہے۔ حدیث ضعیف [جس میں صحیح وحسن کی شرطیں نہ ہوں] کے حکم سے متعلق مصنف نے تحریر فرمایا ہے:

"ويجوز عند أهل الحديث كأحمد وابن مهدی وابن المبارك وغيرهم ممن اقتفى أثرهم أو الأئمة وجمهور العلماء التساهلُ في الأسانيد الضعيفة وروايةُ ما سوى الموضوع والشواذ من أنواع الضعيف والعملُ به من غير بيان ضعفه في المواعظ والقصص وفضائل الأعمال، لا في صفات الله عزوجل وفيما يجوز ويستحيل عليه، وتفسير كلامه، والأحكام كالحلال والحرام." (الفیض النبوی، ص: 132)

اس بحث کو فاضل محقق نے حاشیہ میں علم وتحقیق کے اجالے میں اور زیادہ واضح کیا ہے، محدثین اور علما وائمہ کے اقوال بھی پیش کیے ہیں اور امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے رسالہ "**الهاد الكاف في حكم الضعاف**" سے ایک اہم "افادہ جلیلہ" بھی شامل کیا ہے۔ جس کا مطالعہ انتہائی مفید ہے اور چشم کشا بصیرت بھی عطا کرتا ہے۔

بابِ اول سے منسلک تین فصلوں کی جو متعلقاتی تمہید مصنف نے ذکر کی ہے اس میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو صحیح، حسن اور تینوں میں

مشترک ہیں اور کچھ ضعیف کے ساتھ خاص ہیں۔ نوعِ اول میں مسند، متّصل، مرفوع، معنعن، معلق، افراد، مدرج، مشہور، غریب، عزیز، مصحّف، مسلسل اور اعتبار جیسی اصطلاحوں کے معنی ومفہوم کو زیر بحث لایا گیا ہے اور نوعِ دوم [یعنی جو اُمورضعیف سے مختص ہیں] میں موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، معضل، شاذ، معلل، مدلس، مضطرب، مقلوب، موضوع اور منکر کی تعریفیں اور احکام مذکور ہیں۔ ان میں حدیثِ موضوع کی بحثیں سولہ صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں جس میں آٹھ صفحات میں متن اور آٹھ میں معلوماتی حاشیہ درج ہے۔ موضوع کی تعریف، اسبابِ وضع، موضوع روایت کا حکم اور موضوع شناسی میں معاون کتب وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہیں۔

بابِ دوم: جرح وتعدیل سے متعلق ہے، اس میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل عدالت وضبط اور دوسری فصل جرح کے بیان میں۔ ان دونوں فصلوں میں جرح وتعدیل کا حکم، کتاب وسنت سے ان کے جوازی دلائل، عدالت وضبط کی تفسیر وتوضیح، عورت اور غلام کی تعدیل میں علما کا اختلاف، عدالت وضبط کی معرفت کے طریقے، الفاظ تعدیل کے مراتب، حکم میں جرح وتعدیل کے مابین فرق، الفاظِ جرح کا ذکر اور ان کے مراتب، جرح وتعدیل سے متعلق قواعد وغیرہ امور مشترکہ طور پر متن اور حاشیہ میں مندرج ہیں اور بحث وتحقیق کے نئے در وَا کرتے ہیں۔ اور جن امور میں علما ومحققین کا اختلاف ہے وہاں اجمالاً وہ اختلاف بھی درج ہے اور فاضل محقق نے علما کی اصل عبارتوں کو تلاش کر کے حاشیہ بند کیا ہے۔

بابِ سوم: سماع حدیث کی کیفیت اور ضبط و تحمل کے بیان میں۔

یہاں تحمل حدیث کے آٹھ طریقوں کو واضح کیا گیا ہے، ان میں **سماع لفظ الشیخ، القراءة علی الشیخ من الطالب، الاجازة** [یہاں اجازت کی بھی آٹھ صورتوں کا بیان ہے]، **المناولة، المکاتبة، اعلام الشیخ الطالب، الوصیة، الوجادة**۔ ان آٹھ انواع سے متعلق اہم اور ضروری حقائق حاشیہ میں درج ہیں جو متن کی تشنگی بھی دور کرتے ہیں اور توضیح مطالب میں معاون بھی بنتے ہیں۔ مزید چند فوائد بھی مذکور ہیں۔

بابِ چہارم: اسماء الرجال کے بیان میں۔

اس باب میں صحابی اور تابعی کی تعریف، صحابیت وتابعیت شناسی کا طریقہ، کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی عدالت وثقاہت کا بیان، ان کے فضائل ومناقب، ان کی تعداد اور طبقات کا بیان موجود ہے۔

متن میں صحابی کی پوری بحث محض پندرہ صفحات میں ہے لیکن فاضل محشی نے اس مقام پر بحث وتحقیق کا جو دبستان آباد کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں علم ومعرفت کے اجالے ہیں، شعور وآگہی کی رونق ہے اور تدبر وتفکر کی نرم خرام ہوائیں قلب پریشاں کو یقین واعتماد کی برودت تقسیم کرتی ہیں۔ یہ پورا حاشیہ چودہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے جس میں صحابی کا لغوی واصطلاحی معنی، صحابی کی تعریف میں علما ومحققین کے پانچ مختلف اقوال کا خلاصہ مستند ماخذ کی روشنی میں درج کیا گیا ہے۔ پھر حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف بیان ہوا ہے کہ اگر درمیان میں ارتداد حائل ہوجائے تو صحابیت کا حکم باقی رہے گا یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک "**وان تخللت ردة فی الأصح**" [یعنی اگرچہ درمیان میں ارتداد آجائے] قابل قبول ہے، شافعیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس جگہ متن میں صحابیت شناسی کے پانچ طریقے مذکور ہیں: (1) تواتر (2) استفاضہ وشہرت (3) کسی دوسرے صحابی کا خبر دینا (4) ثقہ تابعی کا بتانا (5) خود صحابی کا بتانا جب کہ وہ عادل ہو اور دعویٰ ممکن ہو۔

حاشیہ نگار نے ہر طریقے کی پوری وضاحت کی ہے اور معتمد اقوال علماے اصول سے معتبر شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ "**الاصابة لابن حجر العسقلانی، لسان المیزان، فتح المغیث للسخاوی، شرح شرح نخبة الفکر للقاری**" اور "**تدریب الراوی**" جیسی کتب معتبرہ سے اپنا استنادی حق متعیّن کیا ہے۔ یہیں یہ بحث بھی شدومد کے ساتھ اٹھائی ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی عدالت کی تحقیق، امام الحرمین اور جمہور کا قول درج کیا ہے، عدالت اور عدل کا معنی ومفہوم متعیّن کیا ہے، مشاجراتِ صحابہ سے کف لسان اور ان کے اس قسم کے اقوال کی مناسب توجیح وتاویل تلاش کرنا واجب ہے۔ حضرت علی مرتضی اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو اختلافی امور تھے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ پھر یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے؟ اور اس کا شافی جواب بھی دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام کیا تھا اور احادیث نبویہ میں ان کے کیا مناقب بیان ہوئے ہیں؟ ان تمام حقائق کو معتبر شواہد سے واضح فرمایا ہے۔

علامہ شیخ عبدالحی لکھنوی [م:1304ھ] نے اپنی کتاب "**ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی**" میں عدالتِ صحابہ سے متعلق ایک

نفیس بحث درج کی ہے، فاضل محشی نے اس کتاب کا پندرہواں اور سولھواں فائدہ یہاں پیش کیا ہے جس میں علامہ عبدالحی لکھنوی نے عدالتِ صحابہ کے نقد پر مشتمل چار اقوال بیان کرکے ان کا رد بلیغ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چاروں اقوال محققین محدثین اور اہل سنت کی دیگر جماعتوں کے نزدیک مردود ہیں، یہی جمہور اہل سنت کا بھی مذہب ہے اور ناقدین محدثین و متکلمین نے بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے کہ تمام صحابہ عادل و ثقہ ہیں، خورد و کلاں سب، کسی فتنے میں پڑنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، فتنے میں داخل بھی ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ ان کی عدالت کے شاہد ہیں۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے سولھویں فائدہ میں عدالت اور عصمت کے معنی و مفہوم کی تحقیق فرمائی ہے۔ انھوں نے ایسوں کی سخت سرزنش کی ہے جو عدالتِ صحابہ کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔

یہ ساری بحثیں آج کے حالات میں اور زیادہ اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہوجاتی ہے کیوں کہ موجودہ عہد کے نام نہاد ناقدین و خود ساختہ مفکرین خلافتِ امیر معاویہ کے تعلق سے سخت کشمکش کا شکار ہیں اور بے بنیاد بحثوں میں الجھ کر معاذ اللہ ان پر بہتان تراشی اور ہجو گوئی کے مرتکب بن جاتے ہیں۔ یہ بحثیں پڑھ کر ہر مسئلہ صاف ہوجاتا ہے اور حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ ماتن و محشی دونوں کی علمی عظمتوں کو سلام۔

درمیان میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تابعیت کا ذکر، مدینہ منورہ کے سات فقہا کے تذکار، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی معلومات درج ہیں۔ بابِ چہارم میں متن تقریباً بیس [20] فیصد اور حاشیہ اسی [80] فیصد ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاشیہ نگار نے کس قدر محنت کی ہے اور کس قدر علم افروز باتیں شامل کی ہیں۔ یہ باب کل تیئس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں 43 سطریں متن کی ہیں بقیہ حاشیہ ہے۔ اس کے بعد اسی باب میں اصول حدیث سے متعلق کچھ ایسے مفید مسائل کا ذکر ہے جن کا جاننا علم حدیث کے ہر طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔

یاد رکھیں! علم حدیث علوم و فنون میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے، کیوں کہ اس کا تعلق براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، اقوال وافعال اور احوال و تذکار سے ہے۔ علم حدیث کا تعلق علوم آخرت سے ہے، جو اس کی برتری اور بزرگی کا پتا دیتا ہے۔ اسی بنیاد پر محدثین کا مقام و درجہ بھی بلند اور بے مثال ہے۔ ماتن نے سب سے پہلے یہاں محدث کی آداب شناسی کا سبق ازبر کرایا ہے، پھر طالب علم حدیث کے آداب ذکر کیے ہیں، مختصراً اسماء الرجال پر بھی بحث کی ہے، کچھ راویانِ حدیث کے اسما، القاب اور کنیت کی لفظی تشریح کی ہے اور ان کے درست تلفظ کو بیان کیا ہے۔

یہیں اسناد عالی و نازل کا ذکر، **روایة الأکابر عن الأصاغر، روایة الآباء عن الأبناء، روایة الأبناء عن الآباء** وغیرہ امور بھی مختصراً زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن بیان میں خشکی کا احساس ہوتا ہے نہ تطویل لاطائل کی کیفیت نظر آتی ہے، بلکہ ایک خاص قسم کا اختصار ہے جو جامعیت سے ہم رشتہ ہے اور جہاں تشنگی رہ گئی تھی فاضل محقق و حاشیہ نگار نے بڑی عمدگی اور ادب سے اس کی بھرپائی کی ہے۔

خاتمہ میں امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کے مناقب و احوال اور صحیح بخاری کے تعارف کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہاں امام بخاری کے ان شیوخ و اساتذہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے جن سے امام بخاری نے حدیث کا سماع کیا ہے، امام بخاری کے ان رجال کا بھی ذکر ہے جو ان کی شرط پر قائم ہیں۔ کچھ ان کے ہم عصروں کا تذکرہ ہے، کچھ حفاظ احادیث کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی ضمن میں صحیح بخاری کے تراجم کی درجہ بندی بھی کی گئی ہے، مذکورہ ابواب کے ساتھ ترتیبِ مذکور کی مناسبت بھی بیان کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کے کس باب میں کتنی احادیث، تعالیق اور متابعات ہیں انھیں شمار کرایا گیا ہے۔ راوی صحابہ کرام کے مختصر احوال بھی درج ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں۔ ان کے سوا کچھ افادات بھی ہیں، پھر صحیح بخاری کی شرح کا آغاز ہوتا ہے۔

شرح میں "کتاب بدء الوحی" مکمل ہے اور "کتاب الایمان" بس عنوان کی حد تک ہے اس کے تحت کوئی حدیث مذکور نہیں ہے۔ تشریحی نوٹ میں عنوانِ باب کی نحوی ترکیب کا بیان ہے اور بس۔ اسی پر یہ مخطوطہ ختم ہوجاتا ہے۔

"الفیض النبوی" تقریباً ڈھائی صدی بعد پہلی بار تحقیق و تحشیہ اور تقدیم و تذہیب کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے اس کتاب کی تحقیق و تعلیق کے لیے جس عظیم ادبی ذات کا انتخاب کیا وہ ان کا حسن انتخاب ثابت ہوا اور جماعت رضائے مصطفی، برطانیہ نے اس کے شایانِ شان یہ کتاب طبع کراکے بہت بڑا تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے، محرک و محقق و ناشر اور جملہ معاونین کو دلی مبارک باد۔ امید ہے کہ پوری علمی دنیا اس کتاب سے استفادہ کرے گی اور اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوگی۔

فقہ و افتا کی تدوین و تاریخ

تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی

کتاب : فقہ اور افتا کی تدوین و تاریخ
مؤلف : مفتی محمد کمال الدین اشرفی
صفحات : 112
ناشر : اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن حیدرآباد
ہدیہ: 200/روپے

فقہِ اسلامی دراصل کتاب اللہ، سنت (قرآن و حدیث)، اجماعِ امت اور قیاس پر مشتمل وہ پاکیزہ علم ہے جو دارین کی سعادتوں کے حصول کے ساتھ بیشمار دینی و دنیوی مصالح و منافع کو اپنے دامنِ کرم میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اسلامی بلکہ انسانی معاشرے میں قندیلِ ہدایت روشن کرنے کے ساتھ جلبِ منافع اور دفعِ مفاسد اس کا طرۂ امتیاز ہے اور اس کی چاروں شاخیں (فقہِ حنفی، فقہِ مالکی، فقہِ شافعی، فقہِ حنبلی) پوری امتِ مسلمہ لیے سراپا خیر و برکت ہیں۔ آج کے اس دورِ قحط الرجال میں جہاں ہر طرف علم و عمل کا چمکتا سورج گہناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یہ فقہِ اسلامی ہی ہے جو امتِ مسلمہ کو ہدایت و سعادت اور منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ فقہِ اسلامی ایک ایسی فکرِ سلیم اور منہجِ مستقیم کا نام ہے جو قرآن و سنت کے چشمۂ صافی سے سینچا گیا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا سامان مہیا گیا ہے۔ یہ وہ عطیۂ الٰہی ہے جس سے امتِ محمدی کو سرفراز کیا گیا ہے اور اس کی روشنی میں اسے شاہراہِ حیات طے کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ فقہ اسلامی قرآن و سنت کے عملی احکام کا نام ہے۔ اس کے بعض و احکام و ارشادات قرآن و سنت کے متعیّن کردہ ہیں اور بعض احکام کلام الٰہیہ و حدیث نبوی کے اصولوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ان دونوں کے باہمی امتزاج و ترکیب سے وجود پذیر فقہ اسلامی ایک مستحکم عملی قانون کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔

فقہِ اسلامی کی اہمیت و معنویت کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ: "فقہِ اسلامی، امتِ مسلمہ کو باہم مضبوط و مربوط کرنے والا وہ نظامِ حیات ہے جس پر اس کی زندگی کی بقا موقوف ہے اور یہ وہ سرمایۂ اعزاز و افتخار ہے جو اس سے پہلے دیگر امتوں کو حاصل نہیں ہوا۔ نظامِ عالم کا حسن و جمال اور خوبی و کمال اسی پر منحصر ہے۔ نیز سماجی اور اخلاقی مصالح کا دار و مدار اسی "فقہِ اسلامی" پر ہے"۔

الفقه الاسلامی جامعة و رابطة للامة الاسلامية و هو حياتها تدوم ما دام و تنعدم ما انعدم و هو جزء لا يتجزى من تاريخ الامة الاسلامية فی اقطار المعمورة ، و هو مفخرة من مفاخرها العظيمة و من خصائصها التی لم تكن لای امة قبلها ، اذ هو فقه عام مبين لحقوق المجتمع الاسلامی بل البشری ، و به كمال نظام العالم فهو جامع للمصالح الاجتماعية بل و الاخلاقية .... فالفقة الاسلامي نظام عام للمجتمع البشری عامة تام الاحكام مكتمل الآراء ، لم يدع شاذة و لا قاذة و هو القانون الاساسی للدولة الاسلامية .

(مقدمة التحقيق، رد المحتار علی الدر المختار، جلد اول ، ص : 2 دار عالم اللكتب ، الرياض)

زیرِ تبصرہ کتاب " فقہ اور فتاویٰ کی تدوین و تاریخ " حضرت علامہ مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی دام ظلہ العالی کی ایک بلند پایہ علمی و تحقیقی تصنیف ہے، جس میں فقہِ اسلامی کی عظمت، فقہ و فتاویٰ کی اہمیت و وسعت، ان دونوں کے مابین لطیف فرق، چاروں فقہ (فقہِ حنفی، فقہِ مالکی، فقہِ شافعی، فقہِ حنبلی) کے اوصاف و خصوصیات، فتویٰ کی شرعی حیثیت، فقہ و فتاویٰ کی لغوی و اصطلاحی تعریف مفتی و فتویٰ کے انواع و اقسام، فتویٰ نویسی کے اصول و مبادی جیسے اہم موضوعات پر دلائل و شواہد کے ساتھ تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح یہ سوالات کہ: کیا مفتی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے ؟، فتویٰ دینا کسے جائز ہے ؟، فتویٰ کس کے قول پر دیا جائے ؟ فقہائے احناف کے اقوال مختلف ہونے کی صورت میں فتویٰ کی ترتیب کیا ہوگی ؟ مختلف فیہ اقوال میں ترجیح کے وجوہات کیا ہیں ؟، قولِ امام سے عدول کب جائز ہے ؟

کے تشفی بخش علمی جوابات مصنف نے دیے ہیں اور ہر موضوع کے تمام ممکنہ گوشوں پر دلائل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے، جس سے قارئین کو کسی قسم کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں :

تحقیق و جستجو اور باہمی مفاہمت، انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر اور بنیادی حصہ ہے۔ روزِ ازل سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی فہم و مفاہمت، طلب و دریافت اور تحقیق و جستجو کو علم و فن کی اصطلاح میں "فقہ و افتا" سے تعبیر کرتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں ان کے ماہرین کو "فقیہ و مفتی" کہتے ہیں۔ فقیہ و مفتی کا اطلاق دورِ قدیم میں مجتہدِ مطلق پر ہوتا تھا۔ ابتدائی زمانے میں ایسے نو پید مسائل کو فتویٰ کہا جاتا تھا، جن کے احکام مجتہدین فقہا اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے اور اصحابِ مذہب سے ان سے متعلق کوئی روایت منقول نہیں ہوتی۔ جب مجتہدین فقہا کا زمانہ ختم ہوا اور دورِ تقلید شروع ہوا تو ان مجتہدین کے مستنبط اور اجتہادی مسائل کو عوام الناس سے بیان کرنے اور نقل کرنے کو "فتویٰ" سے تعبیر کیا جانے لگا اور جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہے اور راجح و مرجوح اور مفتیٰ بہ اقوال میں امتیاز کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے، ایسے ناقلِ فتویٰ کو "فقیہ اور مفتی" کہا جانے لگا۔ اس تنوع کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فقہ و افتا اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں، ان دونوں کے درمیان زیادہ کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ صرف امتیازی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہ خاص ہے اور فتاویٰ عام ہے۔
(فقہ اور فتاویٰ کی تدوین و تاریخ؛ص:43,44)

فقہ و فتاویٰ اور فقیہ و مفتی کا مفہوم بیان کرنے کے بعد فاضل مصنف نے فقہ و فتاویٰ کی وسعت و ہمہ گیری اور ان دونوں کے مابین لطیف فرق و امتیاز پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے، جو ان کی دقتِ فکر اور وسعتِ نظر پر دال ہے :

فقہ، علومِ اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے۔ یہ جہاں ایک طرف قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ، اجتہاداتِ فقہا، جزئیات و فروع، راجح و مرجوح اور امت کی واقعی ضروریات کے ادارک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے، وہیں دوسری طرف طہارت و نجاست کے مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب و اخلاق اور ان تمام چیزوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلت و حرمت اور اباحت یا عدمِ اباحت سے ہے۔

فتاویٰ کا میدان فقہ سے وسیع تر ہے۔ اس لیے کہ فتاویٰ میں ایمانیات، فِرق و ملل، تاریخ و سیرت، تصوف و سلوک، اخلاق و آداب، عبادات و معاملات، معاشرت و سیاسیات کے ساتھ قدیم و جدید مسائل کا حل، اصولی و فروعی مسائل کی تشریح و تطبیق جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں۔ (فقہ اور فتاویٰ کی تدوین و تاریخ، ص:44)

مشاہیر مفتیانِ کرام، فتویٰ کی مختصر تاریخ، فقہ کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، علمِ فقہ کی فضیلت و شرعی حیثیت، فقہ کی مختصر تاریخ، مجتہدینِ صحابہ، مجتہدینِ صحابہ کے اقسام، مجتہدینِ مکثّرین، مجتہدینِ متوسطین، مجتہدین مقلدین، مختلف بلادِ اسلامیہ میں علمِ فقہ کا فروغ و ارتقا جیسے مباحث کتاب کی اہمیت و معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ چاروں فقہی مذاہب و مسالک بیان کرنے کے بعد مصنف نے تدوینِ فقہ، ضرورتِ تدوین اور طریقۂ تدوینِ فقہ سے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ اسی طرح خاص فقہِ حنفی سے متعلق موضوعات مثلاً : فقہِ حنفی کے اصول، طبقاتِ فقہائے احناف، کتبِ احناف کے طبقات، کتبِ اصول و نوادر، کتبِ واقعات، موجودہ دور میں فقہِ حنفی کی ماخذ و مستند کتابوں کی نشان دہی مستند متون و شروح و فتاویٰ کافی اہمیت کے حامل ہیں، جو تحقیق فی الفقہ کے طلبہ کے لیے خضرِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فتویٰ نویسی نہایت اہم، باوقار اور ایک ذمہ دارانہ عمل ہے۔ اس مہتم بالشان مقام و منصب پر ہر کس و ناکس کو نہیں بٹھایا جاتا اور نہ ہر ایک کو فتویٰ دینے کی اجازت حاصل ہے۔ بڑے سے بڑا عالم اور درس نظامی کا دقاق فاضل بھی فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے اس کے لیے کڑی شرطیں رکھی ہیں اور اس کے اصول و آداب مقرر کیے ہیں جو حد درجہ دشوار ہیں اور یہ اصول و شرائط بہت کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ مفتی کی حیثیت شارع کے نائب کی ہوا کرتی ہے، جو پوری تحقیق و تفحص اور کامل غور و خوض کے بعد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں سائل کے سوالات کا شرعی جواب دیتا ہے اور دینی معاملات میں لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر فتویٰ نویسی کے اصول و قواعد کو باقاعدہ فن کی شکل دی گئی اور اس فن کو "رسم المفتی" کا نام دیا گیا ہے۔ "عقود رسم المفتی اور اس کی "شرح" میں فتویٰ نویسی کے بنیادی مباحث پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے آیت کریمہ: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ . سے

فقہ وافتا کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

مصنفِ کتاب حضرت مفتی کمال الدین اشرفی دام ظلہ نے فتویٰ نویسی کی دشواریوں اور اس کے منصبی تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے مندرجہ ذیل شرائط و آداب بیان کیے ہیں۔ ان اصول و شرائط کی روشنی میں ہم آج کے ان مفتیان کرام کا حال بخوبی معلوم کر سکتے ہیں جو زبردستی منصبِ افتا پر بیٹھ گئے ہیں اور غلط سلط فتویٰ دے کر لوگوں میں افتراق وانتشار کا ماحول پیدا کر رہے ہیں۔

(1) مفتی کے سامنے جو سوال پیش کیا جائے اسے بغور سنے، پڑھے۔ سوال کا منشا کیا ہے؟ اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ ضرورت ہو تو سائل سے مخفی گوشوں کے تعلق سے وضاحت بھی طلب کرے۔

(2) سوال تفصیل طلب ہو اور الگ شقوں کو جواب دینے میں یہ احتمال ہو کہ سائل اپنے لیے اس شق کو اختیار کرلے گا جس میں اس کا نفع، یا سرخروئی یا عافیت ہو، گو کہ اس کا معاملہ اس شق سے وابستہ نہ ہو تو اپنی طرف سے شق قائم کر کے جواب نہ دے، بلکہ تنقیح کے ذریعے صورتِ واقعہ کی تعیین کرے اور پھر جواب دے۔

(3) جواب میں سوال کی مناسبت سے جتنے جزئیات مل سکیں سب پر اچھی طرح غور کرلے، جو جزئیہ سوال کے مطابق ہو اسی کو نقل کرے۔

(4) جواب مذہب کی کتبِ معتمدہ مستندہ سے دے۔ کتبِ ضعیفہ سے استناد نہ کرے۔

(5) پیش آمدہ سوال کے تعلق سے جزئیات دو طرح کے ہوں، یا ایک ہی جزئیہ میں دو طرح کے احتمالات ہوں تو اصحابِ ترجیح میں سے کسی فقیہ نے جس قول، یا جس احتمال کو ترجیح دیا ہو، اسے اختیار کرے۔

(6) اور اگر ترجیح بھی مختلف ہو تو اصحابِ تمیز نے فتاویٰ کے لیے جسے اختیار فرمایا ہو، اس پر فتویٰ دے۔ اگر وہ مفتی بہ قول کی دریافت سے عاجز ہو تو اپنے سے افقہ کی طرف (سائل کو) رجوع کرنے کا حکم دے، یا خود رجوع کرے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو توقف کرے کہ اب جواب دینا فتویٰ نہیں "طغویٰ" ہوگا۔

(7) جواب تمام ضروری گوشوں کو محیط ہو۔ اس کے لیے وسعتِ مطالعہ، استحضار اور تیقّن ناگزیر ہے۔

(8) جواب کا تعلق کسی دشواری کے حل سے ہو اور حل مختلف ہو تو جواب میں اس حل کو اختیار کرے جو قابلِ عمل ہو اور جو حل کسی وجہ سے قابلِ عمل نہ ہو تو اس کا ذکر عبث ہوتا ہے۔

(9) مفتی کو بیدار مغز، ہوشیار ہونا چاہیے۔ غفلت برتنا اس کے لیے درست نہیں۔ کیوں کہ اس زمانے میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر لوگ فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں اور دوسروں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں مفتی نے مجھے فتویٰ دیا۔ محض فتویٰ ہاتھ میں ہونا ہی اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں، بلکہ مخالف پر اس کی وجہ سے غالب آجاتے ہیں۔ اس کو کون دیکھتا ہے کہ واقعہ کیا تھا اور سوال میں کیا ظاہر کیا گیا تھا۔

(10) مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بردبار، خوش خلق، ہنس مکھ ہو۔ نرمی سے بات کرے۔ غلطی ہو جائے تو (اپنا قول و فتویٰ) واپس لے۔ اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتویٰ دے کر رجوع نہ کرنا، حیا سے ہو یا تکبر سے، بہر حال حرام ہے۔

(11) ان تمام امور کے ساتھ ایک امر لازم یہ بھی ہے کہ جامعِ شرائط فتویٰ، ماہر مفتی کی خدمت میں شب و روز حاضر رہ کر افتا کی تربیت حاصل کرے، جد و جہد کا خوگر بنے اور کثرتِ مشق و مزاولت سے خود مندرجہ بالا امور کا ماہر بنے......... جو عالمِ دین ان اوصاف و شرائط کا جامع ہو، وہی نقلِ فتویٰ (فتوی دینے) کا اہل ہے اور وہی قابلِ اعتماد و لائقِ استناد مفتیِ ناقل ہے اور اس کے فتاویٰ اس سے نیچے درجے کے علما کے لیے حجت اور واجب العمل ہیں۔ (زیرِ تبصرہ کتاب، ص:54-52)

فتاویٰ کی ادبی، فنی، لسانی اور تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اردو کی لسانیاتی تاریخ و ارتقا پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ فقہ و فتاویٰ نے عربی و فارسی کے علاوہ اردو زبان و ادب کے ذخیروں میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ صوفیائے کرام اور مفتیانِ عظام نے اردو زبان کو ہر دور میں رنگ و روغن فراہم کیا اور اسے زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اربابِ شریعت و طریقت کے لسانی خدمات کو آج قصداً نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

" فقہ و فتاویٰ کی ادبی و فنی اور لسانی حیثیت " ایک ایسا عنوان ہے جس پر شرط و بسط کے ساتھ ایم فل یا پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔

فاضل مصنف کے زہرہ نگار قلم نے اس حقیقت کو بھی بڑے

اچھوتے انداز میں واشگاف کیا ہے اور فقہ وفتاویٰ کی ادبی وفنی حیثیت پر ادیبانہ نقطۂ نظر سے کھل کر گفتگو فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اگر فتاویٰ کے تمام سرمایوں کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو مختلف حیثیتوں سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ادبی ولسانی اور تاریخی حیثیت سے فتاوے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آسان وسلیس اردو زبان میں اہم قانونی مسائل و دفعات کی تشریحات ایک طرف خود زبانِ اردو کی وسعت اور دوسری طرف زبان پر مجیب ومفتی کی کمالِ قدرت کا آئینہ دار ہے۔ فتاوے کو فنی لحاظ سے بھی اردو میں اہم مقام حاصل ہے۔ مقالہ نگاری خصوصاً تحقیقی مقالات دورِ جدید کی ایجادات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اگر اس نقطۂ نظر سے فتوؤں کا جائزہ لیا جائے تو بعض فتوے بلند پایہ علمی وتحقیقی مقالات معلوم ہوتے ہیں، فرق صرف تہذیب وتزئین کا ہے اور وہ کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ اردو ادب میں مقالہ نگاری کو علی گڑھ تحریک کا مرہون منت خیال کیا جاتا ہے، حالاں کہ اس تحریک سے بہت پہلے اور بعد میں کتبِ فتاویٰ میں اکثر ایسے فتوے نظر آتے ہیں جن کو اردو کے بہترین مقالات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لسانی حیثیت سے بھی فتوؤں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے ذریعے عہد بعہد کے لسانی تغیرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور چوں کہ فتوؤں کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے، اس لیے ان کے ذریعے سے عربی زبان کے جو قانونی الفاظ (مخصوص اصطلاحات) اردو زبان میں داخل ہوئے ہیں، ان کا سراغ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک خاص ملک یا ایک خاص علاقہ کے فتوے سے مسلمانوں کے ایک طبقے کا مزاج، عقلی اور نفسیاتی خصائص کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے بھی فتاوے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ چوں کہ تاریخ، اقوام وافراد کے احوال کا مجموعہ ہے۔ اس لیے فتاوے جو کسی قوم کے انفرادی واجتماعی احوال کے جزئیات پیش کرتے ہیں، تاریخ سازی میں معین ثابت ہوسکتے ہیں۔ (مصدرِ سابق، ص:105)

غرض کہ مصنفِ باکمال مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی نے اپنی ذہانت ولیاقت اور کمال ہنر مندی کا ثبوت دیتے ہوئے فقہ وافتا کے تقریباً تمام اہم اور ضروری گوشوں کو نہایت اختصار وجامعیت کے ساتھ اس کتاب میں سمیٹ دیا ہے۔ اندازِ بیان خالص علمی اور تحقیقی ہے۔ حوالوں کا بھرپور التزام ہے اور پیشکش میں عصری حسیت غالب ہے۔ فقہ وافتا کے اصول ومبادی پر موصوف کی نظر گہری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موضوع سے متعلق وہ ہر بات دلائل وشواہد کی روشنی میں سلیقے سے پیش کرتے ہیں اور اس کے مالہ وماعلیہ پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔ روایت پرستی کے اس افسوس ناک دور میں تعلیم وتدریس، وعظ وخطابت اور تحقیق وتصنیف کے شعبوں میں علم ودرایت فقدان جا بجا نظر آتا ہے، ایسے میں مفتی کمال الدین اشرفی جیسے باصلاحیت عالم ومحقق کا وجود قدرِ غنیمت ہے۔ کمیت وکیفیت اور صوری ومعنوی اعتبار سے کتاب خوب سے خوب تر ہے اور علما واساتذہ وطلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ اربابِ مدارس کو چاہیے وہ اپنے یہاں نصاب تعلیم میں اس کو " اجباری مطالعہ " کے طور پر داخل وشامل کریں۔

کتاب : **اشرف الاولیا: حیات وخدمات**
مولف : حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی
صفحات : 272
سن اشاعت: چوتھا ایڈیشن 1441ھ/2020ء
ناشر : تاج الاصفیا دارالمطالعہ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف مالدہ بنگال
تبصرہ نگار : **محمد ساجد رضا مصباحی۔**
استاذ دارالعلوم غریب نواز داہوگنج کشی نگر یوپی

خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ہندوستان کا عظیم علمی وروحانی خانوادہ ہے، اس خانوادے میں علم وادب اور معرفت وروحانیت کی بڑی عظیم اور عبقری شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں، جنھوں نے خلق خدا کی رشد وہدایت کے ساتھ علم وادب کے فروغ میں بھی اہم کارنامے انجام دیے۔ خانوادۂ اشرفیہ کی انھیں ممتاز، عہد ساز اور نابغۂ روزگار شخصیات میں ایک چمکتا دمکتا نام شیخ طریقت، اشرف الاولیا علامہ الشاہ سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ کا ہے، آپ اپنے عہد کے عبقری عالم وفاضل، بے مثال شیخ طریقت، باکمال واعظ وخطیب، کامیاب مناظر ومتکلم اور دین وسنیت کے سچے داعی ومبلغ تھے۔

زیر تبصرہ کتاب ''اشرف الاولیا: حیات وخدمات'' خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے اسی بطل جلیل کی حیات وکارنامے پر مشتمل ہے، آپ کی حیات وخدمات پر یہ اولین تحقیقی کتاب ہے، اس سے قبل تحریری شکل میں آپ کے نقوش حیات کہیں بھی محفوظ نہیں تھے۔

اس کتاب کے مؤلف جواں سال عالم ومحقق، کئی کتابوں کے مصنف، اتر پردیش کی اہم دینی درس گاہ ادارۂ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی کے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ممتاز

فاضل حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی ہیں، مولف محترم نے حضرت اشرف الاولیا کی حیات وخدمات کی جمع وتدوین میں کس قدر عرق ریزی فرمائی ہے، اس کا صحیح اندازہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے، کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس کے تین ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں، چوتھا ایڈیشن منظر عام پر ہے۔ بنگلہ ہندی، انگریزی سمیت کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

272/ صفحات پر مشتمل اس گراں قدر تالیف میں بارہ ابواب ہیں، باب اول ابتدائیہ کے نام سے ہے، جس میں شرف انتساب، نذر عقیدت، سخن ہائے گفتنی، اظہار تشکر اور عرض ناشر وغیرہ شامل ہیں۔

دوسرا باب عہد حاضر کے جلیل القدر علما ومشائخ، اصحاب فکر و قلم اور اہل علم ودانش کی گراں قدر تقریظات پر مشتمل ہے، کسی ایک تالیف میں اس قدر کثیر تعداد میں ملک بھر کے مستند علما ومشائخ کی تقریظات کا شامل ہونا یقینا نادر ہے، یہ تقریظات جہاں کتاب کی عظمت وافادیت میں چار چاند لگاتے ہیں، وہیں مؤلف کی سعادت مندی، اخلاص ووفا اور علما مشائخ کے مابین بے پناہ مقبولیت کی بھی دلیل ہیں۔ اس باب میں شہزادہ گرامی حضرت مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی مصباحی کچھوچھوی سربراہ اعلیٰ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی مبارک پوری [رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ]، محدث جلیل علامہ عبد الشکور مصباحی، سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، خیر الاذکیا علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، علامہ نصیر الدین عزیزی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، مولانا آزاد یونیورسٹی حیدر آباد، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو کی گراں قدر تقریظات شامل ہیں، یہ دل پذیر تقریظات 33/ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

باب سوم تاثرات کے عنوان سے ہے، جس میں ہندوستان کے مرکزی اداروں کے چوٹی کے اساتذہ اور مقدس خانقاہوں کے ذی علم مشائخ عظام کے تاثرات شامل ہیں، ان تاثرات سے حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات کے اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور آپ کی تہ دار شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں، اس باب میں حضرت علامہ سید مقصود اشرف اشرفی جیلانی جائسی، مولانا سید محمد احمد اشرفی جیلانی جائسی، مولانا عبد الودود فقیہ رائے بریلوی، علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی چریاکوٹ، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مولانا طاہر مصباحی کولکاتا، مولانا ممتاز عالم مصباحی شمس العلوم گھوسی مئو یوپی، مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی گھوسی، مولانا رضوان احمد نوری شمس العلوم گھوسی، مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی، مولانا مفتی شہاب الدین اشرفی جامعی جامع اشرف کے تاثرات شامل ہیں۔

باب چہارم حیات وخدمات کی شہ سُرخی کے ساتھ 12/ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں پیش لفظ، کلمات تقدیم اور حرف آغاز شامل ہیں، پیش لفظ میں معروف صحافی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے تذکرہ نگاری کے حوالے سے بیسویں صدی عیسوی کی سرگرمیوں اور اس عہد میں ہونے والے کاموں کی نوعیت بیان کرتے ہوئے حضرت اشرف الاولیا کی علمی وروحانی عظمتوں کو اجاگر فرمایا ہے۔ صاحب تذکرہ حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں اس وقت کے جلیل القدر اساتذہ حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا عبد الرؤف بلیاوی، مولانا سلیمان اشرف بھاگل پوری، مولانا شمس الحق گجھڑوی وغیرہ سے اکتساب علم کرکے 1366ھ مطابق 1974ء میں فراغت حاصل کی، اس حوالے سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

”کچھوچھہ مقدسہ کے موجودہ علما ومشائخ میں ایک بڑی تعداد فارغین اشرفیہ کی ہے، جنھوں نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کی اور جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی وبانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی آغوش تربیت میں آنکھیں کھولیں... آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ پورے قافلۂ شوق کے میر کارواں ابو الفتح اشرف الاولیا حضرت سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی نور اللہ مرقدہ تھے، اس سلسلے کی آخری کڑی شہزادۂ اشرف الاولیا پیر طریقت حضرت سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ ہیں، خدا کرے یہ علمی اکتساب اور روحانی فیض رسانی کا سلسلہ قائم ودائم رہے۔“ [اشرف الاولیا: حیات وخدمات، پیش لفظ، ص:92]

ص: 103 سے سوانحی گفتگو کا آغاز ہوتا ہے، مولف محترم نے حزم واحتیاط کے دائرے میں رہتے ہوئے سوانحی مواد کو سلیقے سے جمع فرمایا ہے، باب چہارم وپنجم میں میں حضرت اشرف الاولیا کے پدر بزرگوار حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات، حضرت اشرف الاولیا کی ولادت باسعادت، سلسلۂ نسب، بسم اللہ خوانی وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

باب ششم میں اعلیٰ تعلیم وتربیت اور علمی خدمات، باب ہفتم میں تبلیغی ودعوتی خدمات، باب ہشتم میں محاسن وکمالات، باب نہم میں دینی وملی خدمات، باب دہم میں سفر آخرت اور اولاد امجاد، باب یازدہم میں تصرفات وکرامات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے، جب کہ کتاب کا آخری باب منظومات کے لیے مختص ہے۔

حضرت اشرف اولالیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں بیعت وارادت کے ذریعہ خلق خدا کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا وہیں آپ نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فروغ علم وادب کے لیے متعدّ تعلیمی داادارے بھی قائم فرمائے اور درجنوں اداروں کی سرپرستی فرمائی، آپ کا ایک عظیم اور تاریخی کار نامہ پنڈوہ شریف کی روحانی سرزمین پر مخدوم اشرف مشن کا قیام ہے، مالدہ اور اس کے قریبی اضلاع میں غیر مقلدین اور وہابیہ و دیابنہ نے جس طرح مکروفریب کا جال بچھایا اور اس علاقے کے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی، اس کا مستحکم جواب ایک عظیم الشان تعلیمی ادارے کے قیام سے ہی ممکن تھا، آپ نے مکمل بصیرت کے ساتھ مخدوم اشرف مشن کی بنیاد ڈالی اور اس کے فروغ وارتقا کے لیے اپنا خون جگر پیش کیا، آج سے اس علاقے میں یہ ادارہ اہل سنت کا ترجمان اور مینارۂ نور وہدایت ہے، جو آپ کے لائق وفائق خلف وجاں نشین حضرت مولانا شاہ سید جلال الدین اشرفی دام ظلہ کی سربراہی وقیادت میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ اشرف الاولیا: حیات وخدمات میں اس حوالے سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور آپ کی گراں قدر علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کو شایان شان خراج پیش کیا گیا ہے۔

محاسن وکمالات کے باب میں بھی مولف کے قلم کی جولانی پورے جوبن پر نظر آتی ہے، گوکہ مولف صاحب تذکرہ کے مرید با صفا ہیں، لیکن انہوں نے کہیں بھی حقیقت پر عقیدت کو غالب ہو نے نہیں دیا ہے، بلکہ ایک منصف مزاج سوانح نگار کی حیثیت سے قرار واقعی اوصاف وکمالات اور فضائل ومناقب کو پوری دیانت داری کے ساتھ سپرد قرطاس کیا ہے، ورنہ آج سوانح نگاری کے نام پر کس قدر ملمع سازی کی جاتی ہے اور فضائل ومناقب کے باب میں کس طرح زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس باب میں آپ کا دینی تصلب، تقویٰ وطہارت، تواضع وانکساری، توکل واستغنا، نرم گوئی ونرم خوئی، پاکیزہ اخلاق وعادات، علم پروری وعلمانوازی جیسے ذیلی خاکوں میں پوری مہارت اور دیانت کے ساتھ رنگ بھرا گیا ہے۔ انداز بیان اس قدر صاف وشفاف اور سستہ ہے کہ کہیں اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا، جوں جوں اوراق پلٹتے ہیں دل ودماغ روحانی خوشبوؤں سے معطر ہوئے جاتے ہیں اور جسم وروح میں ایک تازگی محسوس ہوتی ہے۔ یہ باکمال مولف کا انتہائی کمال ہے۔

ہر چند کہ ولایت کے لیے کرامات کا صدور ضروری نہیں، شریعت پر استقامت ہی ولایت کا اصل معیار ہے، لیکن اولیاء اللہ کی ذات سے خارق عادات کا ظہور ہوتا رہا ہے، جسے عام زبان میں کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت اشرف الاولیا کی حیات مبارکہ اس حوالے سے بھی روشن نظر آتی ہے، مختلف موقعوں پر آپ سے بے شمار خوارق عادات اور کشف وکرامات کا صدور ہوا ہے، مولف گرامی نے اپنی اس کتاب میں آپ کے نصف درجن سے زائد کرامات اور محیر العقول واقعات کا ذکر کیا ہے۔ اولاد امجاد کے ضمن میں حضرت اشرف الالیا کے شہزادۂ گرامی حضرت مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی دام ظلہ کے مختصر حالات بھی شامل کر لیے گئے ہیں، جو آئندہ آپ کی شخصیت پر خامہ فرسائی کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

اہل فکر وقلم کی نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی شخصیت کی سیرت وسوانح پر ابتدائی کام کس قدر مشکل ہوتا ہے، اور ان کی حیات مبارکہ کے بکھرے اوراق کو سمیٹنا کس قدر دماغ سوزی اور ذمے داری کا عمل ہوتا ہے، اسی لیے اکثر لوگ اس پُر خطر راہ سے دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کرتے ہیں، لیکن مولف محترم نے یہ جوکھم اٹھایا ہے اور بحسن وخوبی اس کو نجام تک پہنچایا بھی ہے، اگر چہ اب بھی آپ کی شخصیت کے بہت سے گوشے پردہ خفا میں ہوں گے، لیکن مولف محترم حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی نے اپنی اس تالیف میں بنیادی معلومات جمع فرمادی ہے اور مستقبل کے محققین کے لیے بنیاد فراہم کردی ہے، آئندہ جب بھی حضرت اشرف الاولیا کی شخصیت پر کام ہوگا، اس تالیف کو متن اور ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگی۔

مولف محترم حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب اہل عقیدت وارادت اور وابستگان سلسلہ کے ساتھ جملہ احباب اہل سنت کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ موصوف ایک مستحکم قوت ارادی کے حامل جواں سال عالم وفاضل ہیں، ہر سال ان کی کئی تصانیف منظر عام پر آکر قارئین کی نگاہوں کا مرکز بنتی ہیں، وہ مسلسل لکھتے ہیں، اُن کا قلم سے اور قلم کا اُن سے مضبوط اور اٹوٹ رشتہ ہے، ہم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ یہ رشتہ یوں ہی بحال رہے اور قارئین ان کی نگارشات کو یوں ہی سرمۂ نگاہ بناتے رہیں۔ (آمین)

منظومات

مدینے والے

ہماری اتنی خطاؤں پر بھی نبھا رہے ہیں مدینے والے
گرا رہے ہیں زمانے والے، اٹھا رہے ہیں مدینے والے
مری حقیقت، مری کہانی، بس اتنی ہے میری زندگانی
خدا نے پیدا کیا ہے مجھ کو کھلا رہے ہیں مدینے والے
جو نیک ہیں ان کو اپنی جانب بلا رہی ہے خدا کی رحمت
گناہ گاروں کو اپنی جانب بلا رہے ہیں مدینے والے
کوئی ہے گورا، کوئی ہے کالا اسی میں دنیا پھنسی ہوئی تھی
یہ فرق دنیا کی ذہنیت سے مٹا رہے ہیں مدینے والے
حُسین وہ جس کو مصطفیٰ نے کہا تھا، جنت کا پھول ہے یہ
وہ پھول کرب و بلا کی خاطر کھلا رہے ہیں مدینے والے
جہاں میں جس کو کوئی نہ پوچھے، کوئی نہ دیکھے، کوئی نہ جانے
اسے بھی نورِ مجسم اپنا بنا رہے ہیں مدینے والے

از: غلام نورِ مجسم

نعت

اضطرابی کیفیت بسیار رکھ — عشقِ احمد سے نظر سرشار رکھ
ہاتھ میں تو دامنِ اطہار رکھ — پاس ناموسِ شہِ ابرار رکھ
ہر ستم زیر و زبر ہو جائے گا — نعرۂ تکبیر کی تکرار رکھ
دو جہاں میں سرخروئی کے لیے — پاس اپنے سنتِ سرکار رکھ
سرنگوں اہلِ ستم ہو جائیں گے — ساتھ میں اخلاق کی تلوار رکھ
قلبِ مضطر کو سکوں مل جائے گا — دل میں حبِ احمدِ مختار رکھ
دید کی بھی عید ہو ہی جائے گی
منتظر آنکھیں عطاؔ بیدار رکھ

از: نگار عالم عطاؔ، جھارکھنڈ

سلسلہ

فکر کے ہر پل کا، فن کی ہر صدی کا سلسلہ
آپ ہی سے ہے ادب کی زندگی کا سلسلہ
آپ کی روشن جبیں ہے مطلعِ خورشیدِ حق
آپ کا نقشِ قدم، ہر آگہی کا سلسلہ
سلسبیل و کوثر و تسنیم کا مخرج ہیں آپ
آپ کی چوکھٹ سے ملتا ہے سبھی کا سلسلہ
دل میں ہو ذوقِ براہیم اور تیشہ ہاتھ میں
یا نبی! یوں توڑ دوں میں آزری کا سلسلہ
خوانِ نعمت آج بھی بچھتا ہے آقا آپ کا
آج بھی جاری ہے بندہ پروری کا سلسلہ
ایک گنبد کیا نظر آیا کہ دو آنکھوں کے بیچ
کھل گیا ہے نور کی بارہ دری کا سلسلہ
بولبابہ کی طرح خود کو سزا دینا قبول
یا نبی مجھ پر نہ ہو ناراضگی کا سلسلہ
زندگی آمیز ہیں وہ زندگی آموز بھی
اُن سے ہے منسوب سب کی زندگی کا سلسلہ
پاتا ہے برجِ صحابیت میں اوجِ راشدہ
بس ابو بکر و عمر، عثماں علی کا سلسلہ
ڈھال بن کر آئیں گے مہتابؔ مصرعے حشر میں
کار آمد ہے یقیناً شاعری کا سلسلہ

از: مہتاب پیامی

نعت شریف

اپنا مختار جو اے خیرِ بشر ہو جاؤں
میں تری راہ بنوں میں ترا در ہوجاؤں
تو جو آئے تری راہوں میں بچھادوں پلکیں
تیری مسند بنوں آقا ترا گھر ہوجاؤں
تیرے دیدار کا اعزاز اگر مجھ کو ملے
سر سے پا تک میں محبت کی نظر ہوجاؤں
تیرے راہی کو اگر دھوپ پریشان کرے
سائبانی کے لیے مثلِ شجر ہوجاؤں
تیری فرقت میں تو ویران ہی رہنا اچھا
تو اگر چھوڑ کے جائے تو کھنڈر ہو جاؤں
ہر گھڑی خوف ستاتا ہے فنا کا مجھ کو
اپنے کوچے میں بلا لیں کہ امر ہوجاؤں
غازۂ خاکِ در پاک جو مل جائے مجھے
شبِ تاریک میں عنوان سحر ہو جاؤں
دامنِ شوق میں لے جائیں مجھے اہل طلب
خاکِ در بن کے رہوں اور گہر ہوجاؤں
ان کی سرکار میں جب مجھ کو رسائی ہو نصیب
سر سے میں تا بہ قدم دیدۂ تر ہوجاؤں
ہے تری بات بڑی، تیرے غلاموں کے لیے
وقت پڑ جائے تو میں سینہ سپر ہوجاؤں
راہ پرخار سہی، خوف کے انبار سہی
ہم سفر ذکر نبی ہو تو نڈر ہوجاؤں
نہ مری سمت ہے کوئی، نہ ہے منزل کوئی
رخ جدھر ہو مرے آقا کا ادھر ہوجاؤں
نور جس وقت قدم اپنے نکالوں گھر سے
جانب شہر نبی محو سفر ہوجاؤں

سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی
قاضی پور شریف

منقبت

در شانِ علامہ عبدالرؤوف بلیاوی علیہ الرحمہ

وہ امانتوں کا امین تھا وہ خدا کے دین کا رہ نما
وہ شرابِ علم کا جامِ جم نئی لذتوں میں سجا ہوا

وہ مسافرِ رہِ علم تھا، وہ زبان و فن کا اسیر تھا
وہ کتاب تھا وہ نصاب تھا وہ بڑا سخی سا امیر تھا

وہ جہانِ فقہ کا تاجور، وہ نجوم و وقت کا رازداں
وہ منارِ قصرِ ادب بنا، اسے یاد کرتا ہے آسماں

وہ نسیم صبحِ کمال تھا، وہ تلامذہ میں عزیز تھا
وہ قتیلِ عشق رسول تھا، وہ غلامِ عبدِ عزیز تھا

وہ رضا کے علم کا فیض تھا وہ عزیزی بحر کی موج بھی
وہ کمالِ علم میں منفرد، اسے یاد کرتی ہے آگہی

وہ ادب نواز ادیب تھا، وہ تھا درس گاہ کی شان بھی
وہ تھا ایک ماہرِ السنہ، وہ رہِ عمل کا نشان بھی

وہ عزیمتوں پہ نثار تھا، وہ حقیقتوں سے تھا آشنا
وہ زمینِ شوق کا اک شجر، اسے شاخ کہتی ہے مرحبا

وہ نظامِ فن کا امین تھا، وہ عروجِ علم کی کہکشاں
وہ خلیق تھا وہ شفیق تھا، وہ بلند ذوق وہ سائباں

وہ مثالِ فقہِ رضا ہوا، وہ مثیلِ رنگِ سخن ہوا
وہ قرارِ قلبِ حزیں ہوا، وہ نثارِ حسنِ چمن ہوا

مفتی توفیق احسن برکاتی

مولانا اکبر علی فاروقی کی رحلت

محمد علی فاروقی

قوم کا دلارا، ملّت کا پیارا، خاندان کی آنکھوں کا تارا مفکر ملّت حضرت مولانا اکبر علی فاروقی صاحب کی رحلت نے ساری قوم کو تڑپا دیا۔ ہر آنکھ اشکبار ہوگئی، ہر دل لرز اٹھا۔ جو سنا اچنبھے میں آ گیا، جسے معلوم پڑا اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ جسے خبر لگی وہ گھبرا گیا۔

مسلسل کئی ماہ کی بیماری نے اور ایک ماہ کے ہاسپیٹل میں ایڈمٹ نے اس سفر کو سفر آخرت بنادیا۔

مفکر اسلام عمر کی ساٹھویں منزل میں تھے۔ 3 نومبر 1960 کو آنے والا بچہ ایک شخصیت بن کر ابھرا۔ اس شخصیت کا اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں میں ان کا نمبر پانچواں تھا۔ مگر سفر آخرت میں ان کا نمبر سب سے پہلے ہو گیا۔ قوم کی نباضی، صحیح وقت پر مرض کی تشخیص، ہر قومی کام پر فکر مندی اور جرأت، ہمت کے وہ نہ صرف پیکر جمیل تھے بلکہ ریپیٹ ایکشن آرمی کی طرح ہمہ وقت مستعد اور تیار رہنے والی شخصیت کے مالک تھے مولانا اکبر علی فاروقی علیہ الرحمہ جہاں وہ قومی جذبہ سے ہمیشہ سرشار رہا کرتے تھے۔ ہر وقت قوم کے لئے بے چین و مضطرب اور فکر مند رہتے تھے وہیں ایک تقویٰ شعار، عبادت گزار، اورادو وظائف کے پابند شریعت و طریقت کے عظیم سنگم بھی تھے۔ صوم و صلوٰۃ کے ساتھ تہجد کی پابندی اور قرآن پاک کی تلاوت، بزرگوں کے عطا کردہ وظائف کے ایسے پابند تھے کہ سفر میں بھی اس پر پابندی کے ساتھ عمل ان کا شیوہ تھا۔ وہ نہ صرف طیبہ کالج کے چیئرمین تھے بلکہ ایک صاحب طریقت بزرگ بھی تھے۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند کے چہیتے مرید اور امام اہل سنت سرکار کلاں کچھوچھہ شریف کے محبوب خلیفہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ انہیں کلیر شریف سے صابری سلسلہ اور حیدرآباد سے عرفانی سلسلے کی بھی خلافت حاصل تھی۔

علمی رشتہ ان کا جہاں ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ سے ملتا ہے وہیں عربک ڈپلوما فاصلاتی کورس کے ذریعے جامعہ ازہر مصر سے بھی جوڑتا ہے۔

اپنے جد گرامی حضرت محسن ملّت علیہ الرحمہ کے دینی مشن کی تکمیل کے ساتھ اپنے والد گرامی فخر الاولیاء کے مشن عصری تعلیم یعنی اسکول و کالج کے تعلق سے ان کی بے لوث خدمات تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

محسن ملّت طیبہ کالج ان کا ایسا کارنامہ ہے اور اس کے لئے ایک طویل و عریض زمین کی دستیابی ان کی فکری بصیرت کا ایسا آئینہ دار ہے کہ جسے آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ اُن کے بیماری کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس نے سنا دست بدعا ہو گیا۔ جسے پتہ چلا اورادو وظائف پڑھ کر دعا کرنے لگا۔ جسے معلوم ہوا مصلیٰ پر کھڑا ہو کر بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑانے لگا۔ مگر جب وقت موعود آجاتا ہے تو نہ دعا اثر دکھاتی ہے اور نہ میڈیکل سائنس کی کوئی طاقت نظر آتی ہے۔ بالآخر طویل بیماری کے بعد 19 مارچ 2021 بروز جمعہ 5 شعبان المعظم 1442ھ کو صبح جب موذن فجر کی آذان دے رہا تھا۔ اچانک چہرے پر ایک نور چمکا اور قوم کے غم میں ہمیشہ بیقرار رہنے والی شخصیت اپنے بھرے پورے خاندان کو چھوڑ کر اور اپنے تین اولاد کو ہمیشہ کے لئے یتیم کر کے رخصت ہوگئی۔

ان کی موت کی خبر سے ہر طرف غموں کا سیلاب امنڈ پڑا، رنج وملال کی آندھی چل پڑی۔ سامنے ان کی لاش رکھی تھی۔ کوئی سسک رہا تھا کوئی بلک رہا تھا، کسی کی آہ بلند ہو رہی تھی، کوئی زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

اکبر تم کدھر چلے گئے... ذرا آنکھیں کھولو... دیکھو تمھارا لاڈلا مجاہد سامنے کھڑا کیسے سسکیاں لے رہا ہے... تمھارا چھوٹا بیٹا احتشام کیسے بلک بلک کر رو رہا ہے۔۔ تمھاری بیٹی شیبو جس کی ماتھے پر تم کبھی غم کی لکیر برداشت نہیں کر سکتے تھے آج اس کی آنکھیں کیسے ساون بھادو کی طرح برس رہی ہیں... سنگ و آہن سے مضبوط تمھارا وہ فولادی ہاتھ جو کسی کلائی تھام لے تو اُس کی چیخ نکل جائے اور کسی کا گریباں پکڑ لے تو اس کا غرور ٹوٹ جائے۔ جب وہ ہاتھ تمھارے بچوں کے سروں پر پہنچتا تھا تو گلشن میں کھلے ہوئے گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نرم و نازک بن کر دست شفقت بن جاتا تھا۔ کیا تم وہ شفقت بھرا ہاتھ آج اُن کے سروں پر نہیں رکھو گے؟ ... کیا تم ان کے آنسو نہ پوچھو گے؟ کیا تم ان کے سر پر دست شفقت نہ رکھو گے۔؟

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامی۔ رائے پور (سی۔ جی)

بھیا اکبر اٹھو ،اٹھو کب تک سوؤ گے، ذرا تو کچھ بولو... تمھاری رعب داراور دلو کو چھو لینے والی آواز سننے کے لئے سبھی تڑپ رہے ہیں... کب تک آنکھیں بند کئے پڑے رہو گے... کچھ تو بول میرے بھائی۔ کوئی اپنے سے ایسا روٹھتا ہے۔

اٹھو، اٹھو بھیا... دیکھو دیکھو لوگ کیسے تڑپ رہے ہیں اور تم ہو کہ آنکھیں بند کئے لیٹے ہو۔ اپنوں سے کہیں اس طرح روٹھا جاتا ہے۔ بس کرو، اب مان جاؤ۔ ذرا مسکراؤ، آنکھیں کھولو... مگر ہزار التجا، ہزار فریاد اور ہزار چیخ و پکار کے بعد بھی جانے والا کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ اکبر میاں بھی آج وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔

جانے والا بے شمار خوبیوں کا مالک تھا۔ جس کی ایک ایک بات کی یاد لوگوں کو رلاتی رہے گی۔ چاہنے والے کو تڑپاتی رہے گی۔

جان کر منجملۂ خاصان مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

جانے والا چلا گیا اعزا و اقربا رو دھو کر صبر کر کے چپ ہو گئے۔ دوست یار ان کی یادوں کے دیے جلائے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ دن رات ساتھ رہنے والے ان کی محبت کا گلشن سجائے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ مگر دنیا کا حال نرالا ہے۔

ان کی وصیت کے مطابق انہیں ان کے قائم کردہ محسن ملّت طیبہ کالج میں ہزاروں اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دل کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔ وہ چلے گئے مگر ان کے جدامجد محسن ملّت اور ان کے والد گرامی حضرت فخر الاولیاء کا وہ مشن جس کے وہ ہمیشہ علم بردار تھے وہ ابھی ادھورا ہے جس کی تکمیل اب قوم کے ہاتھوں ہے ان کے ایک صاحبزادے مولانا احتشام علی فاروقی ماشاء اللہ مارہرہ شریف میں زیر تعلیم ہیں اور ایک صاحبزادے ڈاکٹر مجاہد علی فاروقی تکمیل کی آخری منزل میں ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ انہیں ہمت حوصلہ عطا فرمائے کہ اپنے والد گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھائیں۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں طاقت و توانائی اور باپ کی طرح ہمت و استقلال سے نوازے۔ مدرسہ اصلاح المسلمین کے وہ ہمیشہ ایک مضبوط دست راست تھے اور محسن ملت طیبہ کالج کو مدرسے سے ابلنے والے چشمۂ سیال کا ایک سوتا سمجھتے تھے وہ چلے گئے جہاں اُن کے جانے سے کالج کا بہت بڑا نقصان ہوا وہیں مدرسہ اصلاح المسلمین و مسلم یتیم خانہ کا بھی ایک زبردست خسارہ ہوا۔

☆☆☆☆

بساطِ عالم سونی ہو گئی

از: **رئیس احمد عزیزی مصباحی** ادروی، ہبلی، کرناٹک

آنکھیں رو رو کے سُجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

خبر سانحۂ ارتحال پر ملال عالِ اجل، فاضلِ بے بدل، مبلغ اسلام ، فخر تلامذہ حافظ، ملت حضرت علامہ الحاج ممتاز احمد صاحب قبلہ مصباحی مبارک پوری اشرف القادری علیہ الرحمۃ والرضوان معلوم کر کے نہایت رنج و ملال ہوا، یوں تو آنے جانے کا سلسلہ ابتدا آفرینش سے ہے، لیکن دینی، مذہبی، تنظیمی خدمات علامۂ جلیل کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی، نمونۂ اسلام علامۃ العصر کی تصنیفات دنیاے اسلام کو فیض پہنچاتی رہیں گی، حضرت موصوف قبلہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب قلم و صاحبِ لسان تھے، قلم بر داشتہ نہایت شستہ موقر و جامع تحریر فرماتے تھے۔ زندگی کا بیش تر حصہ رشد و ہدایت، تبلیغِ دینِ حنیف میں گزار، برطانیہ میں دینِ متین کی نہایت ممتاز و شان دار خدمات انجام دیں۔

خطیبِ بے مثال مبلغِ ہر دل عزیز کی دینی خدمات، امتیازی شان رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور وابستگان و پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ ☆☆☆

مفتی اعظم نیپال کی رحلت جماعت کے لیے عظیم خسارہ

از: **محمد قمر الزماں مصباحی** مظفر پوری

مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم، مدرسہ چوک، سردار گنج، دلسنگھ سرائے سمستی پور کے پرنسپل حضرت مولانا مفتی آل مصطفی رضوی مرکزی مظفر پوری

نے کہا کہ یہ المناک خبر سن کر دل دماغ ماؤف ہو گئے کہ ہند و نیپال کے معتبر، محترم، ممتاز عالم دین، بلند پایہ فقیہ اور ماہر علوم و فنون حضرت علامہ مفتی محمد عثمان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال پر ملال ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف نہایت نرم دل، خلیق، منکسر المزاج اور متبع سنت عالم تھے مدرسہ انوار العلوم کما کے زمانہ تدریس میں اکثر ان سے استفادہ کا موقع ملا نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے اور کسی بھی فن کی کتاب ہو لمحوں میں حل فرما دیتے اور فقہی جزئیات تو جیسے نوک زبان پر ہوں ایک زمانے تک مظفر پور بہار کے عظیم ادارہ مدرسہ انوار العلوم ماری پور مظفر پور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور قابل قدر علماء کی ٹیم پیدا کی پھر مدرسہ انوار العلوم کما سیتا مڑھی میں بورڈ کے مدرسہ میں آ گئے اور اپنی علمی صلاحیتوں کے اجالے بکھیرتے رہے اور کافی دنوں تک دار العلوم قادریہ غوثیہ مرغیا چک سیتا مڑھی بہار میں افتا کے فرائض انجام دیے آہ اس قدر اوصاف و کمالات کے حامل لوگ اٹھتے جا رہے ہیں اور دنیا اہل علم، اہل تقویٰ اور صاحب فکر و نظر شخصیتوں سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی قبر انور پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے، درجات بلند کرے اور اپنے آغوشِ کرم میں جگہ عنایت فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اخیر میں خلیفہ حضور تاج الشریعہ قمر اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد قمر الزماں رضوی مصباحی مظفر پوری صدر المدرسین مدرسہ دینیہ غوثیہ امام گنج مظفر پور نے کہا کہ آپ کی رحلت پوری جماعت کے لئے عظیم خسارہ ہے آپ کی پوری زندگی درس و تدریس میں گزری درس نظامیہ کے مروجہ نصاب پر بڑا درک حاصل تھا، افہام و تفہیم بھی نہایت عمدہ تھی غبی سے غبی طالب علم کے ذہن میں معانی و مفاہیم کو اتارنے کا ہنر بھی خوب تھا بلند اخلاق کے مالک تھے اپنے چھوٹوں سے بھی بہت پیار سے ملتے اور محبتوں سے نوازتے، طبیعت میں سادگی، سنجیدگی اور متانت تھی درسگاہ میں ہوتے تو ایک ذی استعداد، با صلاحیت اور رقیق القلب استاذ نظر آتے، جلسے گاہ میں بلند فکر خطیب لگتے اور دار الافتا میں ہوتے تو بالغ نظر فقیہ معلوم ہوتے رضا اور خانوادہ رضا سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا شہزادہ اعلیٰ حضرت شبیہ غوث اعظم سیدی سرکار مفتی اعظم کے مرید صادق تھے کسی بھی موڑ پر مسلک رضا کا آپ نے کبھی سودا نہیں کیا ہمیشہ بریلی شریف کے وفادار بن کر رہے ہند و نیپال میں آپ کے تلامذہ کا جال پھیلا ہوا ہے جن میں علماء، شعراء، ادیب و نقیب اور فقہان حرم بھی ہیں آپ کی جلالت علمی کے سامنے بڑے بڑوں کا قد بونا نظر آتا افسوس صد افسوس علم و فضل اور فکر و آگہی کی ایک نابغہ روزگار شخصیت ہم سے رخصت ہو گئی اس میں کوئی شک نہیں کہ جانے والے کمال رکھتے تھے۔ اللہ کریم آپ کی خدمات دینیہ کو سند قبولیت سے نوازے، درجات بلند فرمائے، تربت پر رحمت و مغفرت کی بارش برسائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

علم کا پہاڑ گر گیا

یعنی مصنف "مجاہد ملت کا حرف حقانیت" موت کی آغوش میں

از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

26 اپریل 2021ء بروز دوشنبہ مجاہد ملت کی عظیم علمی یادگار ماہر ہفت لسان، مناظر اہل سنت، شہنشاہ تدریس، بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمن حبیبی دار الفنا کو چھوڑ کر دار البقا کی طرف کوچ کر گئے، واقعی آپ "مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے" کے صحیح مصداق تھے، ایسا بھرا پرا عالم دین صدیوں کے بعد ہی ملا کرتا ہے۔ حضور مجاہد ملت رئیس اعظم اڑیسہ علامہ شاہ حبیب الرحمٰن قادری ہاشمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم کے سچے وارث، ان کی شان و شکوہ کے حامل اور ان کے فضل و کمال کے مخزن و محور تھے علامہ عاشق الرحمن حبیبی۔ آپ نے انھیں جیسا اور جتنا دیکھا کسی نے نہ دیکھا، حضور مجاہد ملت پر آپ نے جتنا لکھا کسی نے نہیں لکھا۔ جامعہ حبیبیہ الہ آباد کے شیخ الحدیث تھے اور اس کے امین و محافظ بھی، جب کہ یہ جامعہ مجاہد ملت کی یادگار ہے۔ سات زبانوں کے ماہر تھے عربی ادب اور فقہ و کلام پر کافی دستگاہ رکھتے تھے، ہر وقت علمی و تعلیمی

کاموں میں اپنے آپ کو مشغول کر رکھا تھا۔ زیادہ وقت گوشہ نشینی میں گزارتے اور تعلیم و مطالعے میں وقت کا تحفظ ایسا کرتے کہ کوئی ان سے سیکھے۔ غیر ضروری کاموں سے کوسوں دور رہتے، قرطاس و قلم اور تحقیق و جستجو ہی سے کام رکھتے۔ آپ کیا گئے کہ علم کا پہاڑ گر گیا۔ آسمان فضل و کمال زمین بوس ہو گیا۔ آپ کے جانے سے علمی دنیا سوگوار ہو گئی بزم جیبی سونی ہو گئی فقہ و فتوے کا آفتاب گہنا گیا۔ سچ ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میں بار بار ان دنوں سوچ رہا تھا کہ الہ آباد کا سفر کروں اور آپ کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔ مگر۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کی شکل سامنے آگئی۔

نکتہ رسی، سخن سنجی، معقولات و منقولات میں گہرائی کے گویا آپ امام تھے۔ تصلب فی الدین، توکل علی اللہ آپ کا شیوہ تھا۔ آپ کیا گئے علم کا طنطنہ جاتا رہا، فکر و فن کا جاہ و جلال رخصت ہو گیا۔ اہل علم غم زدہ ہیں اور تلامذہ سوگوار اور دنیائے اہل سنت ماتم کناں ۔ آپ کی تصانیف عربی انگریزی اردو تینوں زبانوں میں علم و کمال کی منہ بولتی تصویریں ہیں،" مجاہد ملت کا حرف حقانیت " عربی اردو دونوں زبانوں میں ہے اور بڑی شاہکار تصنیف ہے۔ یوں ہی مجاہد ملت کی سب سے ضخیم سوانح حیات "مرد جوزاء" آپ ہی کے قلم کی یادگار ہے۔

خدائے قادر و رحمٰن، مرحوم کی دینی خدمات کو شرف قبول سے نوازے، ان کے علمی فیضان کو عام کرنے کی ہمیں توفیق بخشے، اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت اعلیٰ میں بلند مقام دے۔ ☆☆☆

حضرت مولانا ذاکر دیناج پوری کا وصال

از: محمد شہروز کٹیہاری، موہنا_ چوکی کدوا کٹیہار

معتبر ذرائع سے خبر موصول ہوئی کہ سرجاپوری روایات پر گہری نظر رکھنے والے، حضرت مولانا ذاکر دیناج پوری کا کل 26 اپریل 2021 کو کورونا سے وصال ہو گیا-انا للہ و انا الیہ راجعون- ان کی شخصیت یقیناً ایک عظیم شخصیت تھی، فیس بک پر ہی ان سے ملاقات ہوئی اور اسی فیس بک نے مفارقت کی خبر سنادی- اللہ انھیں غریق رحمت فرمائے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اردو زبردست تھی - واقعہ بیانی بہت آسان ہے پر واقعہ سازی سب کے بس کا روگ نہیں - انہوں نے یہ روگ قوم کی اصلاح کے لیے پال رکھا تھا- "بھاگ منگلو بھاگ" کے عنوان سے قسط وار ان کا مضمون سرجاپوری جلسوں پر فیس بک میں شایع ہو کر کتنے لوگوں کا دل جیت چکا تھا جس میں سے ایک میں بھی تھا- فیس بک آئی ڈی میں شاید اپنے فرزند یا کسی عزیز کی تصویر لگا رکھی تھی - میرے گمان میں وہی ذاکر صاحب تھے - ایک نوخیز طالب علم سمجھ کر ان کی تحریروں پر استعجاب بھی ہوتا - آج ڈاکٹر شہباز چشتی صاحب نے چہرہ دکھایا- مولی! ان کی تربت کو رحمت و نور سے بھر دے ۔ کاش ان کی تحریرون کو کوئی جمع کر کے شایع کر دیتا۔

☆☆☆☆☆

آہ!! خانقاہ رحمانیہ بانکا کا ایک عظیم ستارہ روپوش ہو گیا!

از قلم۔ **محمد اشفاق عالم نوری فیضی**، کولکاتا

آج کل فیس بک، وٹس ایپ یا دیگر سوشل میڈیا میں دستک دیتے ہی دلوں کی دھڑکنیں کچھ دیر کے لئے تیز ہو جاتی ہیں کہ نہ جانے پھر کسی کی کوئی افسوسناک خبر نظروں کے سامنے آپڑے اور وہی ہوا جس سے کچھ دنوں سے ڈرا ہوا تھا کہ 5 مئی 2021ء بروز بدھ جیسے ہی سحری کے لیے غالباً 3 بجے بیدار ہوا تو ایسی ذات بابرکات کے وصال کی خبر نے پھر ہمیں ایک بار جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ہماری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں یقیناً ایسی ذات بابرکات کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ساری عمر ترستی رہیں گی یہ خبر سننے کے بعد یقین نہیں ہو رہا تھا کہ جن کے لیے

غالباً مسلسل ہفتہ دس دنوں سے اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں صحت یابی کی بھیک مانگتا رہا، نماز پنجگانہ میں شفاے کاملہ و عاجلہ کے لئے دعائیں کرتا رہا، دوسروں سے بھی دعاؤں کے لیے درخواستیں کرتا رہا لیکن اللہ ربّ العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ آہ! صد آہ!!! آج وہ مرشد برحق، خوش اخلاق، نیک کردار، سادہ مزاج، صالح طبیعت کے مالک، عجزو انکساری کے پیکر، جن کی زندگی سادگی سے لبریز ہمارے والدین کریمین کے پیر و مرشد گل گلزار قادریت، شہزادہ سیادت، منبع علم و حکمت، پیر طریقت رہبر راہ شریعت، شہزادہ خلیفہ اعلیٰ حضرت، شیخ المسلمین حضرت علامہ مولانا الشاہ حسنین رضا قادری صاحب قبلہ (سجادہ نشین: خانقاہ رحمانیہ کیری شریف بانکا بہار) ہمیں یتیم کر گئے اور آج دنیا آپ کی ولولہ انگیز سحر بیانی سے ہمیشہ ہمیش کے لیے محروم ہوگئی، اور ہو بھی کیوں نہیں آپ نے عاشق رسول کا سچا وارث اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا سچا سپاہی بن کر اور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں عشق مصطفی کے چراغ کو مزید روشنی عطا کر کے اس دنیا کو اور اپنے لاکھوں عقید تمندوں کو روتا اور بلکتا ہوا ابدی نیند سو گئے (اناللہ و انا الیہ راجعون)

ان کی رحلت سے آج ہمارا گھر، علاقہ، شہر بلکہ پورا ہندوستان خصوصیت کے ساتھ بانکا، بھاگلپور، گڈا، جموئی، صاحب گنج، دیوگھر، جامتاڑا اور دمکا وغیرہ جیسے اضلاع غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آج جوان اضلاع کے مریدین و معتقدین اور متوسلین کی حالت ہو رہی ہے اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے وہی لگا سکتے ہیں جن کے قلب و جگر قندیل رحمانی سے جگمگا رہے تھے وصال کے دن سے آج تک ناچیز بھی نڈھال ہے کہ حضرت اتنی جلدی ہم سبھوں کو چھوڑ کر سوے جناں چلے جائیں گے کبھی سوچا نہ تھا۔ آہیں نکل رہی ہیں سسکیاں تھمنے کا نام نہیں لیتیں یکسوئی میں بیٹھ کر انکی خوبیوں کو یاد کرتا جاتا اور قلب و جگر کو بھی کوستا جاتا کہ اب بتا! ہمارے جلسوں کی صدارت کون کرے گا؟ ہماری شادی بیاہ میں شرکت فرما کر شرف قبولیت کا مہر ثبت کون کرے گا

چھوٹے چھوٹے دینی و فلاحی پروگراموں میں حاضر ہو کر حوصلہ افزائی کون کرے گا؟ مدرسہ خانقاہ رحمانیہ کے طلبہ، مریدین، متوسلین معتقدین کو خانقاہی جام کون نوش کرائے گا؟ عرس رحمانی کا شاندار اسٹیج اب ہمیشہ کے لئے خالی رہ جائے گا، آسیبی اثرات کے شکار اور دیگر معاملات سے رہائی کون دلائے گا؟ دکھ اور مصیبت زدہ انسانوں کو دلاسہ کون دے گا؟ یقیناً اگر کوئی ذات تھی تو آپ کی ہی ذات تھی آپ کے اندر عجز و انکسار تو الحمدللہ ایسی کہ آپ کے عقیدت مند آپ کو اپنے پروگرام میں قیام کے لیے جس جگہ کو پیش کرتے خوشی بخوشی قبول فرما لیتے نہ ایئر کنڈیشنڈ کی تمنا نہ سیلنگ فین کی چاہت ہمارے گاؤں گاؤں میں اسفار کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے اور نہ ہی نذرانے کا کوئی ڈیمانڈ میلاد، جلسے و جلوس میں جو بھی تحفتاً پیش کیا جاتا آپ بخوشی قبول فرما لیا کرتے اور نہ ہی کھانے پینے میں فرمائش کرتے دسترخوان پہ جو کچھ حاضر ہوتا اللہ رب العزت کا شکر بجالاتے ہوئے تناول فرمالیا کرتے۔ نہ جانے ہمارے مرشد کتنی خوبیوں کے مالک تھے۔ اور اپنی خوبیوں کو عملی جامہ پہنا کر دنیاے سنیت کو منور و مجلی کر دیے پھر ہمیشہ ہمیش کے لئے ہم سے رخصت ہوئے۔

اب ہمارے علاقہ میں ایسا مرشد کہاں ملے گا بس ہمیں یہی بول کے قلب و جگر کو دلاسہ دینا پڑا "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کے تحت آپ نے آخرت کے رخت سفر باندھ لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دنیائے سنیت ہمیشہ ہمیش کے لئے "مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَم" کے غم میں ڈوب گئی۔ 6 مئی 2021ء بروز جمعرات نو بجے صبح رحمانی کمپس میں لاک ڈاون کے درمیان غالباً 15 ہزار کی تعداد میں لوگوں نے شریک ہو کر نماز جنازہ ادا کیں اور ہمیشہ کے لئے آپکو آپکے والد گرامی خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ الشاہ سید محمد عبدالرحمٰن قادری بیتھوی علیہ الرحمہ کے مرقد انور کے قریب سپرد خاک کیا۔

اللہ ربّ العزت حضرت علامہ سید حسنین رضا قادری علیہ الرحمہ کے صدقے و طفیل ہمارے اور ہمارے والدین کریمین، احبا و اقرباء کے گناہوں کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ عمل بنائے۔ خصوصیت کے ساتھ شہزادہ حضور شیخ المسلمین حضرت علامہ مولانا مفتی الشاہ محمد سید شاہد رضا قادری رحمانی مصباحی صاحب قبلہ (ولی عہد: خانقاہ رحمانیہ کیری شریف بانکا بہار) اور ان کے جملہ شہزادگان، مریدین، معتقدین اور متوسلین کو بھی صبر و شکیبائی کی توفیق بخشے۔ **آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔** ☆☆☆

مکتوبات

حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی

مکرمی! حافظ ملت، عزیز الاولیا، حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دست راست تھے رئیس المعقولات علامہ حافظ عبدالروف بلیاوی قدس سرہ-جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شیخ المعقولات اور نائب شیخ الحدیث تھے-ضلع بلیا، یو.پی ان کا آبائی مسکن تھا-والد ماجد جناب محمد اسلام صاحب کلکتہ میں ریلوے ملازم تھے- کلکتہ سے حفظ قرآن کے بعد امروہہ اور احسن المدارس کان پور ہوتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارک پور پہنچے ۔ حافظ ملت کی بارگاہ میں دستار فضیلت حاصل کی، کچھ دنوں بریلی شریف اور ناگ پور میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مستقل طور سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ہوکر رہ گئے، سنی دار الاشاعت مبارک پور کے قیام اور فتاوی رضویہ کی اشاعت میں آپ کا نمایاں کردار رہا ہے-جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تدریس کے زمانے میں کچھ مہینہ چھٹی لے کر ملک العلما، فاضل بہار علامہ ظفرالدین بہاری قدس سرہ(مصنف الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری) سے علم ہیئت وتوقیت کے مشکل اسباق کی عقدہ کشائی کی-ملک العلما سے اس اکتساب علم پر تو ملک العلما کے سبھی سوانح نگار متفق ہیں، مگر شہزادہ ملک العلما ڈاکٹر مختارالدین آرزو رحمہ اللہ کے مطابق یہ اکتساب پٹنہ کے "ظفر منزل"(ملک العلما کا گھر) میں ہوا تھا-

(حیات ملک العلما از پروفیسر مختارالدین آرزو)

جب کہ ملک العلما کے تلمیذ رشید حضرت مولانا شہاب الدین اشرفی قدس سرہ کے مطابق حافظ عبد الروف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی آمد جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں ہوئی تھی-اس وقت ملک العلما یہاں کے صدر المدرسین تھے- (ملک العلما 1950 سے 1960 تک بحر العلوم کٹیہار میں رہے) تین ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے، مگر چند ہفتوں میں سارے اشکالات حل فرما کر واپس ہوگئے-(دیکھیے جہان ملک العلماص 452)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق استاذ اور ملک العلما پر سب سے بڑے لکھاری حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی مصباحی لکھتے ہیں-"جب ملک العلما مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں درس دے رہے تھے اس وقت آپ (عبدالروف بلیاوی) نے اس فن کو سیکھنے کے لیے کٹیہار کا سفر کیا اور چھ مہینہ رہ کر اس فن میں مہارت حاصل کی-(جہان ملک العلماص 1043)

ملک العلما کے باحیات تلامذہ میں مولانا عبدالعلیم علمی (مالک علمی کتب خانہ بہادر گنج، کشن گنج ساکن نٹواپارہ، بہادر گنج، کشن گنج) اور مولانا عبد القادر رشیدی سابق پرنسپل مدرسہ شمسیہ سہی پور، اعظم نگر، کٹیہار (ساکن بائسی چوپڑا، پورنیہ بہار) سے راقم الحروف (شہروز) کی بالمشافہ گفتگو دونوں کے گھر پر ہوئی ہے-دونوں بحر العلوم کٹیہار میں ملک العلما سے فیض یافتہ ہیں-دونوں نے حافظ عبدالروف بلیاوی کے واقعہ کٹیہار کی پر زور تائید فرمائی-آخر الذکر نے تو اپنا چشم دید واقعہ بتایا، مزید فرمایا کہ ملک العلما حافظ عبدالروف بلیاوی قدس سرہ کو بعد عصر تا مغرب کا وقت عنایت فرماتے تھے جوان کی چائے نوشی کا وقت تھا-

کٹیہار میں علامہ عبد الروف بلیاوی کی مدت قیام میں بھلے اختلاف ہو، مگر قیام واکتساب ثابت ہے، ممکن ہے ظفر منزل پٹنہ میں بھی اکتساب رہا ہو-

محمد شہروز کٹیہاری
موہنا، چوکی، کدوا، کٹیہار، بہار

کرونا وائرس ایک عالمگیر بیماری اور اسلامی تعلیمات

مکرمی! آج پوری دنیا مرض مہلک، وبائی مرض یعنی کورونا وائرس کی زد میں ہے جس کی چپٹ میں پوری دنیا کراہ رہی ہے جس کی وجہ سے اطراف عالم میں رنج وغم اور خوف ودہشت کا ماحول ہے عالم گیر سطح پر انسانی معاشرے پر حملہ آور ہے جس کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کی اس خطرناک وائرس کی وجہ اموات ہوئی ہے مزید اس کا سلسلہ جاری ہے ایسے میں ہماری تھوڑی سے بے احتیاطی اور غفلت قریب المرگ کر سکتی ہے۔اس وائرس کو اگر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو در اصل اس طرح کے وبائی امراض عذابِ الہی ہوا کرتا ہے۔

جی ہاں! جب کوئی بندہ احکامِ الٰہی سے روگردانی کرتا ہے اللہ کے احکام کی بجاآوری سے دور بھاگتا ہے حقوق اللہ کی ادائے گی عمل میں نہیں لاتا ہے جب بندوں کے گناہوں کی کثرت ہوجاتی ہے حقوقِ عبد پامال کیے جاتے ہیں نظامِ شریعت کو خود کی طبیعت پر اتار لیا جاتا ہے تو پھر قہرِ الٰہی اپنا جلوہ دکھاتی ہے اور رب کا عذاب آتا ہے، جی ہاں! ماضی میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

سنہ 449ھ میں بغداد اور اس کے اطراف کے شہروں میں بھوک مری کا عذاب آیا تھا جس میں کثرت سے لوگوں کی موتیں ہوئی تھی عالم یہ تو تھا کہ لوگ قبروں کو اکھیڑتے اور مردوں کو بھون کر کھاجاتے اس وبائی مرض میں مرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ پانچ لاکھ پچاس ہزار تھی۔(البدایہ والنھایہ جلد:12،ص:109)

اسی طرح پہلے بھی وبائی امراض آئے جن میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی جانیں گئی، چناں چہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص کی پاداش میں تمام لوگوں کو عذابِ الٰہی میں مبتلا نہیں کرتا، ہاں لیکن جب برائی کھلم کھلا ہونے لگے تو سب کے سب سزا کے مستوجب ہوتے جاتے ہیں۔(حلیہ اولیاء 5/298)

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ جب بندہ رضائے الٰہی کے بجائے اللہ کو ناراض کرتا ہے رب کے بتائے گئے احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوتا ہے لوگوں میں گناہوں کی کثرت ہوجاتی ہے سر عام احکاماتِ رب تعالیٰ کی خلاف ورزیاں ہونے لگتی ہے، لوگوں میں شراب پینا اور زنا کرنا عام ہوجاتی ہے تو ایسے وقت میں رب کے عذاب کا نزول ہوتا ہے اور قہرِ الٰہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، دین متین کی اسی زاویے نظر کے مدنظر کرونا وائرس درحقیقت مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے جس کی وجہ صرف ہماری بد اعمالیاں ہیں جیسا کہ خود اللہ رب العزت کا فرمان ہے: اور تمھیں جو مصیبت پہونچی وہ اس سبب سے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے (کنز الایمان) اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب کسی قوم میں برائیاں عام ہوجائیں تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں جنم لیتی ہے جو ان کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں"۔(ابن ماجہ)

موجودہ خطرناک بیماری جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کے متعلق ہمیں احادیث شریفہ سے بچنے کی ہدایت فراہم ہوتی ہے جس میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، احادیث میں دو طرح کی حدیثیں ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کچھ بیماریاں ایسی ہوتی ہے جن میں قوتِ امتداد ہے اور کچھ بیماریوں میں نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لے جایا جائے۔(صحیح مسلم، جلد:2،ص:231،مجلس برکات)

اور اس کے علاوہ دوسری حدیث جن سے پتا چلتا ہے امراض متعدّی نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا: "لا عدوی و لا صفر و لا ھامۃ" یعنی کوئی بیماری متعدّی نہیں ہوتی، بد فالی اور بد شگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں، نہ الو کا بولنا اور نہ ماہِ صفر منحوس ہے۔(صحیح مسلم، جلد:2،ص:230)

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دونوں حدیث اپنی جگہ صحیح اور درست ہے اور عقل بھی اس بات کو قبول کرتی ہے کہ کچھ امراض ایسے ہوتے ہیں جو متعدّی ہوتے ہیں یعنی وہ مرض ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں جیسے جراثیم و بیکٹریا اور انفیکشن وغیرہ، اور کچھ مرض ایسے ہوتے ہیں جن میں قوتِ امتداد نہیں ہوتا یعنی جو ایک سے دوسری کی تک منتقل نہیں ہوتا جیسا کہ لاعدویٰ والی حدیث شریف میں مذکور ہے، لیکن اس کی بہترین تشریح اور تفسیر امام نووی نے کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لاعدویٰ والی حدیث جس میں مرض کے متعدّی ہونے کی نفی ہے اس سے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے فاسد گمان اور باطل خیال کی تردید ہے کیوں کہ ان کا گمان تھا کہ بیماری غیر تقدیرِ الٰہی کے خود بخود ایک دوسرے کی طرف منتقل و متعدّی ہوجاتی ہے تو اللہ کے حبیب نے ان کے اس باطل گمان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "عدوی ولا صفر ولا ہامۃ"، یعنی بیماری خود بخود متعدّی نہیں ہوتی بلکہ مشیت الٰہی سے ایک دوسرے تک متعدّی ہوتی ہے ویسے ہی کرونا وائرس ایک ایسی بیماری ہے جو ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی ہے جس سے احتیاط برتنا بہت ہی ضروری ہے اور احتیاطی تدابیر کی بجاآوری بھی ضروری ہے کیوں کہ وبائیں آزمائش بن کر آیا کرتی ہیں ایسی صورت حال میں تقدیر پر راضی رہتے ہوئے راحتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے اور مقتضائے دانشمندی بھی ہے جب کبھی مسلمانوں کو وبائی امراض اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تو تقدیر پر راضی رہتے ہوئے تدابیر بھی اختیار کرتے اور اس آزمائش کے آنے کے اسباب کا سدباب کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہوکر اللہ پاک کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کے ساتھ توبہ کرنا ضروری ہے لہذا موجودہ وقت میں بھی اس اس مہلک وبائی مرض کے پیشِ نظر ہمیں مشیت ربانی پر راضی ہوتے ہوئے احتیاطی تدابیر اپنانا ہے،

اور ایسے بیماری سے اجتناب ضروری ہے جس میں ضرر اور نقصان ہواگرچہ مشیت الٰہی سے ہو کیوں کہ حضور کا فرمان ہے بیمار کو صحت مند کے پاس نہ لایا جائے اس خطرناک وائرس سے بچنے کے لیے ہمارے لیے تعلیماتِ نبوی روز روشن کی طرح عیاں ہے جس پر بندہ مومن کو عمل پیرا ہونا چاہیے اور اسی طرح وضو بھی کورونا وائرس کی انفیکشن سے بچاؤ میں کافی حد تک معاون ہے کیوں کہ یہ وائرس سب سے پہلے انسان کے سانس پر اثرانداز ہوتا ہے جس سے بچنے کے لیے ماسک کا بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن ہمارے لیے تعلیماتِ نبوی اس قدر مؤثر ہے کہ اس سے اس وائرس سے بچا جاسکتا ہے جس پر غور کرنے کی ہر ایک کو ضرورت ہے دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کے احکام کی بجاآوری کی توفیق بخشے اور اعمال کے احتساب کے توفیقِ خیر عطاکرے اور اس خطرناک وائرس سے تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

از: محمد سبطین رضا مصباحی۔ کشن گنج بہار

کیا ہم سچے عاشقِ رسول ہیں؟

آج پورے ملک میں افراتفری کا ماحول بنا ہوا ہے جہاں آج پورا ملک کورونا جیسی بھیانک وبا سے پریشان ہے تو وہیں دوسری طرف ملک کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کے ساتھ لگاتار کھلواڑ کیا جا رہا ہے، ابھی چند دنوں قبل یتی نرسہانند سرسوتی نام کا ایک لعنتی جس نے دلی پریس کلب میں سرکار دو جہاں ﷺ کی شان اقدس میں ایسی ایسی گستاخیاں کی ہیں جو تحریر کرنے کے قابل نہیں اور نہ ہی زبان میں لانے کے قابل ہیں۔ اس جہنمی شخص نے کبھی خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کی، تو کبھی قرآن مقدس کو غنڈوں کی کتاب کہا، جسے پوری دنیا نے سوشل میڈیا کے ذریعے دیکھا اور سنا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ گورنمنٹ کی مکمل پشت پناہی انھیں حاصل ہے جبھی تو ملک بھر سے سینکڑوں F.I.R. درج ہونے کے بعد بھی ان پر کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

مگر ہماری طرف سے خاموشی کیوں؟ اور پھر ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم سچے عاشقِ رسول ہیں۔ ڈاکٹر اقبال فرمایا کرتے تھے کہ میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی یہ کہے کہ تیرے پیغمبر کے کپڑے میلے تھے۔

مسلمانوں کی بربادی کا سبب اس سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نبی کی شان میں گستاخیاں ہو رہی ہے اور نبی سے محبت کا دم بھرنے والے چین کی نیند اپنے گھروں میں سو رہے ہیں، وہ نبی جو نبی فرماتے ہیں کہ میرے کسی امتی کے پیر میں جب کانٹا چبھتا ہے تو سب سے زیادہ تکلیف مجھے ہوتی ہے، وہ نبی جو پوری رات بیدار رہ کر، رب کے حضور رو رو کر ہم گنہگار امتیوں کے لیے مغفرت کی دعائیں کریں، جس نبی نے فرمایا وہ شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ اپنی آل اولاد یہاں تک کے اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔ آج اس رسول معظم کو گالیاں دی جا رہی ہیں اور ہم اور آپ خاموش ہیں، سونچ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور پھر ہم سینہ ٹھوک کر یہ کہتے ہیں کہ ہم سچے عاشقِ رسول ہیں۔

آج اگر کسی پیر کی شان میں گستاخی ہوئی ہوتی تو ان کے چاہنے والے ان کے مریدین ہنگامہ محشر برپا کر دیتے یہ کہتے ہوئے کہ آج یا تو تم رہو گے یا ہم رہیں گے۔ لیکن جب ناموس رسالت کی بات آتی ہے تو پیر صاحب بھی خاموش مرید صاحب بھی خاموش، اور پھر کہتے ہیں کہ ہم سچے عاشقِ رسول ہیں۔

عزیز قائد ملت حضرت علامہ مفتی سلمان ازہری صاحب قبلہ ممبئی، جنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو جاگنے پر مجبور کر دیا اور گستاخانِ رسول کے خیمے میں آگ لگادی ڈنکے کی چوٹ پر (گستاخ رسول، یتی نرسہانند سرسوتی) کو مباہلے کا اوپن چیلنج کیا اور فرمایا آؤ کسی جگہ پر آگ لگائی جائے تم بھی کودو میں بھی کودتا ہوں جو بچ جائے گا اسی کا مذہب حق ہوگا، ازہری صاحب کا یہ ایک جملہ پورے سوشل میڈیا میں گردش کرنے لگا اور پورے ملک بھر میں ہر طرف سے ازہری صاحب کو دعائیں ملنے لگی نبی سے محبت کرنے والے اور نبی کے گستاخوں کو دندان شکن جواب دینے والے ازہری صاحب کو کسی نے امیر المجاہدین کہا تو کسی نے شیر اعلیٰ حضرت، دیکھتے ہی دیکھتے ازہری صاحب کی شہرتوں کا شامیانہ چوتھے آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچا لیکن ہمارے کچھ مقتدر علمائے کرام کو یہ باتیں ہضم نہ ہوئی کہ جلسوں میں ولولہ انگیز خطاب ہم کریں اور مقبولیت کا سہرا کسی اور کے سر، جبہ قبہ لگا کر موٹے لفافے لے کر نبی کی نعت جلسوں میں ہم پڑھیں اور تعریف کسی اور کی، اور پھر آؤ دیکھا نا تاؤ خواب خرگوش کی نیند سے اٹھ کر کچھ شیر کود پڑے سوشل میڈیا کے میدان میں اور پھر طنز و تنقید کی برسات کرنے لگے ازہری صاحب کی ذات پر،

انہوں نے غلط کیا! ایسا نہیں ایسا کرنا چاہیے! کس سے پوچھ کر انہوں نے ایسا کیا؟ وہ آگ میں کود کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ جن کی

جیسی مرضی انہوں نے ویسا کہا، لیکن ایک سچا عاشق رسول زمانے کی پروا نہیں کرتا، ازہری صاحب اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کو بھی دعاؤں سے نوازتے رہے۔

از: منور سیفی
(جنرل سیکرٹری: جماعت رضائے مصطفیٰ، رام گڑھ)

قرآن مجید میں کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی

قرآن مجید ایک لازوال، غیر متبدل، کتاب ہدایات ونجات اور منزل من اللہ ہے اور آج بھی اسی طرح اپنی شکل میں موجود ہے جس طرح وہ اپنے نزول کے وقت تھا۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخری پیغمبر جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا اور اس کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر رکھا۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ گزر گیا لیکن اس میں ذرہ برابر بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ حفاظت قرآن کے تعلق سے ارشاد ربانی ہے:

"بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں" (الحجر آیت: 9)

قرآن کریم میں تبدیلی کی بات کرنے والے اس آیت کے حسن اور اس میں مستعمل تاکیدات کو تو دیکھیں، دنیا کی کسی کتاب میں خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس قدر تاکید کا استعمال نہیں کیا گیا، انا حرف مشبہ تاکید کے لیے، نحن جمع تاکید کے لیے، نزلنا باب تفعیل سے تاکید کے لیے، الذکر الف لام معرفہ تاکید کے لیے، وانا اور لہ تاکید کے لیے، لحافظون لام صیغہ جمع تاکید کے لیے، اتنی تاکیدات کے ہوتے ہوئے کون ہے جو آیات الٰہیہ میں تبدیلی کی کوشش کرے اور کامیاب ہو جائے؟ قرآن مجید دستور بندگی ہے اور دستور زندگی بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولن تجد لسنته الله تبدیلا

"اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے" (الفتح: آیت: 29)

اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں تغیر و تبدل اور کمی و بیشی ناممکن ہی نہیں محال ہے۔

اتر پردیش شیعہ وقف بورڈ کے سابق چیرمین ملعون زمانہ وسیم رضوی نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی 26 آیات کو نکالنے کے لیے سپریم کورٹ میں عرضی دائر کی تھی، مقام مسرت ہے کہ 12 اپریل 2021 کو سپریم کورٹ نے اس بدبخت، گمراہ اور ملعون شخص کی عرضی کو خارج کر دیا، ساتھ ہی اس پر پچاس ہزار کا جرمانہ عائد کرتے ہوئے سخت تنبیہ کی۔ قرآن پاک کے تعلق سے اسی طرح کا ایک مقدمہ 1985 میں کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی خارج کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ کسی آسمانی کتاب پر مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔

حفاظت قرآن خدا کا ازلی وعدہ ہے۔ طاغوتی طاقتیں خواہ کتنی ہی یلغار کریں اس کی آیت تو کیا زیر و زبر کو بھی ردوبدل نہیں کر سکتیں۔

قرآن کا حقیقی محافظ خداوند قدوس ہے لیکن اس نے اپنے پاک کلام کی حفاظت و صیانت کے لیے ایک دو نہیں بلکہ بے شمار لوگوں کا الگ الگ طبقہ بنا دیا ہے۔ حفاظ کرام جن کی تعداد لاکھوں میں ہے وہ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے الفاظ قرآن کی حفاظت کر رہے ہیں۔ قرائے کرام قرآن پاک کی تمام تر قرآت و روایات، اس کے پڑھنے کے انداز و طریقے اور رسم الخط کا تحفظ کر رہے ہیں۔ مفسرین کرام کی مقدس جماعت قرآن عظیم کے معانی و مطالب کی حفاظت کر رہی ہے۔ علمائے کرام و صوفیائے عظام قرآن پاک کے احکامات و پیغامات کو عام و تام کر رہے ہیں۔ قرآن کی حفاظت و صیانت کا یہ زریں اور پاکیزہ سلسلہ وقت نزول سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ جس طرح قرآن عظیم بے مثل اور لاریب کتاب ہے اسی طرح اس کی حفاظت کا انداز و طریقہ بھی بے مثال ہے۔

قرآن مجید 30 پاروں 114 سورتوں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی ایک آیت کا انکار بھی کفر و ضلالت اور ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود جو لوگ بھی (چاہے وہ وسیم رضوی ہو یا اس کے ہمنوا) قرآن پاک کی کچھ آیات کے بارے میں منفی خیالات رکھتے ہیں وہ قرآن کے ان فرامین کو غور سے پڑھیں۔

"کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور اس کے دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو، پھر تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو اس کی سزا دنیا میں ذلت و خواری کے اور کچھ نہیں اور قیامت کے دن وہ اور شدید عذاب میں ڈھکیلے جائیں گے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی خرید لی ہے۔ لہٰذا ان پر نہ ہی عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں کوئی مدد فراہم کی جائے گی"۔ (البقرہ: آیت: 86-85)

قرآن کریم کی عظمت و حرمت، عزت و احترام، تقدس و پاکیزگی، عقیدت و محبت کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح انداز میں بیان

فرمایا ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان قرآن عظیم سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ جب بھی قرآن کے خلاف کوئی سازش کی جاتی ہے تو مسلمان اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور کلام الٰہی سے اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی 26 آیتوں کو دہشت گردی کو فروغ دینے والا قرار دیتے ہوئے وسیم رضوی نے سپریم کورٹ میں جب سے عرضی داخل کی تھی پورے ملک میں زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ علمائے کرام نے جگہ جگہ احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مسلم مذہبی لیڈران کے ساتھ ساتھ کئی غیر مسلم سیاسی و سماجی لیڈران نے بھی وسیم رضوی کے خلاف سخت قدم اٹھائے جانے کا عدالت سے مطالبہ کیا۔ سب سے پہلے شیعہ علما نے وسیم رضوی پر کفر کا فتویٰ عائد کرتے ہوئے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی، بچے اور خاندان والوں نے علاحدگی اختیار کر لی، یہ وسیم رضوی کے دنیا میں ذلیل و رسوا ہونے کی دلیل ہے۔

از: مولانا محمد عرفان قادری

استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

بشر حافی، ایک عظیم ولی

حضرت بشر حافی: ان کا مکمل نام بشر بن حارث بن عبد الرحمن بن عطاء بن ھلال بن ماھان بن عبد اللہ، آپ کی کنیت ابو نصر تھی، اور نسبت مروزی، آپ کی ولادت 152ھ میں ہوئی تھی۔ اکابر اولیا میں سے تھے آپ اپنے زمانے میں عقل و دانش، عبادت و ریاضت، دینی استقامت، نفس کشی، فضول کاموں، باتوں سے دور رہنے کے معاملے میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فائق تھے۔ آپ نے کئی احادیث کا سماع کیا لیکن آپ خود احادیث بیان کرنے سے شدّتِ احتیاط کی بنا پر احتراز کیا کرتے تھے، آپ کی توبہ کا سبب یہ بنا کہ رستے میں انہیں ایک کاغذ پڑا ملا جسے لوگ لاعلمی میں پاؤں تلے روندر ہے تھے اس میں اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، آپ نے اسے اٹھایا، عطر خریدا، اسے معطر کر کے ادب کی جگہ پر رکھ دیا، آپ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا تھا، تم نے ہمارے نام کو معطر کیا ہے ہم دنیا و آخرت میں تمھارا نام معطر کر دیں گے۔ آپ ننگے پاؤں چلا کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو حافی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ خود آپ نے بیان فرمائی جسے امام یافعی نے "روض الریاحین" میں ذکر کیا کہ وہ امیر کبیر تھے، رئیسانہ عیش و عشرت میں بسر کرتے ایک دن اپنی مجلس نشاط میں تھے کہ دروازے پر کسی فقیر نے آواز دی کنیز گئی، فقیر نے پوچھا: تیرا آقا کیا کرتا ہے؟ اس نے بیان کیا، کہا: تیرا آقا بندہ ہے یا آزاد؟ کہا: آزاد، کہا: سچ کہتی ہے، بندہ ہوتا تو بندگی میں ہوتا، یہ آواز حضرت بشر کے گوش مبارک میں پڑی فوراً حال متغیّر ہوا، بیتابانہ ننگے پاؤں دوڑے، فقیر کو نہ پایا، دنیا چھوڑی، محبت مولیٰ کے رنگ میں رنگے گئے مگر اس دن سے جوتا نہ پہنا، اگر کوئی پوچھتا فرماتے: میرے مولیٰ نے مجھ سے اسی حالت پر صلح کی، یعنی جس وقت جذبِ الٰہی نے مجھے اپنی طرف کھینچا میں اس وقت ننگے پاؤں ہی تھا، لہٰذا اسی حال پر رہنا چاہتا ہوں آپ کی کرامت تھی جب تک زندہ رہے تمام جانوروں نے راستوں میں لید، گوبر، پیشاب کرنا چھوڑ دیا کہ حافی کے پاؤں خراب نہ ہوں۔ ایک دن کسی نے بازار میں لید پڑی دیکھی کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پوچھا گیا: کیا ہے؟ کہا: حافی نے انتقال کیا، تحقیق کے بعد یہی امر نکلا۔

(روض الریاحین، ص: 217-218)

حضرت بشر حافی نے فرمایا: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمھارے ساتھیوں کے درمیان میں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بلند رتبہ کیوں عطا فرمایا؟ میں نے عرض کیا: جی نہیں! یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ تم میری سنتوں کی اتباع کرنے والے ہو، صالحین کی خدمت کرنے والے ہو، میرے صحابہ و اہل بیت سے محبت کرنے والے ہو، یہی وہ اعمال ہیں جس نے تمہیں ابرار (نیکوں) کے مرتبے تک پہنچا دیا ہے۔ حضرت بشر حافی نے ایک بار فرمایا: مجھے اپنے تمام اعمال میں سے سب سے زیادہ بھروسہ اس عمل پر ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ کا انتقال ربیع الاوّل 227ھ میں بروز جمعہ بغداد میں 75 سال کی عمر میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، 1691۔ بشر بن حارث، ج: 9، ص: 174)

حضرت ابوالفتح بن بشر فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت بِشر حافی کو ایک باغ میں دیکھا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے ایک دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس نے رحم فرماتے ہوئے مجھے بخش دیا اور تخت پر بٹھا کر فرمایا: اس دسترخوان پر موجود پھلوں میں سے جو چاہو کھاؤ اور لطف اٹھاؤ کیونکہ تم دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکتے تھے۔ (صفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من اہل بغداد، الرقم، 260، ج2، ص214 مختصراً)

از: ابو حمزہ محمد عمران مدنی، پاکستان

☆☆☆☆

خیر و خبر

قادیانیت پر آخری ضرب

خواجہ غلام دستگیر فاروقی صاحب زید مجدہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور رد قادیانیت میں نمایاں طور پر سامنے آئے ہیں، الحمدللہ، آپ نے نہایت قلیل عرصہ میں ختم نبوت کے محاذ پر اپنے علم وقلم کی جولانیاں اور روانیاں دکھائی ہیں آپ نے ادارہ المنتھی پاکستان کا قیام عمل میں لایا اور اس کے تحت نہ صرف جامعہ رحمت لاہور میں ختم نبوت کورس جاری وساری فرمایا بلکہ مملکت خداداد پاکستان کے مختلف دیہاتوں اور شہروں میں ختم نبوت کانفرنسوں کا انعقاد کروایا اور رد قادیانیت کے موضوع پر کتب و رسائل کی تقسیم فرما کر عوام الناس کو عقیدہ ختم نبوّت کی حفاظت کا شعور بخشا۔ ماشاءاللہ، آپ خود صاحب علم وقلم ہیں اور آپ کے راہوار قلم سے کئی کتب ورسائل منصہ شہود پر آچکے ہیں "آئینہ قادیانیت" کے عنوان سے آپ کی ایک مختصر اور جامع تحریر ہے جس میں آپ نے طائفہ قادیانیت کو ان کی اپنی تحریروں سے آئینہ دکھا دیا ہے... آئینہ دکھایا تو برا مان گئے... اہل حدیث مکتبہ فکر کے ڈاکٹر بہاء الدین نے جب فاتح قادیان حضور قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر بے جا تنقید کی تو آپ نے "تاجدار گولڑہ اور جہاد ختم نبوت" کے عنوان سے اس کے تعاقب میں ایک خوب صورت کتاب مرتب فرمائی جس میں مشاہیر اہل علم وقلم کے مقالات جمع فرما کر معترض کے تمام اعتراضات و تنقیدات کا نہایت مسکت اور مدلل جواب دے دیا ہے۔ "پیش گوئیاں" میں آپ نے فتنۂ قادیانیت کے بارے میں اکابر علما ومشائخ کے مکاشفات جمع فرمائے ہیں، اسی طرح "سوز دل" اور "انصاف کیجیے" میں اپنا نالۂ دل اور آہ وزاری کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ آپ کی یہ دونوں تحریریں اگرچہ مختصر ہیں مگر انتہائی مفید تر اور پر اثر ہیں۔ آپ نے ختم نبوت کے تحفظ اور رد قادیانیت میں اکابرین اہل سنت کے جہاد بالقلم کو محفوظ کرنے کے لیے "کتابیات ختم نبوت" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب مرتب کی ہے ابھی اس کی پہلی جلد شائع ہو کر سامنے آئی ہے جس میں آپ نے نہایت محنت وتحقیق سے محافظین ختم نبوت کی پانچ سو کتب ورسائل کا مختصر مگر جامع تعارف پیش فرمایا ہے۔

ادارہ المنتھی پاکستان کے ہی زیر اہتمام آپ نے اپریل 2017ء سے سہ ماہی "المنتھی" جاری ہے جو الحمدللہ نہایت آب و تاب سے مطلع صحافت پر طلوع ہورہا ہے اب تک اس کے پندرہ شمارے اشاعت پذیر ہوچکے ہیں۔ آخر الذکر چودھواں اور پندرہواں شمارہ مشترکہ ہے یہ دونوں شمارے یکجا ہوکر "قادیانیت پر آخری ضرب نمبر" کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ علامہ پروفیسر سید شاہ فرید الحق قادری جنیدی رحمۃ اللہ علیہ (پ: 1352ھ/1933ء۔ م: 1433ھ/2011ء) نے سات ستمبر 1974ء کے تاریخی فیصلہ کی مختصر روئیداد ایک مقالہ "قادیانیت پر آخری ضرب" کے عنوان سے ترتیب دی جسے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ محبی خواجہ غلام دستگیر فاروقی نے پہلی مرتبہ عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے اس تاریخی دستاویز کو بیک وقت تینوں زبانوں اردو، عربی اور انگریزی میں سہ ماہی "المنتھی" کی اس خصوصی اشاعت میں منظر عام پر لے کر آئے ہیں۔ یہ خصوصی اشاعت مجلد ہے اور صوری اور معنوی لحاظ سے بھی بے مثال ہے۔ "قادیانیت پر آخری ضرب نمبر" سہ ماہی "المنتھی" کی جلد نمبر 4, شمارہ نمبر-14 15 (جنوری تا جون 2021) پر مشتمل ہے ۔ اس کے اردو کے صفحات 55 عربی کے صفحات 63 اور انگریزی کے صفحات 52 ہیں یوں یہ خصوصی اشاعت کل 170 صفحات پر مشتمل ہے۔ حسب روایت یہ اشاعت بھی بدر المشائخ پیر خواجہ محمد بدر عالم جان صاحب زید مجدہ (زینت دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور) کی سرپرستی اور خواجہ غلام دستگیر فاروقی زید مجدہ کی ادارت میں مطلع صحافت پر جلوہ افروز ہوئی ہے۔ آغاز میں محبی صاحب زادہ محمد نجم الامین عروس فاروقی صاحب زید مجدہ کی

ایک نظم ہے جس میں آپ نے مجلہ "المنتھی" کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔

اس کے بعد اردو اور عربی کی تریسٹھ عنوانات پر مشتمل فہرست ہے جو قاری کے ذوق مطالعہ کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اراکین مجلہ کے اسمائے گرامی دیے گئے ہیں، ہدیہ تشکر کے عنوان سے ان تمام محسنین کا شکریہ ادا کیا گیا ہے جن کی کاوشوں سے یہ تاریخی دستاویز شائع ہوئی ہے۔ صاحب مقالہ علامہ پروفیسر سید شاہ فرید الحق قادری جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے "انتساب" دیا گیا ہے جو قائد اہل سنت محافظ ختم نبوت علامہ مولانا حافظ قاری شاہ احمد نورانی صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ پھر فاضل مرتب خواجہ غلام دستگیر فاروقی زید مجدہ کی جانب سے "اظہاریہ" پیش کیا گیا ہے جس میں آپ نے "قادیانیت پر آخری ضرب" کے تاریخی پس منظر سے پردہ اٹھایا ہے اور اسے بیک وقت اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کرنے کی غرض وغایت کو احاطہ تحریر میں لایا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کے قلم سے "کہنا ہے مجھے کچھ اپنی زباں میں" کے عنوان سے نہایت بصیرت افروز تقریظ ہے جس میں "قادیانیت پر آخری ضرب" کی اہمیت وافادیت کو ظاہر وباہر فرمایا گیا ہے اور خواجہ غلام دستگیر فاروقی کی کاوشوں کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے اس کے بعد علامہ پروفیسر سید شاہ فرید الحق قادری جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم فیض اثر سے اردو زبان میں اصل مقالہ "قادیانیت پر آخری ضرب" دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کا عربی میں ترجمہ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کے قلم سے دیا گیا ہے اور آخر میں اس کا انگریزی میں ترجمہ ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کے قلم سے دیا گیا ہے۔ المختصر سات ستمبر 1974 کے تاریخی فیصلہ کی یہ روئیداد رد قادیانیت میں نہایت تاریخی دستاویز ہے جسے بیک وقت تینوں زبانوں میں محفوظ کیا گیا ہے اس سے نہ صرف اردو خواں طبقہ بلکہ اہل عرب اور مغربی دنیا بھی بیک وقت مستفیض ہو سکے گی ختم نبوت کے تحفظ اور رد قادیانیت کے حوالے سے اس دستاویز کی اشاعت صحافت دنیا میں ایک احسن اقدام اور گراں قدر کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس تاریخی دستاویز کو نہایت آب و تاب سے منصہ شہود پر لانے پر خواجہ غلام دستگیر فاروقی کی خدمت میں فقیر ہدیہ تبریک اور مبارک باد پیش کرتا ہے۔ **اللھم زد فزد**۔ یہ دستاویز ہر لائبریری بلکہ ہر اس باذوق مسلمان کے گھر میں ہونی چاہیے جو ختم نبوت کے تحفظ اور رد قادیانیت میں مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اسے شہرت عام اور بقائے دوام بخشے۔

از: سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

ادارہ فروغ افکار رضا برہان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

اسرائیلی جارحیت پہ اقوام متحدہ کی خاموشی افسوس ناک

الجامعۃ الرضویہ میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف آن لائن میٹنگ میں علمائے بہار کا ردعمل

اسرائیلیوں نے فلسطین میں ظلم وستم کی تمام حدود پار کردی ہیں، فلسطینیوں پہ مسلسل گولی باری ہو رہی، جان لیوا حملے ہو رہے ہیں، عورتیں بچے جوان شہید ہو رہے ہیں، انسانیت شرمسار ہے، لیکن عالم اسلام خاموش ہے، تحفظ حقوقِ انسانیت کے نام پہ عالمی سطح کی تنظیمیں مہر بلب ہیں سب کی زبان پہ تالے لگے ہوئے ہیں۔

ان خیالات کا اظہار الجامعۃ الرضویہ کے سرپرست حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی نے اپنے آن لائن خطاب میں کیا۔

انہوں نے کہا کہ گذشتہ نصف صدی سے فلسطین کے مظلوم مسلمان یہودیوں کے نشانے پہ ہیں اور دنیا بھر کے انصاف پسندوں کے سامنے فریادی بنے ہوئے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب وہاں انسانی خون سے ہولی نہیں کھیلی جاتی ہو، ابھی گزشتہ جمعہ کے دن جس طرح اسرائیلی فوجیوں نے مسجد اقصیٰ میں عبادت گزار افراد جن میں خواتین و بچے بھی شامل ہیں انہیں اسرائیلی فوجیوں نے اپنے جبر وتشدد کا نشانہ بنایا جس میں سیکڑوں افراد بشمول خواتین و اطفال زخمی ہوئے اس سے انسانیت شرمسار ہے۔

کہاں ہیں عالمی قوانین؟ کہاں ہیں تحفظ حقوق انسانی کا پرچم لہرانے والی تنظیمیں؟ کہاں ہیں عالم اسلام کے نام نہاد علَم بردار؟ کہاں ہیں انسانی حقوق کی نگہداشت کے دعویدار جنہیں دن کے اجالے میں

وحشت وبربریت کا یہ ننگا ناچ نظر نہیں آرہا ہے۔فلسطینی مسلمانوں کے خلاف ظلم وستم کی داستان خونچکاں تحریر کرنے کا جو ناخوشگوار فریضہ انجام دیا جارہا ہے اس میں وہ لوگ بھی برابر کے شریک ہیں جنہوں نے اس شیطانی ریاست کو قانونی درجہ دینے میں مثبت کردار سازی کا کام کیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ کبھی کبھی تحفظ حقوق انسانی کی عالمی سطح پہ قائم تنظیموں کی جانب سے اسرائیل کی جانب سے فلسطینی مظلوم عوام پہ ہونے والے ظلم وستم کی رپورٹ پیش کی جاتی ہے جن سے وہ چشم کشا حقائق سامنے آتے ہیں جن کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے، لرزہ طاری ہوجاتا ہے، لیکن افسوس! کہ ان رپورٹوں کی اشاعت کے بعد بھی پوری دنیا میں قیام امن کا خواب دیکھنے اور دکھانے والی تنظیمیں اور عالمی برادری مہر بلب نظر آتی ہیں۔

انھوں نے ہیومن رائٹس واچ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ نیویارک میں قائم تحفظ حقوق انسانی کی اس تنظیم نے اپنی 313 صفحات پہ مشتمل رپورٹ جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسرائیل اپنی سرحدوں کے اندر اور اپنے زیر تسلط علاقوں میں فلسطینیوں کے خلاف جیسا سلوک برت رہا ہے وہ یقیناً بین الاقوامی جرائم کے زمرے میں آتا ہے، اگر اسرائیل میں عرب نسل کے اقلیتی شہریوں اور غزہ پٹی نیز مغربی کنارے کے باشندوں کی مجموعی آبادی کو دیکھا جائے تو یہ تعداد اسرائیل کی آبادی کے تناسب میں نصف ہے لیکن اسرائیلی ریاست اپنی پالیسیوں کے تحت نہ صرف اپنے عرب اقلیتی شہریوں بلکہ غزہ پٹی اور مغربی کنارے کے فلسطینیوں کو منظم طور پہ ان بنیادی حقوق سے محروم کر رہی ہے جو یہودی شہریوں کو حاصل ہیں۔"

رپورٹ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "اسرائیل بین الاقوامی جرائم کے زمرے میں آنے والی جن پالیسیوں پہ عمل پیرا ہے ان کی نوعیت انسانیت کے خلاف سنگین جرائم کی ہے۔" انسانی حقوق کی تنظیم نے رپورٹ جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "

اس رپورٹ کا مقصد اسرائیل اور نسلی امتیاز کی جنوبی افریقی ریاست کا موازنہ نہیں بلکہ وہ یہ تعین کرنا چاہتی ہے کہ آج مخصوص نوعیت کی اسرائیلی پالیسیوں اور اقدامات کو موجودہ بین الاقوامی قانون کے تحت نسلی امتیاز کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے"

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی نے فرمایا کہ مسئلۂ فلسطین پہ عالم اسلام نے کبھی مخلصانہ کردار ادا نہیں کیا اگر اسرائیلی ظلم و جارحیت کے خلاف شیرازہ بند ہوکر فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی جاتی تو نقشہ یوں نہیں بگڑتا۔افسوس! عالم اسلام کی بے غیرتی پہ کہ اس نے مفاد امت میں سنجیدہ قدم نہیں اٹھائے بلکہ صہیونی سازشوں کی درپردہ حمایت کی جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آج قبلۂ اول اور فلسطینی عوام کی آزادی اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں نیلام کردی گئی ہے۔

حضرت مفتی انیس عالم سیوانی نے کہا کہ اگر عالم اسلام شیرازہ بند ہوکر القدس کی بازیابی کیلئے سنجیدہ حکمت عملی اختیار کرے تو بعید نہیں کہ ہمارا قبلۂ اول ظالم و جابر اسرائیلی طاقتوں کے قبضے سے آزاد نہ ہو جائے، متحدہ عرب امارات کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں توسیع نے ثابت کردیا کہ اسلام کے یہ نام نہاد ٹھیکیدار بیت المقدس کی بازیابی کی جنگ میں فلسطین کے مظلوم عوام کے ساتھ نہیں ہیں۔

جامعہ کے سکریٹری الحاج سیدولی الدین رضوی نے کہا کہ چند عرب ممالک نے صیہونی ریاست سے اپنے سفارتی وتجارتی تعلقات قائم کرکے تحریک آزادیِ القدس کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور مظلوم فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا ہے۔

مجلس علمائے اہلسنت بہار اقوام متحدہ، عالم اسلام اور تحفظ حقوقِ انسانی کے نام پہ عالمی سطح کی تنظیموں کے ذمہدار ارباب سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بیت المقدس کی عظمت وحرمت بحال رکھنے کے لیے موثر حکمت عملی اختیار کرے اور خصوصی اجلاس طلب کرکے بیت المقدس کی عظمت وحرمت پامال کرنے نیز فلسطینی مظلوم مسلمانوں کے خلاف منظم جارحیت پہ اسرائیل کو عالمی قانون کے تحت سزا دے۔

حکومت ہند سے بھی ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف عالمی برادری پہ دباؤ بنائے اور حقوق انسانی کی اس پامالی پہ اپنے رد عمل کا اظہار کرے۔ہندستان کے مسلمان اور تمام انصاف پسند افراد اس منظم جارحیت کے خلاف اپنے سخت غم وغصے کا اظہار کرتے ہیں۔

☆☆☆

April-May-June 2021

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No. AZM/N.P.2

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA) Ph. (05462) 250149, 250092, Fax-251448

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

اہلِ سنت و جماعت میں محتاجِ تعارف نہیں، اس کی دینی، علمی اور تعلیمی خدمات ہر طرف روشن ہیں، تعلیمی اور تعمیری امور سے متعلق بے پناہ ضرورتیں سامنے ہیں، آپ حضرات سے گذارش ہے کہ حسب ذیل ذرائع سے اپنی رقوم ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل آپ کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

عبد الحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

(Tel.) - 05462-250092 (Mob. No.) 9450109981 Mahnama Ashrafia: 05462-250149
Fax No. 05462-251448 (Mumbai Office) 022-23726122
(Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

(For Education)	(For Construction)
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Oriental Bank of Commerce** **A/c 05752010021920** IFSC. Code: ORBC 0100575 SWIFT Code: ORBCINBBIBD	(3) Aljamiatul Ashrafia **Oriental Bank of Commerce** **A/c 05752010021910** IFSC. Code: ORBC 0100575 SWIFT Code: ORBCINBBIBD

(3)- FCRA. Registration No.- 136250051
Nature:- Educational Social
Darul Uloom Ahle Sunnat Madarsa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank of Commerce- A/C 05752010031950
IFSC. Code ORBC 0100575, SWIFT Code. ORBCINBBIBD

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12